# آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کی رسومات اور اُن کے اثرات

## (اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ)

(تحقیقی مقالہ برائے: ایم۔فل علومِ اسلامیہ)

مقالہ نگار:

**آسیہ بی بی**

رول نمبر: Z775592

لیکچرر

گورنمنٹ گرلز انٹر کالج ہورنہ میرہ

پونچھ آزاد کشمیر

نگران مقالہ:

**پروفیسر ڈاکٹر عبدالخالق خان**

ڈائریکٹر (ر)

انسٹی ٹیوٹ آف اسلامک سٹڈیز

میرپور یونیورسٹی آف سائنس اینڈ ٹیکنالوجی

میرپور آزاد کشمیر

**شعبہ عربی و علومِ اسلامیہ**

علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد

سیشن: ۲۰۰۷ء۔ ۲۰۰۹ء

اس مقالہ کی یونیورسٹی ہذا کے بورڈ آف ایڈوانس سٹڈیز اینڈ ریسرچ نے اپنے بائیسویں اجلاس منعقدہ 2009-08-05 میں زیر نمبر 6-3/2009-AR منظوری دی۔

بسم الله الرحمن الرحيم

## FORWARDING LETTER

The thesis Entitled آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کی رسومات اور اُن کے اثرات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک جائزہ submitted by Miss. Asia Bibi in partial fulfillment of the requirements for the degree of Master of Philosophy in Islamic studies has been completed under my guidance and supervision. I am satisfied with the quality of student's research work.

**Signature:**____________________

**Prof. Dr. Abdul Khaliq Khan**
Director (R)
Institute of Islamic Studies
Mirpur University of Sceince and
Technology Mirpur Azad Kashmir

**DECLARATION**

Miss Asia Bibi d/o Muhammad Saddique Khan Roll No. Z775592 Registration No. 07KPH4257 is a student of M.Phil at the Allama Iqbal Open University, Islamabad do hereby sloemnly declare that the thesis entitled:

آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کی رسومات اور اُن کے اثرات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک جائزہ

is submitted in partial fulfillment of M.Phil degree in Islamic Studies is my original work and has not been submitted or published earlier and shall not in further be submitted by me for obtaining any degree from this or another University or institution.

**Signature:**

**Miss Asia Bibi**

## APPROVAL SHEET OF THE COMMITTEE

Title of Thesis: آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کی رسومات اور اُن کے اثرات، اسلامی تعلیمات کی روشنی میں ایک تحقیقی جائزہ

Name of Student: Miss Asia Bibi accepted, by the faculty of Arabic & Islamic Studies, Allama Iqbal Open University, Islamabad in Partial fulfillment of requirement for the degree of Master of Philosophy in Islamic Studies.

**Viva Voce Committee:**

____________________

Dean, F/O AIS

____________________

Chairman

Department of Islamic Law

____________________

External Examiner

____________________

Supervisor

# اظہارِ تشکر

تمام حمد و شکر ہے اس ذاتِ رحمان و رحیم کا جس نے انسان کے لیے کُل کائنات کو مسخر کرتے ہوئے اُسے عقل و فہم کی عظیم نعمت سے نوازا اور ہدیہ تشکر جناب رسول رحمت ﷺ کی بارگاہ میں جن کی تعلیمات میں علم و دانش کے حصول کی ہدایت اور تاکید ملتی ہے۔

آج مقالے کی تکمیل میرے لیے ایک گونہ تشفی اور سکون کا باعث ہے میں اس موقع پر اُن تمام لوگوں کا تہہ دل سے شکریہ ادا کرنا چاہوں گی جنہوں نے کسی بھی مرحلہ پر میری مدد کی، اس کے بغیر یہ کٹھن کام دشوار ہی نہیں بلکہ ناممکن تھا۔

میں سب سے پہلے شکر گزار ہوں علامہ اقبال اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کے شعبہ اسلامک سٹڈیز کے تمام اساتذہ کرام کی اُنہوں نے تحقیقی طریقۂ کار سے آگاہی اور موضوع کے انتخاب میں میری علمی رہنمائی کی۔ اس کے ساتھ ہی نگران مقالہ محترم پروفیسر ڈاکٹر عبدالخالق خان کی بہت ممنون ہوں کہ اُن کی توجہ اور شفقت اور وقتاً فوقتاً مشوروں اور نصیحتوں نے مجھے یہاں تک پہنچایا۔ اللہ تعالیٰ اُن کو نیک مقاصد میں کامیابی عطا کرے۔

اس کے بعد میرے بہت شکریے کے مستحق میرے والدین اور بہن بھائی ہیں کہ جن کی دعائیں اور عملی تعاون اس سارے تحقیقی سفر میں مجھے حاصل رہا۔ میں خاص طور پر اپنی تینوں بہنوں (نازیہ، فوزیہ، ضوبیہ) کی انتہائی احسان مند ہوں کہ اُنہوں نے میری تعلیمی مصروفیت کے دوران میرے ننھے بچے کی دیکھ بھال کی اور اُسے ماں جیسا پیار دیا۔ گھریلو ذمہ داریوں میں بھی میری بھرپور مدد کی۔ اللہ تعالیٰ اُن کو جزائے خیر عطا کرے (آمین)۔

میں پنجاب یونیورسٹی کی مین لائبریری کے تمام عملے کی بھی شکر گزار ہوں کہ اُنہوں نے مجھے لائبریری سے استفادہ کی اجازت مرحمت فرمائی اور مواد کی تلاش میں میرے ساتھ تعاون کیا۔ ادارہ تحقیقاتِ اسلامی اسلام آباد کی لائبریری، اوپن یونیورسٹی اسلام آباد کی مین لائبریری کے تمام عملے کا بھی شکریہ ادا کرتی ہوں۔ میں بہت شکریہ ادا کروں گی ادارہ علومِ اسلامیہ میرپور کی لائبریری کے اسسٹنٹ لائبریرین جاوید صاحب کا کہ اُنہوں نے مجھے کتابیں جاری کرنے میں سخاوت کا مظاہرہ کیا اور میاں محمد بخشؒ لائبریری میرپور کے تمام عملے کے لیے بھی میرے دل میں جذباتِ تشکر موجود ہیں کہ وہاں کا پُرسکون ماحول مطالعہ و تحقیق کا لطف بڑھا دیتا ہے۔

ہدیہ سپاس ادارہ علومِ اسلامیہ میرپور کے میرے تمام ساتھی اساتذہ کرام کے نام کہ جو لمحہ بہ لمحہ میری حوصلہ افزائی کرتے رہے اور عملی تعاون سے بھی دریغ نہ کیا۔

میں بہت ممنون ہوں محترم ڈاکٹر طاہر اسلم کی کہ اُنہوں نے مقالہ کے غیر ضروری مواد کی کانٹ چھانٹ اور مقالہ کی ترتیب و تدوین کے حوالے سے مجھے اپنے قیمتی مشوروں سے نوازا اور میری بھرپور مدد اور رہنمائی کی اور میں محترمہ نائلہ انجم صاحبہ کی بھی احسان مند ہوں کہ اُنہوں نے مجھے اپنے کمپیوٹر سے استفادہ کی نہ صرف اجازت دی بلکہ وقتاً فوقتاً مداخلت اور استعمال کا بھی بُرا نہ منایا۔

میں شکریہ ادا کرتی ہوں محترم عرفان ذاکر (حسن کمپیوٹرز) کا کہ اُنہوں نے نہایت محنت اور جانفشانی سے کام لیتے ہوئے مقالہ کی کمپوزنگ بروقت مکمل کی۔

آخر میں شکریہ ادا کروں گی اپنے شوہر کا کہ اِن کٹھن مراحل میں قدم قدم پر اُنہوں نے میری حوصلہ افزائی کی اور میرے ارادے اور عزم کو متزلزل نہ ہونے دیا۔

اللہ تعالیٰ سب کو جزائے خیر عطا کرے اور میرے اس تحقیقی کام کو شرفِ قبولیت بخشے اور اُمید کرتی ہوں کہ میری یہ کاوش محققین کے لیے مزید تحقیق کی بنیاد بنے گی اور اس سے نئی راہیں کُھلیں گی جو ہم سب کے لیے فائدہ مند ہوں گی۔ (آمین)

# موضوعِ تحقیق کا پس منظر و اہمیت

تمام تعریفیں اور عظمتیں اُس رب ذوالجلال کے لیے جس نے انسان کو اشرف المخلوقات بنایا اور اسلام کو ہمارے لیے بطور دین پسند فرمایا۔ اسلام ایک جامع اور ہر لحاظ سے مکمل ضابطہ حیات پیش کرتا ہے۔ جس میں انسانی زندگی کے ہر دور کے لیے الٰہی اصول پیش کیے گئے ہیں۔ جن کی بنیاد پر ایک بہترین انسانی معاشرہ تشکیل پاتا ہے۔ اور ان اُصولوں کی ہر دور کے تقاضوں کے مطابق تشریح کا کام اُمت کے قرآن و حدیث کا فہم رکھنے والے دانشوروں اور فقہا کے ذمہ ہے۔

انسان فطرتاً مدنی الطبع ہے۔ معاشرے میں رہتے ہوئے اُسے دوسرے افراد کے ساتھ تعلقات استوار رکھنے ہوتے ہیں۔ اس طرح وہ معاشرے میں رائج رسوم و رواج کا بھی کسی حد تک پابند ہوتا ہے۔ اُسے جہاں خوشی کے مواقع میسر آتے ہیں وہاں اُسے رنج و غم کے واقعات کا بھی سامنا کرنا پڑتا ہے۔ یُوں تو آج مسلمان ہر شعبہ زندگی میں ہی رسوم و رواج میں جکڑے نظر آتے ہیں۔ لیکن تین قسم کی رسمیں ایسی ہیں جن میں مسلمان زیادہ تباہی و بربادی میں مبتلا ہیں۔ ایک تو پیدائش سے متعلق رسمیں ہیں، دوسرے شادی بیاہ سے متعلق اور تیسرے فوتگی سے متعلق رسمیں ہیں۔ پہلی دو قسم کی رسمیں خوشی کے عنوان سے انجام دی جاتی ہیں اور تیسری قسم غم کے عنوان سے گویا خوشی اور غمی ہر دو قسم کے مواقع رسم و رواج کی نذر ہو گئے۔ حالانکہ مسلمانوں کی کوئی حالت چاہے خوشی کی ہو یا غمی کی شریعت کے تقاضوں کے مطابق گزارنا ضروری ہے۔

شادی بیاہ کے موقع پر مختلف رسم و رواج کی پابندی اور اس میں پیسہ پانی کی طرح بہانا آج کل کی شادی کے لوازمات میں سے ہو گیا۔ اس موقع پر غریب تو غریب امیر بھی پریشانیوں سے محفوظ دکھائی نہیں دیتے۔ اس کی وجہ صرف یہ ہے کہ شادی کے متعلق اسلام نے جو ہماری رہنمائی کی تھی اس کو بھلا دیا گیا ہے۔ شادی کے موقع پر کسی کو خیال نہیں آتا کہ اسلام کے مطابق شادی کا طریقہ کیا ہے؟ اور اس سلسلہ میں حضور ﷺ کا دستور العمل کیا رہا ہے؟ دین صرف نماز، روزہ تک محدود نہیں بلکہ شادی بیاہ بھی عبادت اور دینی امر ہے۔ اس میں بھی حضور ﷺ کے اسوہ کی تقلید لازمی ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِيْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ [1]

آج اس اُسوۂ حسنہ کو ترک کرنے کی بنا پر خود ساختہ طریقے اور رسوم و رواج کو دین و شریعت کی جگہ دے دی گئی ہے۔ حدیث پاک ﷺ میں ارشاد ہے:

"عن جابرؓ قال قال رسول اللّٰه ﷺ اما بعد فإن خير الحديث كتاب اللّٰه و خير الهدى هدى محمد و شرّ الامور محدثاتها و كل بدعة ضلالة [2]

حضرت عائشہ سے مروی ایک حدیث میں یُوں ارشاد ہوتا ہے:

عن عائشةؓ قالت: قال رسول اللّٰه ﷺ من احدث فى امرنا هذا ماليس منه فهورد [3]

---

۱۔ الاحزاب: ۲۱

۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب تخفیف الصلاۃ والخطبۃ، حدیث نمبر: ۲۰۴۲، ص: ۱۱/۳

۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب نقض الاحکام الباطلۃ، حدیث نمبر: ۴۵۸۹، ص: ۱۳۲/۵

حضور ﷺ نے اعلان نبوت کے بعد عرب میں جو خلاف شرع رسم ورواج تھے ان کا خاتمہ کر دیا۔ بعض رسوم میں ترمیم و اصلاح کر کے اسلامی تعلیمات کے تابع کر دیا۔

برصغیر کے دوسرے علاقوں کی طرح خطہ کشمیر کے لوگوں نے بھی اپنے سینکڑوں سال غیر مسلم اقوام کے ساتھ گزارے اور ان کے ساتھ رہتے ہوئے مسلمانوں نے ان کے بہت سے اثرات کو قبول کیا۔ علاوہ ازیں جب مسلمان صوفیا کی تبلیغ اور دوسرے مسلمانوں سے متاثر ہو کر غیر مسلم لوگوں نے اسلام قبول کیا تو وہ اپنے پرانے رسم ورواج کے ساتھ بھی منسلک رہے۔ ہمارے ہاں آج بھی مختلف مواقع کی رسوم میں ان کی جھلک دکھائی دیتی ہے۔

جہاں تک اس خطہ کشمیر (آزاد کشمیر) میں رائج شادی بیاہ کی رسوم کا تعلق ہے تو ان میں کچھ ایسی ہیں جن میں بظاہر کچھ قباحت نظر نہیں آتی۔ کچھ رسوم بالکل لغو قسم کی ہیں۔ جو باہمی لڑائی جھگڑے، فساد اور دوسرے نقصانات کا ذریعہ ہیں۔ بعض میں شرعیہ پہلو بھی پنہاں ہیں۔ الغرض شادی کے موقع پر رسومات کا ایک طویل سلسلہ ہے۔ آج ضرورت اس امر کی ہے شادی بیاہ کے مروّجہ طریقہ کار کا تفصیلی جائزہ لیا جائے اور اسلامی تعلیمات سے رُوگردانی کی صورت میں معاشرے پر ان رسومات کے مضر اثرات کو واضح کیا جائے۔ مقالہ ہذا اسی سعی کی طرف ایک قدم ہے۔

## مسئلہ تحقیق:(Problem of Research)

موضوع تحقیق کا بنیادی مسئلہ درج ذیل نکات پر مشتمل ہے:

۱۔ رسم ورواج سے کیا مراد ہے؟ نیز معاشرے اور قانون سازی میں اس کی کیا اہمیت ہے؟

۲۔ آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کے موقع پر کونسی رسومات رائج ہیں؟

۳۔ رسومات کے معاشرے پر کس قسم کے اثرات مرتب ہوئے ہیں؟

۴۔ یہ رسومات اسلامی تعلیمات سے کہاں تک مطابقت رکھتی ہیں؟

## افتراضات:(Hypothesis)

افتراضات کے ضمن میں یہ کہا جا سکتا ہے کہ:

۱۔ آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کا جو طریقہ کار مروّج ہے اور اس موقع پر یہاں کے لوگ جو رسوم اپنائے ہوئے ہیں۔ ان میں اسلامی تعلیمات سے سرمو انحراف نہیں کیا جاتا اور دین و شریعت بالکل اسی طریقہ کار کی متقاضی ہے۔

۲۔ آزاد کشمیر میں شادی کا طریقہ کار شریعت کے بالکل منافی ہے۔ اسے مکمل طور پر ختم کرنے کی ضرورت ہے۔

۳۔ آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں کچھ غیر ضروری اور غیر شرعی رسومات معاشرے کے اندر در آئی ہیں۔ یہاں شادی کے طریقہ کار کو مکمل طور پر غیر اسلامی تو نہیں کہا جا سکتا۔ البتہ غیر شرعی رسوم کی اصلاح کر کے اس طریقہ کار کو اسلامی بنایا جا سکتا ہے۔

## موضوع پر ہونے والا سابقہ تحقیقی کام:

زیر بحث موضوع کے بارے میں بہت کچھ لکھا گیا۔ بہت سے لوگوں نے اس کو مختلف پہلوؤں اور مختلف انداز سے اپنی تحریر کا موضوع بنایا۔ شادی بیاہ کی مروّج مختلف رسموں میں سے رسم ''جہیز'' کا چند آرٹیکلز میں احاطہ کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ اس کے علاوہ رسائل و جرائد میں رسم ورواج کے حوالے سے مختلف تحاریر ملتی ہیں۔ اس سلسلہ میں شاہد حسین ازاقی نے ''پاکستانی مسلمانوں کے رسوم

رسوم اوران کی اصلاح کے لیے مفید مشورے دیئے ہیں۔

آزاد کشمیر میں رائج رسوم کے حوالے سے ڈاکٹر صغیر خان نے ''پونچھ کی تہذیب وثقافت'' میں کچھ رسومات کا ذکر کیا ہے۔ اس طرح راجہ حضر اقبال ''علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں'' میں اس حوالے سے معمولی سا تذکرہ کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔ لیکن اس موضوع پر تحقیقی وتنقیدی نقطۂ نظر سے اور مرتب ومدوّن شکل میں ابھی تک کوئی کاوش سامنے نہیں آئی۔

## مقاصد تحقیق:

شادی بیاہ کو انسانی زندگی میں ایک اہم مقام حاصل ہے۔ لیکن اس کے انعقاد کے طریقوں میں جگہ جگہ اختلاف پایا جاتا ہے۔ بہت سے لوگ اس معاملہ میں افراط وتفریط کا شکار ہیں۔ حالانکہ شریعت اسلامی میں اس کے متعلق سادہ اور واضح تعلیمات موجود ہیں۔ چنانچہ تحقیقی مقالہ کے ذریعہ یہ کوشش کی گئی ہے کہ آزاد کشمیر میں شادی کے موقع پر رائج رسم ورواج کا اسلامی تعلیمات کی روشنی میں تحقیقی و تنقیدی جائزہ لے کر ان کی خرابیوں کو منظر عام پر لایا جائے۔

## دوران تحقیق مشکلات:

''تحقیق ایک بھاری پتھر ہے جسے کچھ لوگ صرف چوم کر چھوڑ دیتے ہیں'' اس حقیقت کا دوران تحقیق مختلف مرحلوں پر شدت سے احساس ہوا۔ کچھ گھریلو مصروفیات نے مسائل کا رُوپ دھارا بہر حال اللہ تعالیٰ کی مدد شامل حال رہی اور کسی بڑی مشکل اور رکاوٹ کا سامنا نہیں کرنا پڑا الحمد اللہ اور یہ کام پایۂ تکمیل کو پہنچ گیا۔

## اسلوبِ تحقیق:

اس مقالہ کے لیے علمی طور پر معترف منہج کو اختیار کیا گیا ہے۔ تحقیق کی بنیاد قرآن وحدیث ہے۔ فقہ اسلامی کے دیگر مصادر سے بھی رہنمائی لی گئی ہے۔ مواد کے حصول کے لیے لائبریری کا استعمال کیا گیا۔ جہاں تک ممکن ہوا بنیادی مصادر سے مواد نقل کیا گیا۔ جہاں ضرورت ہوئی ثانوی مصادر کی طرف بھی رجوع کیا گیا۔ رسومات کے سلسلہ میں مختلف کتابوں سے استفادہ کے ساتھ ساتھ اپنے مشاہدات بھی پیش نظر رہے۔ شادی کے مروّجہ طریقہ کار کا جائزہ لینے کے بعد اس سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کو بیان کیا گیا۔

## خاکۂ تحقیق:

اس تحقیقی مقالہ کو مقدمہ، پانچ ابواب، نتائج تحقیق، سفارشات فہرست آیات واحادیث، فہرست مصادر مراجع میں تقسیم کیا گیا ہے۔

مقالہ کا پہلا باب، رسم ورواج کے تصور، ابتدا وارتقاء کے اسباب اور قانون سازی میں رسم ورواج کی اہمیت پر مشتمل ہے۔

دوسرے باب میں کشمیر وآزاد کشمیر کے تعارف کے ساتھ انسانی زندگی میں شادی بیاہ کی ضرورت واہمیت بیان کی گئی ہے۔ اور پھر آزاد کشمیر میں رائج شادی بیاہ کے موقع کی رسومات کا تفصیلاً ذکر کیا گیا ہے۔

تیسرے باب میں معاشرے میں رائج خلاف شرع رسومات کے معاشرے پر مذہبی اخلاقی، معاشی، معاشرتی اثرات کو واضح تحریر میں لانے کی کوشش کی گئی ہے۔

چوتھے باب میں شادی کا اسلامی طریقہ کار واضح کیا گیا ہے۔

پانچویں باب میں رسوم کی اصلاح کے لیے تجاویز دی گئی ہیں۔

آخر میں مقالہ کے مباحث سے حاصل ہونے والے نتائج اور پھر ان کی روشنی میں سفارشات مرتب کی گئی ہیں۔ اس کے بعد مقالہ میں موجود آیات واحادیث کی فہرست اور اہم مصادر ومراجع کو مقالہ کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔

# فہرست عنوانات

# ﴿ باب اوّل ﴾

## رسم ورواج ــــــ تصوّر وارتقاء

**فصل اوّل:** **رسُوم مفاہیم واہمیت**

مبحث اوّل: لُغوی واصطلاحی مفاہیم

مبحث دوم: رسم ورواج کی دیگر تعریفات

مبحث سوم: رسوم کی اہمیت

**فصل دوم:** **اسلام میں رسم ورواج کا تصوّر اور قانون سازی میں اس کا مقام**

مبحث اوّل: اسلام کا تصوّر رسم ورواج

مبحث دوم: عرف کا قانون سازی میں مقام ومرتبہ

**فصل سوم:** **رسُوم کی اختراع اور ارتقاء کے اسباب**

مبحث اوّل: رسوم کی اختراع وارتقاء کے معاشرتی اسباب

مبحث دوم: رسوم کی اختراع وارتقاء کے متفرق اسباب

## فصل اوّل: رسوم کے مفاہیم واہمیت

### مبحث اوّل: لُغوی واصطلاحی مفاہیم

معاشرے کے ارتقاء کے ساتھ ہی انسانی ضروریات نے بھی جنم لینا شروع کیا جوں جوں آبادی بڑھتی گئی انسانی حاجات میں اضافہ ہوتا گیا۔ انسان نے اپنے روزمرہ کے معمولات چلانے کے لیے کچھ اصول وضوابط مرتب کیے۔ جو رفتہ رفتہ روایات بن گئے اور رسوم و رواج نے پنپنا شروع کر دیا۔ وقت کے ساتھ ساتھ رسوم ورواج میں تبدیلی آنے لگی۔ پھر دنیا کے مختلف خطوں میں رسم و رواج کے مختلف رنگ دکھائی دینے لگے اور پھر یُوں ہوا کہ یہی رسوم ورواج قومیت کی پہچان بن گئے۔ آج دنیا کے ہر قبیلے، ہر خطے اور قوم میں رہن سہن اور معمولات زندگی برقرار رکھنے کے لیے مختلف اور بعض اوقات دلچسپ رسوم موجود ہیں اور خوشی اور غمی کے موقع پر ان کا باقاعدہ اظہار بھی ہوتا ہے۔ رسم ورواج پر بحث کا آغاز اس کے مختلف مفاہیم سے کیا جا رہا ہے۔

رسوم عربی زبان کا لفظ ہے۔ اور رسم کی جمع ہے۔ اس کے لُغوی معنی نقش، نشان یا تحریر کے ہیں۔ لسان العرب میں رسم کی لغوی بحث یُوں کی گئی ہے۔

۱۔ الرّسم: الاثر وقیل بقیةُ الاُثر [۱]

یعنی بقایا نشان کو رسم کہا جاتا ہے۔

۲۔ رسم الّدار: ما کَانَ من آثار ھا لا صقاً با لارض [۲]

جس کے آثار زمین سے ملے ہوئے ہوں اُسے کہا جاتا ہے رسم الدار یعنی گھر کے نشانات۔

۳۔ الرواسم: کتب کانت فی الجا ھلیة [۳]

جاہلیت کی لکھی گئی تحریر کو کہتے ہیں۔

۴۔ رسمت الناقة ترسم رسیماً، أثرت فی الارض من شدةوطئھا [۴]

جب اونٹنی اپنے روندھنے کی وجہ سے زمین پر نشانات چھوڑ دے تو اس وقت رسمت الناقة کہا جاتا ہے۔

مصباح المنیر میں ''رسم'' کے لغوی معنی یُوں بیان ہوئے ہیں۔

رسمت لِلبناء رسماً من باب قتل [۵]

(''رسمت البناء رسما'' یہ باب قتل سے ہے)

---

۱۔ افریقی، ابن منظور، لسان العرب، (بیروت: دار صادر، الطبة الاولیٰ، س۔ن) ج:۱۲، ص:۲۴۱

۲۔ ایضاً

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ المقری، احمد بن محمد بن علی، مصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، (بیروت: مکتبہ العلمیة، س۔ن) باب الراء مع [illegible] ص: [illegible]

أعْلَمْتُ وَرَسَمْتُ الكتاب كتبته' و منه شهدعلى رسم القبالة أىْ على كتابةالصحيفة ؎۱

(أعْـلَمْتُ وَرَسَمْتُ الْكِتَابَ کا مطلب ہے کتبتہ یعنی میں نے لکھا اور اسی سے یہ دلیل پکڑی گئی ہے کہ رسم القبالہ کا مطلب ہے صحیفہ لکھنا)

القاموس المحيط میں رسم کی لغوی تعریف یوں کی گئی ہے۔

الـرّسـم زكية تـدفـنهـا الارض والاثـرُ اوبقية ، أو مـالا شخص له من الا ثارج رُسمٌ وَرسوم وترّسم نظر اليها و رسم الغيث الدّيار عَفًّا ها. وأبقىٰ أثَر ها لا صقاً بالارض ؎۲

(رسم اُس پاکیزہ چیز کو کہتے ہیں جسے زمین دفنالے یا اس کا مطلب ہے وہ اثر جو باقی رہ جائے، یا ایسی چیز جس کا آثار میں سے کوئی اثر باقی نہ رہے۔اس کی جمع ارسم اور رسوم آتی ہے۔ترسم کا مطلب ہے نظر الیھا" اور "رسم الغیث الدّیار" کا مطلب ہے بارش نے علاقے کی نشانات مٹادیئے اور اس کے اثرات جو زمین کے ساتھ چپکے ہوئے ہیں۔انہیں باقی رکھا)

وَالرواسِمُ الداهيةُ ؎۳

رواسم ناپسندیدہ چیز کو بھی کہا جاتا ہے۔

وَ الرسمُ . وشئ تجلى به الدنا نيُر، و خشبةُ مكتوبةُ باالنقر يختَمُ بها الطّعَامُ ؎۴

("والرسم" وہ چیز ہے جس سے دیناروں پر نشانات لگائے جاتے ہیں۔یا نقش ونگاری کی جاتی ہے۔یا ایسی لکڑی جس میں کندا کر کے لکھنا ہو اور اس کے ساتھ کھانے پر مہر لگائی جائے)

رسم کے مجازی معنی دستور، قانون یا رواج کے ہیں ؎۵

**القاموس** کے مطابق رسم کے معنی Ceremony, Picture, Drawing کے ہیں ؎۶

**مترادفات رُسوم:**

عربی زبان میں رسم ورواج کے لیے عُرف، عادت، تعامل اور استعمال کے الفاظ آئے ہیں:

(ا) **عُرف:** ابن منظور افریقی عُرف کی تعریف یوں کرتے ہیں۔

كل ماتعرفه النفس من الخير و تطمئن اليه وَهُوَ ضد النُّكرِ والعرف كالمعروف ؎۷

(ہر وہ بھلائی والی چیز جسے نفس پہچانے اور اس پر اطمینان کرے یہ نکر کا متضاد ہے عرف معروف کی مانند ہے

---

۱۔ المقری، احمد بن محمد بن علی، مصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، (بیروت: مکتبۃ العلمیۃ، س۔ن) باب الداء مع ص:۲/۳

۲۔ الفیر وز آبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، (بیروت: موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ.....۱۹۸۷ء) ص:۳...

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ فیروز الدین، مولوی، فیروز اللغات، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، طبع سوم، ۱۹۸۳ء) ص:۶۴۶

۶۔ الیاس، الطون الیاس، القاموس العصری، ص:۲۴۹

۷۔ ابن منظور، لسان العرب، ج:۱۰، ص:۲۳۹

علامہ راغب اصفہانی کے مطابق:

عرف، المعرفة والعرفان ادراک الشيء، بتفكّرٍ و تدبّرٍ لاثرہٖ هو اخصّ من العلم ويضادّہ الإنكارُ ، ويقالُ فلان يعرف اللّٰہ ولا يقال يعلم اللّٰہ [1]

(لفظ عرف ہو، معرفت ہو یا عرفان سب کا مطلب ہے کسی چیز کا غور وفکر اور تدبر کے ساتھ ادراک کرنا یہ علم سے زیادہ خاص ہے۔اس کے متضاد انکار کا لفظ آتا ہے اور کہا جاتا ہے کہ فلاں اللہ کا عرفان رکھتا ہے یہ نہیں کہا جاتا کہ فلاں اللہ کا علم رکھتا ہے)

**الصحاح فی اللغة** میں عرف کی لغوی تعریف اس طرح درج ہے۔

**عرف:** عرفته معرفة وعرفاناً : وَقولهم : مااعرف لا حدٍيصرعيني، أي مَااعترف

**والعرف:** الريح طَيّبَةً كانت أومنتنة يقال ماأ طيب عرفه : وفي مِثلٍ : لايعجز مسک السوءِ عن عرفِ السوءِ [2]

(عرف عرفته معرفة و عرفاناً عربوں کا قول ہے ما اعرف لا حد يصرعني کا مطلب ہے کہ میں اعتراف نہیں کرتا۔العرف ہوا کو بھی کہا جاتا ہے چاہے خوشبودار ہو یا بدبودار ہو کہا جاتا ہے ما اطيب عرفه اس کی خوشبو کتنی اچھی ہے اور مثال میں بیان کیا جاتا ہے۔لایعجز مسک السوء عن عرف السوء)

المغرب میں عرف کے معنی یوں درج ہیں۔

(ع.ر.ف) عرف (الشيئَ واعْتَرفه بمعنىً منه) حديث عمرؓ فما اعترفه المسلمون كذا محمد رحمه اللّٰہ في اللّقطة فأن أكلهاأو تصدّق بهاثمّ جَاء صاحبهافاعْتَرَفَهااى عرفها أكلها أو انهاهى الّتِىْ تصّدق بها [3]

(عرف الشی اوراعترف الشیء ایک معنی میں استعمال ہوتا ہے اس بارے میں حضرت عمرؓ کی حدیث ہے فمااعترفه المسلمون یعنی جسے مسلمان پہچانیں یا جو مسلمانوں کے عرف میں مشہور ہو اسی طرح امام محمد علیہ رحمۃ کا قول ہے لقطہ کے بارے میں کہ اگر کوئی شخص لقطہ کھالے یا اسے صدقہ کرے پھر اس کا مالک آ جائے اور اسے پہچان لے (یہاں اعترف بمعنی عرف استعمال ہوا ہے) یعنی اس نے پہچان لیا کہ اس نے کھایا یا اس نے صدقہ کیا)

علامہ جرجانی نے عرف کی اصطلاحی تعریف یوں کی ہے۔

مَا استقرت النفوس عليه بشها دة العقول ، وتلقته الطبائع بالقبول [4]

(جس چیز پر نفوس عقول کی شہادت کی وجہ سے قائم رہیں اور طبیعتیں انہیں قبولیت سے لیں)

فقہانے عُرف اور رواج کی تعریف یہ کی ہے۔

عادة جمهور قوم في قول او عمل [5]

---

۱۔ اصفہانی، علامہ راغب، معجم المفردات فی غریب القرآن، (ایران: مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ، ۱۳۴۲ھ) ص: ۳۴۳

۲۔ الجوهری، الصحاح فی اللغۃ، (http://www.alwarraq.com) باب عرف، ص: ۱/ ۳۶۲

۳۔ ابوالفتح ناصرالدین، المغرب فی ترتیب المعرب، (حلب: مکتبہ اسامہ بن زید الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۷۹ء) باب العین مع الراء

۴۔ جرجانی علی بن محمد بن علی، التعریفات (بیروت: دارالکتاب، طبعۃ الاولیٰ: ۱۴۰۵ھ) ج:۱، ص: ۱۹۳

۵۔ قلعجی، محمد رواس، معجم لغۃ الفقہا، (بیروت، لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ......۱۹۸۸م) ج:۱، ص: ۳۰۹

(قول یا عمل میں جمہور کی عادت کا نام عرف ہے)

۲۔ العادۃ:

العادۃ فی اللغۃ الدیدن یعاد الیہ، سمیت بذلک؛ لأن صاحبھا یعاودھا ای یرجع الیھ مرۃ بعداً خری [۲]

(لغت میں عادت کا مطلب ریشم ہے جس کی طرف بار بار لوٹا جائے یہ نام اس لیے رکھا گیا ہے کیونکہ اس [illegible] اس کی طرف بار بار پلٹ کر آتا ہے)

القاموس الفقہی میں عادت کی تعریف اس طرح درج ہے:

الحالۃ تتکرر علی نھج واحدٍ

ماا ستمر الناس علیہ علی حکم المعقول و عادوا الیہِ مرۃ بعداً خری

ماھو مألوف من الا فعال و ماا شبھا [۳]

(عادت اس حالت کو کہا جاتا ہے جو بار بار ایک ہی طریقے پر واقع ہو

وہ چیز جس پر لوگ باقاعدگی اختیار کریں اور وہ عقلی معاملہ ہو اور ایک بار بجالانے کے بعد دوبارہ بجالائیں۔

ایسی چیز جو افعال کی صورت میں ہو یا افعال سے ملتی جلتی چیزوں میں ہو اور لوگ اس سے مانوس ہوں عادت کہلاتی ہے)

**تاج العروس**: میں عادت کی تعریف اس طرح نقل کی گئی ہے۔

**العادۃ**: تکریرُ الشیئ دائماً او غالباً علی نھج واحدٍ بلاعلاقۃ عقلیۃ وقیل مایستقر فی النفوس من الامور المتکررۃ المعقولۃ عندالطباع السّلیمہ [۴]

(عادت کا مطلب ہے کسی چیز کا مکرر ہونا، ہمیشہ یا اکثر بغیر کسی عقلی تعلق کے ایک ہی طریقہ پر [illegible] کہ (عادت اس کو کہتے ہیں) کہ جو باتیں طبیعت سلیمہ کے نزدیک پسندیدہ میں انہیں بار بار [illegible] اندر وہ جگہ پکڑ لیں)

معجم لغۃ الفقہا میں عادت کی تعریف یُوں آئی ہے:

"**العادۃ: ج العادات وعوائد**: مایفعلہ الناس مرۃ بعد مرۃ من غیر تکلف" [۵]

---

۱۔ الجرجانی، التعریفات، ج:۱، ص:۴۲

۲۔ سعدی، ابوحبیب، الدکتور، القاموس الفقہی، (دمشق۔شام: دار الفکر، طبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸م) ج:۱، ص:۵[illegible]

۳۔ زبیدی، المرتضی، تاج العروس، (البیروت: داراحیاتراث العربی، ۱۹۸۴ء) باب عود، ج:۱، ص:۲۹۶

۴۔ قلعجی، محمد رواس، معجم لغۃ الفقہا، باب معجم لغۃ الفقہا، ج:۱، ص:۲۹۹

(عادت کی جمع عادات ہوتی ہے اور اس کا مطلب ہے کہ بغیر کسی تکلف کے جو چیز لوگ بار بار بجا لائیں اسے عادت کہتے ہیں)

بعض فقہا نے عرف اور عادت کو ایک معنی میں لیا ہے جیسا کہ درج ذیل تعریفات سے واضح ہوتا ہے۔

علامہ ابن عابدین فرماتے ہیں:

"العادة ماخوذة من المعاودة فهی بتکررها و معاودتهامرة بعد أخرای صارت معروفة مستقرة فی النفوس و العقول متلقاه بالقبول من غیر علاقة ولا قرینة حتی صارت حقیقة فالعاده والعرف بمعنی واحدِ من حیث لماصدق وان ختلفامن حیث المفهوم"[1]

(عادت معادت سے ماخوذ ہے کہ تکرار سے اور بار بار کرنے سے ایک فعل جانا پہچانا ہو جاتا ہے اور بغیر علاقہ اور قرینہ کے عقل کے لیے قابل قبول ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ وہ حقیقت عرفیہ ہو جاتا ہے اس لحاظ سے بلحاظ مصداق کے عادت اور عرف ہم معنی ہیں اگر چہ مفہوم میں مختلف ہیں)

**استاد ابوزہرہ فرماتے ہیں:**

" العرف مااعتاده الناس من معاملات و استقامت علیه امورهم"[2]

(عرف وہ طریقہ ہے جس پر عمل کرنے سے لوگ عادی ہو چکے ہوں اور اس پر ان کے امور قائم ہو چکے ہوں)

**شیخ عبدالوہاب** کہتے ہیں۔

"العرف هو ماتعارفه الناس وسارو علیه ، من قول، اوفعل اوترک و یسمی العادة و فی لسان الشرعیین : "لا فرق بین العرف والعادة"[3]

(عرف وہ طریقہ ہے جو لوگوں کے درمیان متعارف ہو۔ لوگ قول فعل یا ترک میں اس پر چلتے ہوں اور اس کا نام عادت ہے اہل قانون کے مابین عرف و عادت کے مابین کوئی فرق نہیں ہے)

## عرف اور عادت کے مابین فرق:

عرف اور عادت کے مابین فرق کو یوں بیان کیا گیا ہے۔

الفرق بینهما أن العرف : یستعمل فی الالفاظ ، والعادة تستعمل فی الا فعال[4]

عاصم الحداد عرف اور عادت کے درمیان فرق کرتے ہوئے لکھتے ہیں۔

اس کے (عرف) اور عادت کے درمیان فرق یہ ہے کہ عادت کسی ایک شخص کی ہوتی ہے جس میں کبھی دوسرے لوگ بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتے ہیں اور کبھی نہیں ہوتے"[5]

---

۱۔ ابن عابدین، مجموعہ رسائل ابن عابدین، (دمشق: مطبع معارف، ۱۳۰۱ھ) ج ۲ ص: ۱۱۴

۲۔ ابوزھرہ، اصول الفقہ (قاہرہ: دارالفکر العربی ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷ء) ص: ۲۴۱

۳۔ خلاف، عبدالوھاب، اصول الفقہ، (کویت: دارالقلم، ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶ء) ص: ۸۹

۴۔ العسکری، ابوہلال، الفروق اللغویہ (مؤسسة النشر الاسلامی، طبعة الأولی ۲۰۰۰ء) جز: ۱ ص: ۳۴۵

۵۔ عاصم الحداد، اصول فقہ پر ایک نظر، ص: ۱۲۰

۳۔ **تعامل:**

عرف کے لیے ایک اور لفظ تعامل بھی استعمال ہوتا ہے۔جیسا کہ درج ذیل عبارت سے واضح ہوتا ہے۔

**التعامل وھو عادۃ الناس فی المعاملات من البیع والشراء و غیر ھ**[1]

(خرید وفروخت اور دوسرے معاملات میں لوگوں کی عادت کا نام ''تعامل'' ہے)

۴۔ **استعمال:**

عرف اور عادت سے ملتا جلتا ایک لفظ ''استعمال'' بھی ہے۔جس میں لفظ اصلی معنی سے نقل ہو کر شرعی یا مجازی معنی میں منتقل ہونے لگتا ہے اور اسی استعمال کو غلبہ حاصل ہو جاتا ہے۔فقہا کی درج ذیل عبارت میں اس کی طرف اشارہ ہے۔

**" استعمال الناس حجۃ یجب العمل بھا"**[2]

(لوگوں کا استعمال حجت ہے اس پر عمل کرنا واجب ہے)

---

۱۔ تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، طبع پنجم، ۱۹۸۹)، ص: ۲۷۲

۲۔ ایضاً، ۲۷۲

## مبحث دوم: رسم ورواج کی دیگر تعریفات

کسی قبیلے، قوم یا کسی علاقے میں خاص موقع پر بار بار ایک ہی طرح کا عمل کرنے سے جو عادات اور افعال پختہ شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ انہیں رسوم کہا جاتا ہے۔ انسانی فطرت ہے کہ کسی خاص موقع پر کیے گئے کام کو جب وہ مفید پاتا ہے تو اس موقع پر بار بار وہی کام کرتا ہے۔ اس طرح ایک کام کو جب وہ بار بار کرتا ہے تو اس کی عادت بن جاتی ہے۔ اور جب تک وہ چیز کسی فرد تک محدود رہتی ہے تو عادت کہلاتی ہے لیکن جب یہ چیز پوری قوم میں رائج ہو جاتی ہے تو رسم کہلاتی ہے گویا کہ رسوم معاشرے کی اجتماعی زندگی کی تصویر پیش کرتی ہیں۔ جیسا کہ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس میں رسوم کے مقالہ نگار لکھتے ہیں۔

"Custom is truely a picture of the moral conciousness of the comunity as a man's habits are the expression of his individual characters"[1]

(رسوم حقیقی طور پر ایک معاشرے کی اخلاقی بیداری کی عکاسی کرتی ہیں جیسا کہ ایک شخص کی عادات اس کے ذاتی کردار کی نمائندگی کرتی ہیں)۔

**تمدن ہند کے مصنف "ڈاکٹر گستاؤلی بان"** رسوم کی تعریف ان الفاظ میں کرتے ہیں:

"رسوم وہ چیز ہے جو ہر ملک کی خاص حالت اور قدیم اعتقادات کی بنا پر بزور زمانہ قائم ہو جاتی ہے اور اس قدر درجہ استحکام ہوتا ہے کہ وہ کسی بادشاہ کے حکم یا کسی جماعت کے غلبہ آراء سے ایک دن میں مٹ نہیں سکتی"[2]

درج بالا تعریف سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ رسوم اچانک کسی معاشرے یا قوم میں وارد نہیں ہوتیں بلکہ ان کے پیچھے قدیم اعتقادات اور روایات کی طاقت ہوتی ہے اور یہ رسوم ان قدیم اعتقادات کے زیر اثر پنپتی ہیں اور ان سے چھٹکارا پانا بھی دنوں مہینوں میں ممکن نہیں ہوتا۔

**شاہد حسین رزاقی** رسوم ورواج کے بارے میں اپنے نقطہ نظر کی وضاحت یوں کرتے ہیں۔

"رسوم ورواج مخصوص حالات کی پیداوار ہوتے ہیں۔ خاص حالات اور خاص ضروریات کے تحت ایک کام کیا جاتا ہے اور لوگ اس کو حالات اور ضروریات کے مطابق مفید پا کر اس پر عمل کرتے ہیں۔ یہ عمل رفتہ رفتہ اجتماعی اور روایتی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اور آخر کار معاشرہ کی اجتماعی قوت کی بدولت اس کو رسم یا رواج کی حیثیت حاصل ہو جاتی ہے"[3]

رسم ورواج کی ابتدا ایک شخص سے ہوتی ہے۔ پھر آہستہ آہستہ پھیلتے پھیلتے دوسرے لوگ اس کی لپیٹ میں آ جاتے ہیں اور دیکھا دیکھی معاشرے کے سبھی افراد اس میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسا کہ **مولانا اسحاق سندیلوی** نے بھی اس طرف اشارہ کیا ہے۔

"رواج کی ابتداء شخصی ہوتی ہے۔ اپنی جماعت میں عظمت واقتدار رکھنے والا کوئی شخص کوئی فعل کرتا ہے۔ دوسرے لوگ اس کی اتباع کرتے ہیں۔ یہی چیز ایک آدھ نسل گزر جانے کے بعد اتباع کے بجائے رواج کی صورت اختیار کر لیتی ہے"[4]

---

۱۔ انسائیکلو پیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religion and Ethics)، ج: [illegible]، ص: [illegible]

۲۔ گستاؤلی بان، ڈاکٹر، تمدن ہند، (مترجم)، سید علی بلگرامی، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء) ص: ۲۸۷

۳۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص: ۲۲

۴۔ سندیلوی، محمد اسحاق، مولانا، اسلام کا سیاسی نظام (اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۵۷ء) ص: ۳۲

**انسائیکلوپیڈیا آف** ریلیجن اینڈ ایتھکس کے مقالہ نگار اپنے مقالہ رسوم میں یوں رقمطراز ہیں۔

"A custom is any norm of voluntary action that has been developed in a nation or trible or comunity, however rigorously individual conduct may be prescribed by custom one is still left free to obey or disobey, as one chooses" ۱

(کوئی بھی رواج ایک روائتی طرز عمل ہوتا ہے جو کسی بھی قبیلے یا معاشرے میں ارتقاء پا جاتا ہے، تاہم ایک انفرادی (ایک شخص) پیروی ہو سکتا ہے کہ رواج کی تشخیص کردہ ہو مگر لوگوں کو آزادی ہے کہ وہ ان روایات کو مانیں یا نہ مانیں یا جس کو کوئی مرضی سے چنے یا بنائے)

یہ ایک مسلّمہ امر ہے کہ ہر گھر یا سوسائٹی سلطنت یا مملکت کو چلانے کے لیے ایسے قوانین یا اصول درکار ہیں۔جن کی مدد سے نظام خانہ یا نظام سلطنت درہم برہم نہ ہو جائے۔انہی قوانین یا اصولوں کو ہم دوسرے معنوں میں رسومات کا نام دیتے ہیں جن کی موجودگی ہمارے لیے ان نقوش پا کی مانند ہوتی ہے۔جن پر چل کر ہمارے لیے جادہ منزل آسان ہو جاتا ہے۔

انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کے مقالہ نگار **"Change in Ritual"** کے زیرعنوان لکھتے ہیں۔

There is always a pre existing pattern in accordance with which such evolution or invention as Occur proceeds. ۲

(ہمیشہ پہلے سے موجود ایک ترتیب رہی ہے جس کی روشنی میں ایسی ارتقاء یا ایجاد ہوتی رہی ہے)

**انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز** کے مقالہ نگار رسم و رواج کی وضاحت میں لکھتے ہیں۔

"The word custom is used to apply the totality of behaviours patterns which are carried by tradition and ledged in the group as contrasted with the more random personal activites of the individuals" ۳

(لفظ رواج مجموعی رویوں کو بیان کرنے کے لئے استعمال کیا جاتا ہے جو ایک تہذیب میں ہوتے ہیں اور جو مختلف لوگوں کے مختلف بے ترتیب عادات کو ملا کر بنتے ہیں)

---

۱۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religion and Ethics)، ج:۴، ص:۳۷۴

۲۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopedia of Britannica)، ج:۱۹، ص:۳۲۳

۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف سوشل سائنسز (Encyclopedia of Social Sciences)، ج:۴، ص:۶۵۸

علامہ شاہ اسماعیل شہید **"تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان"** ۔میں فرماتے ہیں ۔

''جو چیز خواص وعوام میں رائج ہو اور لوگ بُرا نہ جانیں اگرچہ اس کے کرنے نہ کرنے میں ثواب وعذاب نہ جانیں۔ اس کو کرنے والا بُرا نہ سمجھا جائے بلکہ نہ کرنے والوں کو بُرا سمجھا جائے اور لوگ ان پر تعجب کریں۔ خواہ وہ کام شرع کی رو سے جائز و مباح ہو خواہ مکروہ اور حرام ہو۔ اس میں اس بات کا لحاظ نہ ہو صرف زمانے کے رواج کو ملحوظ ہو ایسے کام کو رسم کہا جاتا ہے''[1]

---

۱۔ شہید، شاہ محمد اسماعیل شاہ، تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، (لاہور، امجد اکیڈمی اردو بازار، س۔ن) ص: [illegible]

## مبحث سوم: رسُوم کی اہمیت

رسوم ورواج کسی معاشرے اورقوم کی اجتماعی زندگی کی تصویر پیش کرتے ہیں اور کسی قوم، کسی معاشرے کے طرز معاشرت پر ان کا اثر بہت قوی ہوتا ہے۔قوموں کے عروج وزوال میں بھی رسم ورواج اہم کردارادا کرتے ہیں۔

شاہد حسین رزاقی نے اپنی کتاب پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج میں لکھا ہے۔

''ہرقوم کی انفرادی اوراجتماعی زندگی میں رسوم ورواج کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔اوراس کی تہذیب و ثقافت، اخلاق وکردار، مذہبی عقائد، ذہنی رجحانات اورطرز معاشرت پران کا بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔کسی قوم کے ترقی یافتہ اورخوشحال یازوال پذیراور ہلاکت زدہ ہونے میں رسوم ورواج کے اثرات نمایاں نظرآتے ہیں اور کسی معاشرے کو نئے سانچوں میں ڈھالنے کے لیے رسم ورواج کی اصلاح ناگزیر ہوجاتی ہے'' [1]

### عرف ورواج کی اہمیت قرآن وحدیث کی روشنی میں:

قرآن مجید میں کسی قوم کے عرف کو باہمی فیصلہ کرتے وقت اختیار کرنے کی اجازت دی ہے جیسا کہ درج ذیل آیت قرآنی کی تصریح موجود ہے۔

اللہ تعالیٰ نے ''قسم'' کے کفارہ میں فرمایا:

''مِنْ اَوْسَطِ مَاتُطْعِمُوْنَ اَهْلِيْكُمْ'' [2]

(درمیانے قسم کا وہ کھانا جوتم اپنے گھر والوں کو کھلاتے ہو)

قرآن مجید میں ایک دوسرے موقع پر یُوں ارشاد ہوتا ہے:

خُذِ الْعَفْوَ وَاْمُرْ بِالْعُرْفِ وَاَعْرِضْ عَنِ الْجٰهِلِيْنَ [3]

(عفواور درگزر سے کام لیجئے، عُرف کا حکم دیجئے اور جاہلوں سے نہ الجھیئے)

یتیم کے مال کے بارے میں یُوں ارشاد ہوتا ہے:

وَمَنْ كَانَ فَقِيْراً فَلْيَاْكُلْ بِالْمَعْرُوْفِ [4]

(اور جو نادار ہو وہ معروف طریقہ پر، [یتیم کا مال لے کر] کھاسکتا ہے)

مختلف احادیث مبارکہ میں بھی نبی کریم ﷺ نے مختلف فیصلے عُرف کی روشنی میں کرنے کا حکم دیا ہے۔حضرت عائشہ صدیقہ سے مروی ہے کہ:

''عن عائشة أنَّ هندا بنت عتبة قالت يا رسول الله ﷺ إنَّ أبا سُفيان رجلٌ شحيحٌ وَليس يعطيني

---

۱۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، (لاہور، ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۵ء) ص:۳۰

۲۔ المائدہ :۸۹

۳۔ الاعراف:۱۹۹

۴۔ النساء:۶

مايكفينى وولدى إلّا ما اخذت منه و هولا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذى مايكفيك و ولدك بالمعروف"[1]

(ہند بنت عتبہ نے عرض کی یارسول اللہ ﷺ ابوسفیان بے حد بخیل شخص ہے۔ مجھے میری اور میرے بیٹے کی ضرورت کے مطابق نہیں دیتا، الا یہ کہ میں اس کی لاعلمی میں ازخود لے لوں، آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اپنی اور اپنے بچے کی کفالت کے لیے بقدر معروف لے لیا کرو)

امام بخاری نے اپنی صحیح میں ایک مستقل باب باندھا جس کا عنوان ہے:

باب من اجرى امرالا مصار على مايتعار فون بينهم فى البيوع والاجارة والمكيال والميزان وسنتهم على نياتهم ومذاهبهم المشهورة [2]

(یعنی خرید وفروخت، ٹھیکہ اور ناپ تول میں ہر شہر کے لوگوں کے عرف اوران کے رسوم ورواج، نیتوں اور مشہور طریقوں پر حکم جاری ہوگا)

اس طرح ایک موقع پر نبی کریم ﷺ نے فرمایا:

"انتُمُ اعلمُ بِأَمْرِ دنياكم" [3]

(تم لوگ اپنے دنیاوی امور سے زیادہ واقف ہو)

اس طرح ایک مرتبہ حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

"فما راى المسلمون حسنا فهو عندالله حسن مارأوا سيًا فهو عندالله سيئ" [4]

(جس کو مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے اور جس کو وہ برا سمجھیں اللہ کے نزدیک بھی برا ہے)

## فقہ اسلامی اور عرف ورواج:

عرف ورواج کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے بھی بخوبی ہوتا ہے کہ فقہ اسلامی کی نشو ونما میں اس کا بڑا حصہ ہے۔ یہ نہایت قدیم ماخذ ہے اور تقریباً ہر دور میں پایا جاتا رہا ہے۔ عرب اور غیر عرب کے بہت سے عرف ورواج جو الٰہی حکمت اور اسلام کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ تھے اور قرآن وسُنت کی تصریحات اِن کے بارے میں خاموش تھیں، اِن کو صحابہ وتابعین اور ان کے بعد فقہا نے باقی رہنے دیا اور ترتیب وتدوین کے زمانہ میں وہ فقہ اسلامی کا لازمی جزو قرار پائے [5]

فقہ میں عرف کی اہمیت اور مختلف فقہائے کرام کے اس سے استفادہ کے پیشِ نظر عاصم احداد لکھتے ہیں کہ تقریباً تمام ائمہ نے اس پر اپنے بہت سے احکام کی بنیاد رکھی۔ چنانچہ امام مالک کے بہت سے مسائل کی بنیاد اہلِ مدینہ کے عُرف پر ہے۔ اور امام شافعی نے اپنے مذہب جدید کے بہت سے مسائل کی بنیاد اہلِ مصر کے عرف پر رکھی۔ امام ابنِ تیمیہ کی کتابیں اس بات پر شاہد ہیں کہ انھوں نے لوگوں کو اِن کے مسائل میں فتویٰ دیتے وقت وسیع پیمانے پر اس کا استعمال کیا ہے، البتہ حنفیہ اور مالکیہ نے اپنی کتابوں میں دوسروں سے

---

۱۔ العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری شرح الصحیح البخاری، کتاب النفقات، باب إذا لم ينفق الرجل حدیث نمبر: ۴۹۵۵، ص: ۵/۲۲۶

۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، کتاب البیوع، باب ۹۵، ص: ۲/۷۶۸

۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب وجوب الامتثال ماقاله شرعادون کے حدیث نمبر: ۶۲۷۷، ص: ۸/۹۵

۴۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ، مسند الامام احمد بن حنبل (القاہرہ: موسسۃ قرطبہ، س ن)، حدیث نمبر: ۳۶۰۰، ص: ۱/۳۷۹

۵۔ امینی، محمد تقی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص: ۲۷۱

بڑھ کر اس کا چرچا کیا اور اسے اپنی فقہ کا مستقل ماخذ قرار دیا ہے حتی کہ علامہ سرخسی اپنی کتاب ''المبسوط'' میں لکھتے ہیں: ''جو چیز عرف سے ثابت ہے وہ نص سے ثابت ہے'' (الثابت بالعرف كالثابت بالنص) اور اس کے ہوتے ہوئے وہ بسا اوقات قیاس کو بھی چھوڑ دیتے ہیں اور اس سے حدیث کی تخصیص کر ڈالتے ہیں مگر صرف اسی صورت میں جب وہ عام ہو اور ان کے ہاں استحسان کی ایک قسم استحسان ضرورت ہے اور یہی استحسان عرف ہے جہاں وہ قیاس کو ترک کر کے لوگوں کی ضروریات یا عرف کو اختیار کرتے ہیں۔ یہی حال مالکیہ کا ہے بلکہ عرف معتبر جاننے میں شاید وہ حنفیہ سے آگے ہیں کیونکہ مصالح مرسلہ ان کی فقہ کا ایک مضبوط ستون ہے اور ان میں عرف کی رعایت کے بغیر چارہ نہیں ہے۔ وہ بھی اس کے ہوتے ہوئے قیاس کو چھوڑتے ہیں اس کے ذریعہ عام کی تخصیص کرتے اور مطلق کو مقید کرتے ہیں [1]

اسی طرح طلوع اسلام کے بعد اسلام سے پہلے کی جتنی چیزیں اور رواج باقی رہے، ان کے بارے میں محض ضرور یہ نہیں کہا جا سکتا کہ وہ پہلی شریعتوں سے ماخوذ ہیں۔

شاہ ولی اللہ رسوم و رواج کی اہمیت کے بارے میں لکھتے ہیں:

''ان الرسوم الارتفاقات بمنزلة القلب من جسد الانسان و آیاها قصدت الشرائع اولاً وباالذات وعينها البحث فی النوا ميس الاهية واليهاالا شارات ولها اسباب تنشأ منها'' [2]

(رسوم کی تدابیر سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن انسانی سے ہے۔ شرائع الٰہیہ میں اولاً اور بذات یہی ارتفاقات مقصود ہوئے ہیں۔ نوامیس الٰہیہ میں الٰہی کے مباحث اور اشارات ہیں اور ان رسوم کے چند اسباب ہیں جن میں سے یہ پیدا ہوتے ہیں)

تھوڑے آگے چل کر شاہ ولی اللہ اس بارے میں مزید لکھتے ہیں کہ:

''ذالک من احياء سنن واما تتها فی كثير من الابدان بنظائر ماذکروالسنن السائرة فان كانت من الحق فی اصل امرها لكونها حافظة على الارتفاقات الصالحة ومغضية بقدر الانسان الى كونها النظرى والعملى ولو لا هالا لتحق اكثر الناس بالبهائم'' [3]

(رسوم مروجہ نفس الامر میں صحیح ہیں کیونکہ تدابیر مناسبہ کی یہی محافظ ہیں اور افراد انسان کو انہی کی مدد سے کمال نظری و عملی حاصل ہوتا ہے اور ان کے نہ ہونے سے اکثر لوگ بہائم طبع ہو جاتے ہیں)

قوموں کی پہچان میں بھی رسم و رواج اپنا اہم مقام ادا کرتے ہیں۔ جس طرح کوئی درخت اپنے پھلوں سے پہچانا جاتا ہے۔ اس طرح قوموں کے تہذیب و تمدّن پر ان کے رسم و رواج کا گہرا اثر ہوتا ہے۔

مختلف رسوم و رواج کا کسی معاشرتی نظام اور اس کے نصب العین سے کیا رشتہ یا تعلق ہے اس کے لیے یہ دیکھا جاتا ہے کہ کوئی خاص رسم یا ریت اس معاشرت پر کس قسم کا اثر ڈال رہی ہے آیا وہ سماجی اور قومی مقاصد کی تکمیل میں مددگار ثابت ہو رہی ہے جو بھی رسم یا رواج اس معاشرے کے مقاصد کی تکمیل کی راہ میں رکاوٹ ہے یا اس کے منافی ہے تو اسے معاشرتی بُرائی کہا جائے گا اور اس کی اصلاح کی کوشش کی جائے گی۔

---

۱۔ عاصم الحداد، اصول فقہ پر ایک نظر، (لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۱ء) ص: ۱۶۱، ۱۶۲

۲۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، (لاہور، مکتبہ السّلفیہ، ۱۹۷۵ء) ج: ۱، ص: ۴۹

۳۔ ایضاً

بدعت کیا ہے؟ کے مصنف لکھتے ہیں:

”دنیا کا ہمیشہ یہ قاعدہ رہا ہے کہ کسی قوم کے دینی اعتقادات واصول کا اندازہ ان افعال واعمال سے لگتی ہے جو ان میں بطور مراسم مذہبی رواج پائے ہوئے ہیں اور اعتقادات اور اصول دراصل ہوتے بھی اس لیے ہیں کہ اعمال وافعال میں ان کا ظہور ہو۔“[1]

مذہب اور رسوم کا تعلق انسانی زندگی سے ہے۔ مذہب اسے ایک خاص رنگ میں رنگنے کا متمنی ہوتا ہے دوسری طرف رسوم ایک خاص رنگ میں رنگی ہوئی انسانی زندگی کی تصویر پیش کرتی ہیں۔

**ڈاکٹر روتھ بنی ڈکٹ** اپنی کتاب ”**قدیم تہذیب، جدید انسان**“ میں انسانی زندگی اور رسوم ورواج کے تعلق پر یوں بحث کرتے ہیں۔

”کوئی شخص دنیا کو قدرتی آنکھوں سے نہیں دیکھتا۔ اسے دنیا کو خاص رسموں، اداروں اور طریقہ ہائے فکر کی عینک سے دیکھنا پڑتا ہے حتیٰ کہ اپنے مجرد فلسفیانہ تصورات میں بھی وہ ان بندھے ٹکے ضوابط وتعصبات سے دامن نہیں چھڑا سکتا۔ خیر وشر کے بارے میں اس کے ذاتی تصورات اس کی ثقافت کے مخصوص رسوم وروایات سے کوئی نہ کوئی تعلق ضرور رکھیں گے۔ جان ڈیوی نے پوری سنجیدگی سے کہا ہے کہ فرد کے انفرادی طرز عمل کو تشکیل دینے میں رسوم وروایات جو حصہ لیتی ہیں وہ مساوی ہے گنتی کے ان چند الفاظ کے جو وہ بچپن کے توتلے پن سے اپنے کنبہ کی زبان میں داخل کرتا ہے۔ جب ہم ان معاشرتی نظاموں کا سنجیدگی سے مطالعہ کرتے ہیں جنہیں آزادانہ اور خود مختارانہ پھیلنے پھولنے کا موقع ملا ہے تو معلوم ہوتا ہے کہ یہ تناسب بالکل صحیح اور حقیقت پر مبنی ہے۔ فرد کی پوری زندگی اوّل وآخر ان سانچوں اور معیاروں سے ہم آہنگ ہونے کا نام ہے جو اس کی اپنی قوم میں نسل درنسل منتقل ہوتے ہوئے ان تک پہنچتے ہیں۔ محض ولادت ہی سے وہ رسوم جن میں وہ پیدا ہوا اس کے تجربے اور طرز عمل کی تشکیل کرنے لگتی ہیں“[2]

**انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس** کے مقالہ نگار رسوم کی اہمیت میں لکھتے ہیں:

One man may contribute one thing to a custom and another another; but the custom as a whole is common which can not be analyzed into individual elements, for the simple reason that the various individual factors are all operative at one and the same time, and that it is consequently impossible for the individual to separate, his own particular contribution from the contribution made by the others.[3]

(ہوسکتا ہے کہ ایک بندہ رواج میں ایک چیز کا اضافہ کرے اور دوسرا دوسری چیز کا، مگر رواج کا جائزہ انفرادی عناصر کو سامنے رکھ کر نہیں لیا جا سکتا جبکہ رواج مجموعی طور پر مشترکہ ہوتا ہے۔ ایک ہی وقت میں مختلف انفرادی اجزاء کو ایک ہی طرح دیکھنے کی ایک سادہ وجہ ہے۔ نتیجتاً کسی ایک فرد کا حصہ دوسروں کے حصوں سے علیحدہ کرنا ناممکن ہے)

---

۱۔ ماہر القادری، بدعت کیا ہے؟ (مجموعہ مقالات) (لاہور: وفاق پریس، س۔ن) ص: ۲۹۸

۲۔ روتھ بنی ڈکٹ، ڈاکٹر، قدیم تہذیب جدید انسان، (مترجم) سیّد قاسم محمود (لاہور، رحمانی پریس ذیلدار روڈ، ۱۹۶۲ء) ص: ۷

۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religion and Ethics)، ج: ۴، ص: ۵۷

شاہ ولی اللہ لکھتے ہیں:

”رسوم کا اصل مقصد یہ ہے کہ ارتفاقات صالحہ کو کسی نہ کسی صورت میں محفوظ رکھا جائے اس لیے ان کی اساس حکمت اور مصلحت پر مبنی ہوتی ہے اور اس لیے ہم رسوم کو مطلقاً باطل اور عبث نہیں کہہ سکتے۔ ان کی پابندی میں بعض اوقات انسان کے لیے بڑے بڑے علمی اور عملی فائدے ہوتے ہیں۔ اگر ان رسوم کو عام مقبولیت حاصل نہ ہوتی اور ہر شخص ان کی پابندی سے آزاد ہوتا تو سوسائٹی کے اکثر افراد چوپایوں کی زندگی بسر کرتے۔“[1]

مندرجہ بالا بحث سے رسم و رواج کی اہمیت واضح ہوتی ہے اور یہ نقطۂ نظر بھی واضح ہوتا ہے کہ رسم و رواج کسی قوم کی تہذیب و تمدّن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ہر قوم کی اچھی رسمیں بھی ہوتی ہیں اور بُری بھی یعنی زندہ اور ترقی یافتہ قوموں میں اچھی رسمیں زیادہ ہوتی ہیں اور بُری بہت ہی کم لیکن اس کے برعکس مردہ اور زوال پذیر قوموں میں بُری رسمیں تو کثرت سے ہوتی ہیں اور اچھی برائے نام۔ قوموں کی ترقی اور فلاح و بہبود کے لیے لازمی ہے کہ زمانے کے بدلتے ہوئے حالات کے مطابق رسم و رواج میں بھی تبدیلی کی جائے۔ بُری اور فضول قسم کی رسمیں چھوڑ دی جائے اور وقت کے ضیا کو روکا جائے۔ اچھی اور تعمیری سوچ اور ایسی رسموں کو فروغ دیا جائے جو معاشرے کی ترقی کا باعث بنیں جو قوم وقت اور حالات پر نگاہ نہیں رکھتی وہ خود ہی اپنے مستقبل کو تاریک بنا لیتی ہے۔

---

1۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص: ۳۰۷

## خلاصۂ بحث:

مندرجہ بالا مباحث سے درج ذیل نکات اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ معاشرے کی ابتداء اور ارتقاء کے ساتھ ساتھ ہی رسوم و رواج نے بھی پنپنا شروع کر دیا اور انسانی ضروریات کی تبدیلی کے ساتھ ساتھ رسم و رواج بھی تبدیل ہو جاتے ہیں۔

۲۔ رسم کے لغوی معنی نقش، نشان یا تحریر کے ہیں۔

۳۔ رسم کے مجازی معنی دستور، قانون یا رواج کے ہیں۔

۴۔ رسم کے مترادف اور ہم معنی کچھ اور الفاظ بھی ہیں جیسے عُرف، عادت، تعامل، استعمال وغیرہ۔

۵۔ بعض اوقات عرف و عادت کو ایک ہی معنی میں لیا جاتا ہے۔

۶۔ عرف تمام لوگوں میں رائج ہوتا ہے جبکہ عادت کسی ایک شخص کی ہوتی ہے۔

۷۔ بار بار کیے جانے والا عمل جب پختہ شکل اختیار کر لیتا ہے تو رسم کہلاتا ہے۔

۸۔ رسوم میں اس کا درجہ استحکام ہوتا ہے کہ وہ ایک دن میں مٹ نہیں سکتیں۔

۹۔ رسوم اچانک کسی معاشرے میں وارد نہیں ہوتیں بلکہ ان کے پیچھے قدیم اعتقادات اور روایات کی طاقت ہوتی ہے۔

۱۰۔ کسی قوم کی ترقی اور تنزلی میں رسم و رواج اہم کردار ادا کرتے ہیں۔

۱۱۔ قرآن وسُنت میں باہمی فیصلوں میں عُرف کو مدِ نظر رکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔

۱۲۔ رسم و رواج کسی قوم کی پہچان ہوتے ہیں۔

۱۳۔ رسوم کی پابندی کے کچھ علمی اور عملی فائدے بھی ہیں۔ اگر ہر شخص ان کی پابندی سے آزاد ہوتا تو معاشرے کے تمام افراد چوپایوں کی زندگی بسر کرتے۔

۱۴۔ کسی بھی معاشرے کی ترقی وقتاً فوقتاً رسم و رواج میں اصلاح کی متقاضی ہوتی ہے۔

## فصل دوم: اسلام کا تصور رسم ورواج اور قانون سازی میں اس کا مقام

### مبحث اوّل: اسلام کا تصور رسم ورواج

دین و مذہب اور رسم و رواج دونوں انسانی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ جس طرح مذہب انسانی زندگی کی ... ہے اور اُس کے لیے ایک ضابطہ حیات ہے۔ اس طرح رسوم بھی انسانی زندگی میں اپنا ایک خاص مقام رکھتی ہیں۔ مذہب اور رسوم کا آپس میں گہرا تعلق ہے بلکہ کچھ رسوم تو مذہب پر مبنی ہوتی ہیں۔ قرآن مجید میں رسم ورواج کے لیے ''عرف'' اور ''معروف'' کا لفظ ... مقام پر اس کا مفہوم متعارف، پسندیدہ اور عمل صالح کا ہے۔

بالفاظ دیگر قرآن مجید میں معروف کا لفظ ایسے عمل اور طریقے کی طرف اشارہ کرتا ہے جو معاشرے میں خوشگوار، پسندیدہ اور اچھے عمل کے طور پر متعارف ہو۔ قرآن مجید میں سورۂ اعراف کی آیت ۱۹۹ میں اس طرف اشارہ ہے۔ یہ آیت مبارکہ ... میں پہلے ذکر کی جا چکی ہے۔

ابنِ جریر طبری اسی آیت کی تفسیر میں بیان فرماتے ہیں کہ:

العرف و هو المعروف فی کلام العرب مصدر فی معنی " المعروف" فاذا كان معنى ... ذالک فمن "المعروف" صلة رحم من قطع واعطاءِ من حرم، والعفو عمن ظلم ... اللّٰه به من الاعمال أونذب إليه فهو من العرف [۱]

(عربوں کی بول چال میں عرف اسم مصدری ہے اور معروف کے معنی میں آتا ہے اور معروف یہ ہے کہ ... کی حمایت کی جائے محتاج کو دیا جائے اور زیادتی کرنے والوں کو معاف کر دیا جائے۔ غرض تمام اعمال جن کا ... نے حکم دیا ہے اُن کی تعریف کی ہے عرف ہیں)

**ابوبکر جصاص** اس آیت کی تفسیر میں معروف پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

"والمعروف هو ما حسن فی العقل فعله ولم یکن منكرا عند ذوی العقول الصحيحة" [۲]

(معروف (عرف) وہ ہے جس کا ذکر کرنا عقلی طور پر پسندیدہ اور عقل رکھنے والے کے نزدیک نا پسندیدہ نہ ہو) عرف میں مفسرین کے نزدیک تمام عقلی اور رواجی اچھی باتیں شامل ہیں۔

اس طرح حدیث میں بھی عرف کو اختیار کرنے کی اجازت دی گئی ہے۔ اس سلسلے میں حدیث مبارکہ عرف کی ... نمبر(۱) میں کیا جا چکا ہے۔

مندرجہ بالا تصریح اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ معاشرے میں رائج پسندیدہ چیز قابلِ قبول ہے ... اسلام سے پہلے کی جتنی چیزیں زمانہ اسلام میں باقی ہیں اُن کے بارے میں یہ کہنا کہ وہ سب پہلے کی ...

---

۱۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر بن یزید، جامع البیان فی تاویل القرآن، (موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الاولیٰ: ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء) ...

۲۔ الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن، الجزا الثالث، ص: ۳۸

شریعتِ ابراہیمی سے ماخوذ و مستنبط تھیں، نہایت مشکل ہے کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ عرب اور غیر عرب میں کسی اور طریقہ سے رائج معاشرتی رواج کا وجود ہی نہ رہا ہو یا معاشرتی فلاح و بہبود سے متعلق کوئی عمل درآمد اور عرف پایا ہی نہ جاتا رہا ہو۔

اصل یہ ہے کہ وہ تمام عرف و رواج جو الٰہی حکمت کے موافق تھے وہ سب قبول کیے گئے خواہ وہ عرب میں رائج تھے یا غیر عرب میں ان کا تعلق ماقبل شریعتوں سے تھا یا نہ تھا۔

حضرت شاہ ولی اللہ نے بھی عرب جاہلی کے اچھے رسم و رواج کو اسلامی شریعت کا تشریعی مادہ قرار دیا ہے۔

" هي ماده تشريعة "[1]

شاہ ولی اللہ آگے چل کر فرماتے ہیں:

"ونهي عن الرسوم الفاسدة و امر بالصالحة "[2]

(رسول ﷺ نے ہمیں فاسد رسموں سے منع کیا اور اچھی رسموں کے قبول کرنے کا حکم دیا)

## شرائع الٰہی کا مقصود رسوم کی اصلاح:

جب بھی کوئی شریعت نازل ہوئی تو اُس نے معاشرے میں موجود برائیوں اور غلط رواجات کی اصلاح کی گویا کہ ان شریعت کا ایک مقصد معاشرے میں رائج غلط رواجوں کی اصلاح کرنا اور جو نا قابلِ اصلاح ہوں انہیں موقوف کر دینا ہے۔

**شاہ ولی اللہ** لکھتے ہیں:

"ارتفاقات میں رسوم کا وہی درجہ ہے جو انسان کے جسم میں قلب کا ہے۔ شریعت نازل ہونے کے وقت بھی ان کو سب سے پہلے پیش نظر رکھا جاتا ہے۔ بالالفاظ دیگر رسوم کی اصلاح اور ان میں مناسب شکست و ریخت کرنا نازل شدہ شریعت میں ایک مقصود بالذات چیز ہوتی ہے۔ نوامیس الٰہیہ میں انہی کے متعلق بحث ہوتی ہے اور کلام مقدس میں ان کے متعلق ارشادات پائے جاتے ہیں"[3]

نبی پاک ﷺ کی نبوت کے ابتدائی زمانے میں جب سوائے "سورہ اقراء" (سورہ العلق) کی پہلی پانچ آیت کے کوئی چیز موجود نہ تھی اس وقت مکہ معظّمہ کے کافرانہ معاشرے میں بُت پرستی کے سوا جو بھی معاشرتی رسم و رواج اور جو بھی عرف و عادت پائی جاتی تھی اس پر عمل کرنے کی مسلمانوں کو بھی اجازت تھی۔ جیسے ابتداء میں کیونکہ شراب کی حرمت کا حکم نہیں آیا تھا اس لئے بعض لوگ مسلمان ہو کر بھی اسے استعمال کرتے تھے، مگر رفتہ رفتہ قرآن و حدیث کے احکام کے مطابق ان رسوم و رواج میں ترامیم و تبدیلیاں ہوتی گئیں۔ رسم و رواج میں یہ تبدیلی تیئس (۲۳) سال کے عرصہ میں ترجیحی بنیاد پر ہوئی کہ کن چیزوں کو سب سے پہلے منسوخ کیا جائے، ان کے بعد کن چیزوں کو اور کن کن چیزوں کا اضافہ کیا جائے اور جن پرانے رسوم و رواج کو قبول کیا گیا اُن کو اس طرح اسلام کے قالب میں ڈھالا گیا کہ وہ شریعت اسلامیہ میں داخل ہو کر رہ گئے۔ آئندہ بحث میں کچھ ایسی رسوم کا تذکرہ کیا جاتا ہے جو کہ زمانہ جاہلیت میں موجود تھیں اور اسلام نے بھی انہیں کسی نہ کسی شکل میں برقرار رکھا۔

### ۱۔ غسل و طہارت:

عرب جاہلیت میں بھی نہایت صاف ستھرے رہتے تھے، طہارت کے پورے پابند تھے۔ ان کی طہارت میں دس قسم

---

۱۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج:۱، ص: ۱۲۳

۲۔ ایضاً، ص: ۱۲۴

۳۔ ایضاً، ص: ۳۰۸

باتیں تھیں جن میں خدا تعالیٰ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا تھا۔ اسلام نے ان باتوں کو قائم رکھا۔ [illegible]

## ۲۔ جاہلیت کا سلام:

جاہلیت میں ایک دوسرے کو سلام کرنے کی رسم بھی رائج تھی اور اس کے لیے یہ الفاظ بولے جاتے تھے "انعم صباحاً"، "انعم مسَاءً"، "انعم ظلاماً" اس کے معنی ہیں "صبح کو خوش رہو"، "شام کو خوش رہو"، "اندھیرے میں خوش رہو" عام طور پر [illegible] قید اور پابندی کے لفظ "صباحاً" بولا جاتا تھا۔ اس کا استعمال ہر وقت میں صحیح سمجھا جاتا تھا۔ اور اس لفظ کو دوسرے لفظوں سے [illegible] خیال کیا جاتا تھا۔ یہ سلام عامتہ الناس کا تھا۔ لیکن جب بادشاہوں کو سلام کیا جاتا تھا تو یہ الفاظ کہے جاتے تھے "ابیت [illegible]" کے معنی ہیں ان کاموں سے بچو جو لعنت کا موجب ہیں [۲]

اسلام نے اسی سلام کو بہترین شکل دے کر معاشرے میں رائج کر دیا۔

## ۳۔ روزے:

جس طرح مسلمانوں میں رمضان کا مہینہ متبرک گنا جاتا ہے اور روزوں کے لیے مخصوص ہے اس طرح جاہلیت [illegible] مہینہ تمام مہینوں سے افضل شمار کیا جاتا تھا۔ جاہلیت کے لوگ اس زمانہ میں روزے رکھتے تھے اور غلہ اور خوردنی چیزیں [illegible] اپنے بیوی بچوں کے رزق میں فراخی کرتے تھے۔ اس مہینے میں کشت وقتال اور خون ریزی حرام تھی [۳]

جب اسلام آیا تو روزے کے باقاعدہ احکام نازل ہوئے اور رمضان کا مہینہ مقرر کیا گیا۔

## ۴۔ نکاح:

جاہلیت میں نکاح آٹھ قسم کا تھا۔ اسلام نے غلط طریقوں کو موقوف کر کے صحیح طریقہ کو قائم رکھا۔

## ۵۔ طلاق:

جاہلیت میں طلاق تین قسم کی تھی، بذریعہ ظہار، بذریعہ ایلا اور بذریعہ طلاق کے سو طلاق کو اللہ تعالیٰ نے ثابت [illegible] ظہار میں وہ فیصلہ کیا جو قرآن میں مذکور ہے [۴]

## ۶۔ قتل وضرب شدید کی سزا:

جاہلیت میں قتل اور ضرب شدید کی سزائیں مقرر تھیں۔ قصاص یا دیت ان دونوں سزاؤں میں قصاص [illegible] تھا [illegible] نے ان سزاؤں کو برقرار رکھا۔

## ۷۔ میراث:

جاہلیت میں میت کے ترکے کی مالک اس کی وہ اولاد ذکور ہوتی تھی جو دشمن کا مقابلہ کر سکتی تھی۔ عورتیں، لڑکیاں [illegible] جو جنگ کی طاقت نہیں رکھتے تھے میراث سے محروم رہتے تھے [۵]

---

۱۔ نجم الدین، مولانا، رسوم جاہلیت، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۰ء) ص: ۴۱

۲۔ ایضاً، ص: ۳۹، ۴۰

۳۔ نجم الدین، مولانا، رسوم جاہلیت، (بحوالہ بلوغ الارب فی الاحوال العرب) ص: ۴۰۶

۴۔ ایضاً، ص: ۶۰

۵۔ طبری، ابن جریر، جامع البیان فی تفسیر القرآن، ج: ۴، ص: ۱۷

اسلام نے باقاعدہ وراثت کے احکام دیئے اور میت کے ترکے میں ہر ایک کا حصہ مقرر کیا۔

اس کے علاوہ بھی کچھ ایسی باتیں عرب جاہلی میں رائج تھیں جنہیں اسلام نے بعد از اصلاح قائم رکھا۔

ذیل میں کچھ ایسی رسوم کا تذکرہ کیا جاتا ہے جنہیں اسلام نے بالکلیہ ختم کرنے اعلان کیا۔

### ا۔ جُوا:

یہ رسم عرب جاہلیت کا بڑا ناز وافتخار تھا اور جو شخص جُوا نہیں کھیلتا تھا اس کو سخت حقارت کی نظر سے دیکھا جاتا تھا۔ اسلام نے جو تمام بے ہودہ اور لغو رسموں کو مٹانے، انسانوں کو تمیز سکھانے اور مہذب بنانے کے لیے نازل ہوا اس فعل شنیع کو نجس و ناپاک اور حرام قرار دیا ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:

"یَآ اَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْ اِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَیْسِرُ وَالْاَنْصَابُ وَالْاَزْلَامُ رِجْسٌ مِّنْ عَمَلِ الشَّیْطٰنِ فَاجْتَنِبُوْہُ لَعَلَّکُمْ تُفْلِحُوْنَ"[1]

(اے لوگو! جو ایمان لائے ہو بے شک شراب اور جوئے اور بت اور پانسے گندے شیطانی اعمال میں سے ہیں۔ پس ان سے کنارہ کشی کرو۔ شاید کہ تمہارا بھلا ہو)

### ۲۔ نسی:

عربوں میں ایک رسم نسی (یعنی مہینوں کو پیچھے ہٹانے کی رسم) تھی یعنی ماہ حرام کی حرمت کو مؤخر کر دینا۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام اور حضرت اسماعیل علیہ السلام نے خدا کے حکم سے سال کے بارہ مہینے مقرر کیے تھے، جن میں چار مہینے، محرم، رجب، ذیعقد اور ذالحجہ حرمت والے قرار دیئے تھے۔ ان میں قتال حرام تھا۔ جاہلیت کے لوگ ان کی حرمت کا اعتقاد رکھتے تھے لیکن اُنہوں نے اس میں یہ بدعت نکالی تھی کہ ان مہینوں کو دوسرے مہینوں سے بدل دیتے تھے۔ دین اسلام نے اس کو کفر اور گمراہی قرار دیا اور فرمایا کہ:

اِنَّ عِدَّةَ الشُّھُوْرِ عِنْدَ اللّٰہِ اثْنَا عَشَرَ فِیْ کِتَابِ اللّٰہِ یَوْمَ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضَ مِنْھَا اَرْبَعَةٌ حُرُمٌ ذٰلِکَ الدِّیْنُ الْقَیِّمُ ۵ فَلَا تَظْلِمُوْا فِیْھِنَّ اَنْفُسَکُمْ وَقَاتِلُوا الْمُشْرِکِیْنَ کَآفَّةً کَمَا یُقَاتِلُوْنَکُمْ کَآفَّةً وَاعْلَمُوْا اَنَّ اللّٰہَ مَعَ الْمُتَّقِیْنَ اِنَّمَا النَّسِیْٓءُ زِیَادَةٌ فِی الْکُفْرِ یُضَلُّ بِهِ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یُحِلُّوْنَهٗ عَامًا وَّیُحَرِّمُوْنَهٗ عَامًا لِّیُوَاطِئُوْا عِدَّةَ مَا حَرَّمَ اللّٰہُ فَیُحِلُّوْا مَا حَرَّمَ اللّٰہُ زُیِّنَ لَھُمْ سُوْٓءُ اَعْمَالِھِمْ وَاللّٰہُ لَا یَھْدِی الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ[2]

(بے شک مہینوں کی تعداد اللہ تعالیٰ کے نزدیک بارہ ہے کتاب الٰہی میں جس روز سے اس نے پیدا فرمایا آسمانوں اور زمینوں کو ان میں سے چار عزت والے ہیں یہی دین قیم ہے۔ پس نہ ظلم کرو ان مہینوں میں اپنے آپ پر اور جنگ کرو تمام مشرکوں سے جس طرح وہ سب تم سے جنگ کرتے ہیں اور خوب جان لو کہ اللہ پرہیزگاروں کے ساتھ ہے۔ (حرمت والے مہینوں کو) ہٹا دینا تو اور اضافہ کرنا ہے کفر میں۔ گمراہ کیے جاتے ہیں اس سے وہ لوگ جو کافر ہیں حلال کر دیتے ہیں ایک ماہ کو ایک سال اور حرام کر دیتے ہیں اسی کو دوسرے سال تاکہ پوری کریں گنتی ان مہینوں کی جنہیں حرام کیا ہے۔ اللہ نے تاکہ اس حیلہ سے حلال کر لیں جسے حرام کیا ہے اللہ نے۔ آراستہ کر دیئے گئے ہیں ان کے لیے اُن کے بُرے اعمال اور اللہ ہدایت نہیں دیتا اس قوم کو جو کفر اختیار کیے ہے)۔

---

ا۔ المائدہ:۹۰

۲۔ التوبہ:۳۶،۳۷

### ۳۔ سانڈ چھوڑنے کی رسم:

جاہلیت کی ایک رسم سانڈ چھوڑنا تھی۔اس کی ابتداء عمرو بن لحی خزاعی نے ڈالی تھی۔اس نے ابراہیم علیہ السلام اور اسماعیل علیہ السلام کے دین میں بدعتیں نکالیں۔عرب جاہلیت میں اپنے معبودوں کے نام پر چار قسم کے سانڈ چھوڑتے تھے۔بحیرہ، سائبہ، وصیلہ اور حام۔ اللہ تعالیٰ نے اس کے رد میں درج ذیل حکم نازل فرمایا:

مَاجَعلَ اللّٰہ مِنْ بَحِیْرَۃٍ وَّلَا سَائِبَۃٍ وَّلَا وَصِیْلَۃٍ وَّلَا حَامٍ وَّلٰکِنَّ الَّذِیْنَ کَفَرُوْا یَفْتَرُوْنَ عَلَی اللّٰہِ الْکَذِبَ ط وَاَکْثَرُ ھُمْ لَا یَعْقِلُوْنَ [1]

(نہیں مقرر کیے اللہ نے بحیرہ اور نہ سائبہ اور نہ وصیلہ اور نہ حام لیکن جنہوں نے کفر کیا وہ تہمت لگاتے ہیں اللہ تعالیٰ پر جھوٹی اور اکثر ان میں سے کچھ سمجھتے ہی نہیں)

### ۴۔ تبنیت کی رسم:

جاہلیت میں متبنّیٰ لڑکا (منہ بولا لڑکا) اپنے والدین کی جائیداد کا ایسا ہی وارث اور حقدار خیال کیا جاتا تھا جیسے صلبی بیٹا اور اس کی بیوی سگے بیٹے کی بیوی کی طرح اس کے باپ پر حرام تھی۔

اللہ تعالیٰ نے قرآن مجید کے ذریعہ اس قبیح رسم کا خاتمہ کیا۔

مَا جَعَلَ اللّٰہُ لِرَجُلٍ مِنْ قَلْبَیْنِ فِیْ جَوْفِہٖ وَمَا جَعَلَ اَزْوَاجَکُمُ الّٰٓیْ تُظٰھِرُوْنَ مِنْھُنَّ اُمَّھٰتِکُمْ ج وَمَا جَعَلَ اَدْعِیَاءَ کُمْ اَبْنَاءَ کُمْ ط ذَالِکُمْ قَوْلُکُمْ بِاَفْوَاھِکُمْ وَاللّٰہُ یَقُوْلُ الْحَقَّ وَھُوَ یَھْدِی السَّبِیْلَ ○ اُدْعُوْ ھُمْ لِاٰبَآءِ ھِمْ ھُوَاَقْسَطُ عِنْدَ اللّٰہِ فَاِنْ لَمْ تَعْلَمُوْا اٰبَآءَ ھُمْ فَاِخْوَانُکُمْ فِی الدِّیْنِ وَمَوَالِیْکُمْ [2]

(نہیں بنائے اللہ تعالیٰ نے ایک آدمی کے لیے دو دل اس کے شکم میں اور نہیں بنایا اس نے تمہاری بیویوں کو جن سے تم ظہار کرتے ہو تمہاری مائیں اور نہیں بنایا اس نے تمہارے منہ بولے بیٹوں کو تمہارے فرزند۔یہ صرف تمہارے منہ کی باتیں ہیں اور اللہ تعالیٰ تو سچی بات کہتا ہے اور وہ ہدایت دیتا ہے سیدھی راہ پر چلنے کی۔ بلایا کرو انہیں ان کے باپوں کی نسبت سے۔یہ زیادہ قرینِ انصاف ہے اللہ کے نزدیک اگر تمہیں علم نہ ہو ان کے باپوں کا تو پھر وہ تمہارے دینی بھائی ہیں اور تمہارے دوست ہیں)۔

### حجِ خاموش:

جاہلیت میں حج کی ایک اور قسم تھی جس کو ''حج مصمت'' یا حج خاموش کہتے تھے اس حج میں شروع احرام سے آخر تک کلام کرنا جائز نہیں سمجھا جاتا تھا۔احرام باندھنے کے بعد آدمی گونگوں کی طرح چپ چاپ ہو جاتا تھا۔جاہلیت کے لوگ اس کو بڑا ثواب جانتے تھے حضرت ابوبکرؓ نے ایک عورت کو جس کا نام زینب بنت المہاجر تھا، دیکھا کہ بالکل چپ چاپ اور خاموش ہے کسی سے بات نہیں کرتی۔آپ نے لوگوں سے دریافت کیا کہ اس کی یہ حالت کیوں ہے انہوں نے عرض کیا کہ اس نے حج مصمت کی نیت کی ہوئی ہے۔جب تک یہ جملہ ارکان حج سے فارغ نہ ہولے اس وقت تک کسی سے بات نہیں کرسکتی۔آپؓ اس کے قریب گئے اور اس سے فرمایا کہ کلام کر یہ طریقہ

---

۱۔ المائدہ:۱۰۳

۲۔ الاحزاب:۵،۴

حلال نہیں ہے یہ عمل جاہلیت میں سے ہے۔اس نے آپ کا یہ فتویٰ سُن کر آپ سے کلام کیا اور جس لغو بات کی نیت کی تھی اس کا ارادہ ترک کر دیا۔[1]

**وأد بنات اور قتل اولاد:**

''وأد بنات'' سے مراد اپنی لڑکیوں کو زندہ زمین میں گاڑ دینا ہے واد بنات اور قتل اولاد میں عرب کے لوگوں کی غرضیں مختلف تھیں۔اس کی ممانعت میں متعدد آیات موجود ہیں۔مثلاً ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

''لا تَقْتُلُوْا اَوْلَادَكُمْ خَشْيَةَ اِمْلَاقٍ ط نَحْنُ نَرْزُقُهُمْ وَاِيَّاكُمْ ط اِنَّ قَتْلَهُمْ كَانَ خِطْاً كَبِيْرًا''[2]

(اور اپنی اولاد کو مفلسی کے ڈر سے نہ مار ڈالو،ان کو بھی اور تم کو بھی ہم ہی روزی دیتے ہیں۔بے شک ان کا قتل کرنا بڑی خطا ہے)

---

۱۔ نجم الدین،مولانا،رسوم جاہلیت،ص:۴۰

۲۔ بنی اسرائیل:۳۱

## مبحث دوم: عُرف کا قانون سازی میں مقام ومرتبہ

### قانون سازی اور عرف:

اقوامِ عالم کی نشو ونما اور ارتقاء کی تاریخ میں اور اُن کی عمرانی زندگی اور تمدن کے تمام گوشوں میں رسم ورواج کا نمایاں حصہ رہا ہے اس کے بارے میں دو چیزیں سب سے زیادہ اثر انداز ہوتی ہیں ایک ملکی آب وہوا اور دوسری قومی خصوصیت، قومی عادات اور رسم ورواج تقلید کے ذریعے سے مضبوط ہوتی اور پھیلتی ہیں اور حقیقت تو یہ ہے کہ تقلید ہی تمدن ومعاشرت کو قوموں میں نسل در نسل باقی رکھتی ہے۔

رسم ورواج کئی قسم کے ہوتے ہیں بعض وہ جو عملی زندگی اور حقوق انسانی سے متعلق ہوتے ہیں اور بعض وہ جو اخلاق و آداب سے تعلق رکھتے ہیں۔ بعض وہ جو لباس اور طرزِ زندگی کو ممتاز کرتے ہیں اور بعض وہ جن کا مطلب سوائے تسلی اور تسکین کے اور کچھ نہیں ہوتا رسم ورواج بھی دیگر حالات معاشرہ کی طرح ملک وزمانہ کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ چنانچہ ہر زمانے اور ہر حصہ میں رسم ورواج کی صورتیں بدلتی رہتی ہیں۔

ارتقائے قومی کی ابتداء میں رسم ورواج ہی کے ذریعے معاشرے کی مختلف صورتیں وجود میں آ گئیں اور یہی رسم ورواج مذہب، اخلاق اور معاملات دنیاوی کی اساس تھے۔ جب عدالتیں قائم ہو گئیں اور قوانین کی تدوین مکمل ہو چکی تو رسم ورواج کی اہمیت بتدریج کم ہوتی گئی۔[1]

رومی قوانین کی تاریخ میں قانون کا اصلی ماخذ ومصادر رسم ورواج ہی تھا۔ سب سے پہلے رسم ورواج کو بارہ تختیوں پر تحریر کیا گیا اور یوستیانوس کے عہد تک وہی قانون جاری رہا۔ اس کا قول تھا کہ قانون غیر مدّون رسوم وعادات سے اخذ کیا گیا ہے۔ جس پر رواج عام پسندیدگی کی مہر تصدیق ثبت کر دیتا ہے۔[2]

حاصل بحث یہ ہے کہ اقوام عالم کے قوانین کی تاریخ میں رسم ورواج کا بڑا حصہ ہے۔ اگرچہ پہلے کی نسبت دور جدید کے قانون میں رسم ورواج کی اہمیت کم ہے۔ پھر بھی قوانین جدیدہ میں انہیں کسی حالت میں بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

انسانی زندگی کو منظم اور مرتب کرنے کے لیے قانون ایک ضابطہ ہوتا ہے۔ اس لیے لامحالہ رسوم سے بھی اس کا گہرا تعلق استوار ہوتا ہے بلکہ اکثر قوانین رسوم پر مبنی ہوتے ہیں یا رسوم کی ترقی یافتہ صورت ہوتے ہیں گویا رسوم قانون کا ایک اہم ماخذ ہیں۔

مولانا محمد اسحاق کہتے ہیں کہ ''رسوم ورواج دراصل ایک غیر مکتوب قانون کا نام ہے جس پر ایک پوری انسانی جماعت کم و بیش اس کی اکثریت مجبوراً عامل ہوتی ہے۔ اس غیر مکتوب قانون کو بعض اوقات مکتوب بنا لیا جاتا ہے اور بعض اوقات اس پر دوام سے [illegible] تصریح کی جاتی ہے''[3]

جب کسی وجہ سے رواج نے طرزِ زندگی بدل دیا ہو اور ایک فرقے یا کسی خاص جماعت کے معاملات میں ایک قسم کی باقاعدگی پیدا کر دی ہو تو قانوناً وہ رسم بن جاتا ہے اور رسم شخصی قانون کا جزو ہے۔

---

۱۔ صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، ص: ۲۴۷

۲۔ صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام، (بحوالہ یوستیانوس، کتاب الاحکام) ص: ۱۶۱

۳۔ سندیلوی، مولانا محمد اسحاق، اسلام کا سیاسی نظام، ص: ۳۲

رواجی قانون کے متعلق **مسٹر آسٹن** کا نظریہ ہے کہ:

''کسی رواج کو اس وقت تک قابلِ پابندی نہیں سمجھا جاسکتا جب تک وہ اقتدارِ اعلیٰ کے کسی فعل سے قانون نہ بن گیا ہو'' ۱

**فاروق اختر نجیب** قانون اور رسم و رواج پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''انسانی معاشرے میں قانون کی سب سے ابتدائی صورت رسم و رواج کی تھی ریاست کے وجود میں آنے سے پہلے مقدمات کے فیصلے قبیلے کے مروّجہ اور مسلّمہ رسم و رواج کی رو سے ہی ہوتے ہیں رسم و رواج تہذیب کے خیالات اور عادات کی پختہ شکل کا نام ہے۔ یعنی جو خیالات بار بار عمل میں آئے اور عادت بن گئے پھر آہستہ آہستہ یہی قانون کی صورت اختیار کر گئے'' ۲

**انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجنز اینڈ ایتھکس** کے مقالہ نگار بھی قانون کی ماہیت میں رسم و رواج کو ضروری قرار دیتے ہیں۔

"It is the custom in the last resort that it is the chief factor in the evolution of law" ۳

(رواج قانون کی افزائش میں اعلیٰ جزو کی حیثیت رکھتا ہے)

چنانچہ ریاست معاشرے کے رسوم و رواج کو قانون سازی میں خاص اہمیت دیتی ہے کیونکہ بار بار ایک ہی طرح کا کام کرتے کرتے ایک طریقہ کار کے رگ و ریشہ میں رچ جاتا ہے اور صدیوں تک ایک ہی چیز کا متواتر عمل مختلف مواقع پر رہائش نے بعد میں ثابت کر دیتا ہے کہ ایسے اصول و قوانین یا ضوابط کو ریاست بطور قانون کے تسلیم کر لیتی ہے۔ ریاستیں تمام تو قانون سازی رسم و رواج کے مطابق ہی کرتی ہیں۔ وہ جانتی ہیں کہ اگر عوام کے رسم و رواج کے خلاف قانون بنائے گئے تو عوام انہیں منسوخ کر کے ہی دم لیں گے۔ ۴

انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا کے مقالہ نگار (**Custom and law**) کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

Social cultural systems, like other kinds of system, must have means of self regulation and control in order to persist and function. In human society these means are numrous and varied. The kinship organization specifies reciprocal and Correlative rights, duties and obligations of one class of relatives to another codes of ethics govern the relationship of the individual to the well being of the society as a whole. ۵

(معاشرتی ثقافتی نظام میں دوسری قسم کے نظاموں کی طرح اسے قائم رکھنے اور چلانے کے لئے قوانین اور ضوابط موجود ہوتے ہیں۔ انسانی معاشرے میں یہ قوانین بہت زیادہ اور مختلف ہیں۔ کنشپ کی تنظیم ایک دوسرے کے حقوق و فرائض اور ذمہ داریاں ایک رشتہ داروں کے گروہ کے دوسرے گروہ کے ساتھ واضح کرتا ہے۔ اخلاقی اُصول مجموعی طور پر معاشرے کی بھلائی کے لئے انسانی تعلقات کی رکھوالی کرتے ہیں۔ ۵)

---

۱۔ موسوی، اکبر علی، قانون و رواج ہنود، (حیدرآباد: دار المطابع جامع عثمانیہ، ۱۹۴۱ء)، ص: ۶۹

۲۔ نجیب، فاروق اختر، سیاست و ریاست، (لاہور: نقوش پریس اُردو بازار لاہور، س۔ن)، ص: ۲۱۲

۳۔ انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس (Encyclopedia of Religions and Ethics)، ج ۷، ص: ۸۲۵

۴۔ نجیب، فاروق اختر، سیاست و ریاست، ص: ۲۱۲

۵۔ انسائیکلوپیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopedia of Britannica)، ج ۱۶، ص: ۸۸۰، ۸۸۱

دورِ حاضر کی قانون سازی کو سامنے رکھتے ہوئے تمدّنِ ہند کا مصنّف لکھتا ہے۔

''اگرچہ اس سے ہمیں یہ معلوم ہو رہا ہے کہ حکومت کا سب سے بڑا فرض قانون بنانا ہے۔ تاہم تھوڑا [illegible] یہ بات ثابت کرتا ہے کہ یہ خیال عام نہیں، مثلاً انگلستان اور جرمنی میں مقامی رسوم و عادات جو قانون کا حکم [illegible] ہیں اس وقت بھی موجود ہیں اور روس میں ان کی قوت اور بھی زیادہ ہے۔ اس طرح جوں جوں ہم تمدن [illegible] ہوتے جاتے ہیں رسوم و عادات کی قوت بڑھتی جاتی ہے''[1]

یہی مصنف کچھ آگے چل کر بیان کرتا ہے کہ:

''دنیا میں جن فاتحین نے ایسا خیال کیا کہ قدیم رسوم کو توڑ کر نئے نظامات قائم کر دیں وہ نہایت ہی کم [illegible] کوتاہ اندیش تھے۔ ان کے نظامات کی حالت نقش برآب کی سی تھی جسے ادنیٰ ہوا کے جھونکے نے مٹا دیا''[2]

گویا کہ رسوم کو یک لخت ختم کرنا اور نئے قانون بنانا عقلمندی اور حکمت کی بات نہیں اور تاریخ گواہ ہے کہ [illegible] اس نے زمانہ جاہلیت کی تمام رسوم کو ایک ہی اعلان سے ختم نہیں کر دیا بلکہ تدریجاً ان کی اصلاح کی اور کچھ کو موقوف کیا۔

**شاہد حسین رزاقی** اس ضمن میں رقمطراز ہیں:

''پس رسم و رواج کی نوعیت اگرچہ قانون سے مختلف ہوتی ہے لیکن لوگ ان کو بطور قانون اختیار کرتے ہیں [illegible] قانون سے بھی زیادہ سختی کے ساتھ ان کی پابندی کرتے ہیں۔ رسم و رواج کے بارے میں لوگوں کا یہ [illegible] روایات پر مبنی ہوتا ہے......رسم و رواج کو اتنی اہمیت دے کر اُن کی پابندی کرنے کا بڑا سبب یہ ہے کہ ان [illegible] اثرات اتنے قوی ہوتے ہیں کہ ان کا نظر انداز کر دینا تقریباً ناممکن ہو جاتا ہے''[3]

صرف یہی نہیں کہ قانون کو رسوم کا احترام مجبوراً کرنا پڑتا ہے بلکہ ان کی اہمیت و افادیت کے پیش نظر قانون خود [illegible] کرتا ہے حقیقت یہ ہے کہ قانون اور رسوم آپس میں اس قدر ملے ہوئے ہیں کہ ان میں مکمل حد بندی ممکن نہیں۔

شریعت اسلامی میں بھی معاشرے کی ضروریات اور معاشرے میں پہلے سے مروّج عادات اور قوانین [illegible] کیا گیا بلکہ تدریجاً کہیں کوئی رواج منسوخ کیا ہے اور کہیں اُسی رواج کی اصلاح کی اور کہیں معاشرے میں موجود [illegible] برقرار رکھا اور قانون سازی میں بھی عُرف کو ایک مقام دیا ہے۔ اگر کسی مسئلے کے متعلق قرآن و حدیث خاموش ہیں تو [illegible] جا سکتا ہے۔

---

۱۔ گستاؤلی بان، تمدن ہند، ص: ۴۴۰، ۴۴۱

۲۔ ایضاً، ص: ۴۸۲

۳۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج، ص: ۲۰، ۲۱

### اسلامی قانون سازی اور رسم و رواج:

قبل از اسلام قدیم روایات اور رسم و رواج ہی عربوں کے تمدن اور معاشرت کی اساس تھے۔ جب اسلام ظاہر ہوا تو قرآن و سُنت کے احکام ہی پر قانون سازی کی بنیاد رکھی گئی اور رواج کی اہمیت بہ نسبت پہلے کے کم ہوگئی۔ بہرحال علمائے اصول کے نزدیک رسم و رواج کسی دلیل شرعی کی حیثیت تو نہیں رکھتے تاہم مختلف راستوں سے اسلامی قانون سازی میں داخل ضرور ہو گئے ہیں مثلاً سُنت تقریریہ نے عربوں کی بہت سی روایات کو برقرار رکھا یعنی نبی کریم ﷺ نے بعض عادات حسنہ پر اپنی خاموشی کے ذریعہ رضامندی کا اظہار کیا، چنانچہ وہ رسوم و عادات مسنون رواجات کا جزو بن گئی ہیں۔

اس طرح امام مالک نے نص صریح نہ ہونے کی صورت میں اوّل مدینہ کے عمل کو اجماع اور دلیل شرع میں شمار کیا ہے۔ اہل مدینہ کا دستور العمل وہی پرانے اور نئے رواجات تھے جو اس تجارتی شہر کے لوگوں میں مرّوج تھے۔

جب بتقاضائے ضرورت نئے رسم و رواجات پیدا ہوئے یا جب عرب اپنی فتوحات کے دوران میں ان رواجات سے آشنا ہوئے جن سے پہلے واقف نہ تھے اور قرآن و حدیث کا کوئی حکم بھی اس کے خلاف نہ پاتے تھے تو انہیں اختیار کر لیتے تھے۔ پھر وہی رواجات یا تو اجماع مجتہدین کے ذریعے یا دوسرے دلائل شرع مثلاً استحسان اور استصلاح کے ذریعے اسلامی قانون میں شامل ہو گئے۔[1]

اسلامی قانون میں رواج کے بجائے ''عرف'' کی اصطلاح استعمال کی ہے۔ ایسا اس لیے ہے کہ اس میں حسن کا ایک پہلو عقل سلیم سے مطابقت کا ایک عنصر اور مفادِ عامہ کا ایک گونہ لحاظ خود بخود متصور ہوتا ہے۔ بہرحال عمومی حیثیت سے ہر عرف کو قانونی حیثیت دے دینا درست نہیں ہے۔ ورنہ قرآن وسنت کے حدود و قیود کی کوئی حیثیت باقی نہیں رہے گی۔ خالص دنیاوی قوانین نے بھی مطلقاً رسم و رواج کو مآخذ قرار نہیں دیا۔ بلکہ اس کے معقول ہونے، قانون موضوعہ کے مطابق ہونے اور طویل مدت تک جاری رہنے کی شرائط عائد کی ہیں۔

"It is must have existed for so long that in the language of law the memory of man Funned not to the contrary"[2]

(یعنی رواج اس قدر قدیم زمانے سے موجود ہو کہ قانون سازی کی زبان میں، انسان کی یادداشت میں اس کے برعکس بات موجود نہ رہی ہو)

اگر چہ فقہا نے عرف و رواج کے رائج ہونے کی مدت کو زیادہ اہمیت نہیں دی ہے بلکہ اس بات پر نظر رکھی ہے کہ صحیح قانون اور فصل مقدمہ کے وقت وہ عُرف موجود ہو جیسا کہ ردالمحتار میں ہے کہ:

المعتبر العرف الطّارئ بانّه لا یخالف النص بل یوافقه[3]

(اس موجود عرف کا اعتبار ہے جو نص کے خلاف نہ ہو بلکہ اس کے موافق ہو)

الدکتور حسین حامد قانون سازی میں عرف کے درجہ کو یوں بیان کرتے ہیں:

یعلم بعض کتاب الاصول العرف بین مصادر التشریع وادلته الفقة وهم لا یقصدون

---

۱۔ صبحی محمصانی، ڈاکٹر، فلسفہ شریعت اسلام، (مترجم) مولوی محمد احمد رضوی، ص: ۲۸۸، ۲۸۹

۲۔ صدیقی، ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر، اسلامی فقہ کے اصول ومبادی، بحوالہ (سرجان سالمنڈ، اصول قانون) (لاہور: دارالتذکیر، ۲۰۰۰ء) ص:

۳۔ ابن عابدین، ردّالمحتار، ج:۲۰، ص:۱۲۳

بذالک أنّ العرف ینشیء احکام الشرع اویظھر ھا کنص الشرع وعبارات متعلقین تفسیر وافق العرف الخطاب اوالتعامل دون الوقوف عند من دلّ علیه الالفاظ من معان فی اصل وضع اللغة [1]

(اصول فقہ کے بعض مصنفین عرف کو قانونی (تشریعی) ماخذ اورادلہ شریعہ میں شمار کرتے ہیں۔ ان کا مقصود یہ نہیں ہے کہ عرف سے احکام شریعت اس طرح صادر اور رونما ہوسکتے ہیں جس طرح کتاب وسنت سے ہوتے ہیں بلکہ ان کا مطلب یہ ہے کہ نصوص شریعت اور علّت بیان کرنے والے فقہا کے الفاظ کی تعبیر وہ اختیار کی جائے کہ عرف اور تعامل کے مطابق ہو اور الفاظ کے محض لغوی معنی پہ تکیہ نہیں کیا جائے گا)۔

چنانچہ عرف اسی صورت میں معتبر مانا جائے گا جب کہ:

۱۔ وہ قرآن وسُنت کے خلاف نہ ہو۔

۲۔ عرف اگر قیاسی حکم کے خلاف ہو تو قیاس چھوڑ کر عُرف پہ عمل کیا جائے گا خواہ عرف عام ہو یا خاص۔

۳۔ جواحکام محض عرف پر مبنی ہوں، وہ عرف کے بدلنے سے بدل جائیں گے۔ کیونکہ ان کی مدت عرف ہی تک تھی [2]

**ابوبکر جصاصؒ "وَعلی المولود له رِزْقُهُنَّ وَكِسْوَتُهُنَّ بالمعروف"** میں عرف اور اس کی قانون سازی میں حیثیت ذکر یوں کرتے ہیں:

فاذا اشطت المراۃ طلبت من النفقه اکثر من المعتاد المتعارف لمثلھا لم تعط وکذالک اذا قصرالزوج عن مقدار نفقة مثلھا فی العرف والعادۃ لم یحل له ذالک واجبر علی نفقة مثلھا و فی ھذہ الایته دلالته علی تسویغ اجتھاد الرائے فی احکام الحوادث اذلا وصل الی تقدیر النفقة بالمعروف الا من جھته غالب الظن واکثر الرائے اذا کان ذالک معتبرا بالعادۃ وکل ما کان مبنیا علیٰ العادۃ قبیلیه الا جتھاد و غالب الظن [3]

(جب عورت یہ زیادتی کررہی ہو کہ عام طور پر عرف میں اس کے ہم جنسوں کے لیے جتنا نان نفقہ دیا جاتا ہے اس سے زیادہ کا مطالبہ کرے تو اس کو نہیں دیا جائے گا اسی طرح اگر شوہر اتنے نفقہ میں بھی کمی کررہا ہے جو اس کے ہم جنسوں کے لیے متعارف اور معتاد ہے تو اس کے لیے جائز نہیں ہے اور اس کو اتنا نفقہ دینے پر مجبور کیا جائے گا۔ اس آیت میں نئے پیش آمدہ مسائل میں رائے کے ذریعے اجتہاد سے کام لینے کے جواز کی دلیل موجود ہے۔ اس لیے کہ عرف کے مطابق نفقہ کا اندازہ کرنے میں گمان غالب اور رائے وقیاس ہی سے زیادہ تر کام لینا پڑتا ہے۔ جب کہ یہ قابل اعتبار عرف اور عادت کی وجہ سے ہو۔ جو چیز عرف وعادت پر مبنی ہوتی ہے اس میں اجتہاد اور گمان غالب کے بغیر چارہ نہیں ہے)

---

۱۔ حسان، حسین، حامد، الدکتور، نظریہ المصلحة فی الفقہ الاسلامی (مصر: دار النھضة ،۱۹۷۱ء) ص: ۲۱۳

۲۔ محمد تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، ص: ۲۷۶، ۲۷۷

۳۔ الجصاص، ابوبکر، احمد بن علی رازی، احکام القرآن، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، ۱۴۰۵ھ) جز ۳، ص: ۴۹

## خلاصۂ بحث :

مذکورہ بالا مباحث سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

۱۔ مذہب اور رسوم کا آپس میں گہرا تعلق ہے۔

۲۔ قرآن مجید میں رسم و رواج کے لیے ''عرف'' اور ''معروف'' کا لفظ آیا ہے اور ہر مقام پر اس کا مفہوم متعارف پسندیدہ اور عمل صالح کا ہے۔

۳۔ مفسرین تمام عقلی اور رواجی باتوں کو عرف میں شمار کرتے ہیں۔

۴۔ نزول شریعت کا ایک مقصد معاشرے میں پائے جانے والے غلط رسوم و رواج کی اصلاح کرنا ہے۔

۵۔ جب اسلام آیا تو عرب معاشرے میں موجود ایسے عُرف و رواج جو حکمت الٰہی کے مطابق تھے قبول کر لیے گئے۔

۶۔ اسلام نے عرب معاشرے کے قابل اصلاح رسوم و رواج کی اصلاح کی اور غلط رسوم کو موقوف کر دیا۔

۷۔ قوانین کی تشکیل میں رسم و رواج ایک مسلمہ اہمیت رکھتے ہیں قوانین اور رسوم کا آپس میں ایک مضبوط تعلق استوار ہے۔

۸۔ ارتقائے قومی کی ابتداء میں رسم و رواج ہی مذہب، اخلاق اور معاملات دُنیاوی کی اساس تھے۔

۹۔ قوانین کی تدوین کے بعد رسم و رواج کی اہمیت بتدریج کم ہوئی ہے۔

۱۰۔ رسوم قانون کا ایک اہم مآخذ ہیں۔

۱۱۔ کوئی بھی رواج اکثر اقتدار اعلیٰ کے فعل سے قانون بن جاتا ہے۔

۱۲۔ اسلامی قانون سازی میں عرف کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔

۱۳۔ اسلام میں جو احکام عرف پر مبنی ہوتے ہیں وہ عرف کے بدل جانے سے بدل جاتے ہیں۔

۱۴۔ عُرف پر اُسی صورتحال میں عمل کیا جاسکتا ہے جب یہ قرآن و سُنت کے خلاف نہ ہو۔

# فصل سوم: رسوم کی اختراع وارتقاء کے اسباب

## مبحث اوّل: رسوم کی اختراع وارتقاء کے معاشرتی اسباب

رسوم کی تدابیر سے وہی نسبت ہے جو دل کو بدن انسانی سے ہے۔شرائع نے بھی ان کو موضوع بنایا ہے۔آج اگر مسلم معاشرے پر نظر ڈالی جائے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ پورا معاشرہ مختلف قسم کی ریتوں، رسموں اور رواجوں سے بھرا ہوا دکھائی دیتا ہے۔یہ رسمیں اور رواج عقائد وایمانی تصورات سے لے کر زندگی کے تمام معاملات جیسے تعبّدی، معاشرتی، معاشی، تمدنی، روحانی اور اخلاقی اعمال میں موجود ہیں۔زندگی کا کوئی گوشہ اور کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں کچھ نہ کچھ رسمیں اور رواج موجود نہ ہوں۔شادی کا موقعہ کہ غمی کا، تقاریب و تہوار ہوں کہ بیماری، مصیبت کا موقع ہو غرض یہ کہ قدم قدم پر درجنوں بلکہ سینکڑوں رسمیں موجود ہیں۔تجربے کے طور پر کسی منگنی اور شادی کے موقع پر کسی بڑی بوڑھی خاتون یا کسی بڑی عمر کے کم علم بزرگ سے اس موقع کی رسموں کا معلوم کیجئے تو وہ ایک کتاب کھول دیں گے۔جس میں ہر مرحلے پر پیش آنے والی رسموں، رواجوں اور کاموں کی تفصیل ہوگی۔کہیں ہندوانہ رسمیں ہیں تو کہیں تو ہم پرستی اور شرک کی رسمیں ہیں۔کہیں باپ دادا اور بڑوں کی رسمیں ہیں تو کہیں برداری اور ماحول کی رسمیں ہیں۔غرضیکہ اتنی زیادہ رسمیں ہیں اور اتنی قسم کی ہیں اور ہر علاقے اور خطے میں پائی جاتی ہیں کہ ان کو شمار کرنا بھی بہت مشکل ہے۔ایسا معلوم ہوتا ہے کہ انسان ان رسموں اور رواجوں میں جکڑا ہوا ہے اور معاشرے اور ماحول کا دباؤ ایسا سخت ہے کہ ہر شخص ان کے کرنے پر مجبور و بے بس ہے۔

جب ہم ان رسموں ورواجوں کی ابتداء کا تجزیہ کرتے ہیں تو یہ بات سامنے آتی ہے کہ ہمارے معاشرے میں خوشی و غم کے موقع پر جو رسمیں رائج ہیں ان میں سے بعض کے جائز ہونے سے انکار کرنا مشکل ہے۔لیکن بعض دوسری مکرو، ناجائز اور حرام ہیں۔

کسی بھی معاشرے میں طرح طرح کے رسوم ورواج کی پیدائش اور کسی ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف اور متضاد رسم و رواج کی مقبولیت کے کئی اسباب ہو سکتے ہیں۔سطور ذیل میں ان اسباب پر گفتگو کی جارہی ہے۔

### ا۔ آباؤاجداد کی اندھی تقلید:

بہت سی رسمیں ایسی ہیں جو انسانوں کو باپ دادا سے وراثت میں ملی ہیں۔اور انہیں ان لوگوں نے بلا چون وچرا اختیار کر لیا ہے۔پھر ان پر اتنے پابند اور پکّے جم گئے ہیں کہ ان کے مفید ہونے یا نہ ہونے اور صحیح یا غلط ہونے پر سوچنے کے لیے بھی تیار نہیں۔قرآن مجید میں اس طرز عمل کی عکاسی یوں کی گئی ہے۔

وَاِذَاقِيلَ لَهُـمُ اتَّبِعُوْ ا مَا اَنْزَلَ اللّٰهُ قَالُوْا بَلْ نَتَّبِعُ مَاوَجَدْنَا عَلَيْه آبَاءَ نَا ۔اَوَلَوْكَانَ الشَّيْطٰنُ يَدْعُوهُمْ اِلٰى عَذَابِ السَّعِيْرِ[1]

(اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ پیروی کرو اس چیز کی جو اللہ نے نازل کی ہے تو کہتے ہیں کہ ہم تو اس چیز کی پیروی کریں گے۔جس پر ہم نے باپ دادا کو پایا ہے۔کیا یہ انہی کی پیروی کریں گے خواہ شیطان ان کو بھڑکتی ہوئی آگ ہی کی طرف کیوں نہ بلاتا رہا ہو)

---

ا۔ لقمان:۲۱

بندھے ہوئے ہیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ الرَّسُوْلَ النَّبِیَّ الْاُمِّیَّ الَّذِیْ یَجِدُوْنَهٗ مَکْتُوْبًا عِنْدَهُمْ فِی التَّوْرٰىةِ وَالْاِنْجِیْلِ یَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَیَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْکَرِ وَیُحِلُّ لَهُمُ الطَّیِّبٰتِ وَیُحَرِّمُ عَلَیْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَیَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَالْاَغْلٰلَ الَّتِیْ کَانَتْ عَلَیْهِمْ فَالَّذِیْنَ اٰمَنُوْا بِهٖ وَعَزَّرُوْهُ وَنَصَرُوْهُ وَاتَّبَعُوا النُّوْرَ الَّذِیْٓ اُنْزِلَ مَعَهٗٓ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ [1]

(آج یہ رحمت ان لوگوں کا حصہ ہے) جو اس پیغمبر نبی اُمّی کی پیروی اختیار کریں۔ جس کا ذکر انہیں اپنے ہاں تورات اور انجیل میں لکھا ہوا ملتا ہے۔ وہ انہیں نیکی کا حکم دیتا ہے۔ بدی سے روکتا ہے۔ ان کے لیے پاکیزہ چیزیں حلال اور ناپاک چیزیں حرام کرتا ہے۔ اور ان پر سے وہ بوجھ اتارتا ہے جو ان پر لدے ہوئے تھے۔ اور وہ بندشیں کھولتا ہے۔ جن میں وہ جکڑے ہوئے تھے۔ لہٰذا جو لوگ اس پر ایمان لائیں اور اس کی حمایت و نصرت کریں اور اس روشنی کی پیروی اختیار کریں جو اس کے ساتھ نازل کی گئی ہے۔ وہی فلاح پانے والے ہیں)

رسم و رواج پر عمل پیرا ہونے والے ان کی اچھائی اور برائی پر غور نہیں کرتے بلکہ ان کو اختیار کرنے میں اندھی تقلید کرتے ہیں اور رسم و رواج کی پابندی کا جذبہ اس قدر قوی ہوتا ہے کہ بہت ہی معیوب اور نقصان دہ رسموں پر بھی سختی سے عمل کیا جاتا ہے۔ شاہد حسین رزاقی رسم و رواج کے پھیلاؤ کے اس سبب پر اپنا نقطہ نظر یوں بیان کرتے ہیں۔

''رسم و رواج کے حامی ان کے عیب اور نقصانات کو بالکل نظر انداز کر دیتے ہیں اور ان کی تائید اور جواز میں یہ دلیل پیش کرتے ہیں کہ ان رسوم و رواج پر آباؤ اجداد کے زمانے سے عمل ہو رہا ہے اور یہ بزرگ اتنے کم عقل اور نا سمجھ نہ تھے کہ اچھائی اور برائی میں تمیز نہ کر سکتے۔ ان لوگوں کی تمام دلیلوں اور تاویلوں کا مقصد صرف یہ ہوتا ہے کہ رسوم و رواج پر خواہ وہ کتنے ہی معیوب اور مضر کیوں نہ ہوں بدستور عمل کیا جائے اور اپنے رویے کو حق بجانب ظاہر کرنے کے لیے وہ بزرگوں کے طرز عمل کا سہارا لیتے ہیں اور اس بات پر غور تک نہیں کرتے کہ ایک رسم جو بزرگوں کے زمانہ میں مفید تھی حالات بدل جانے کی وجہ سے اب مفید نہیں رہی بلکہ مضر ہوگئی ہے''[2]

## ۲۔ دوسرے معاشروں اور اقوام کے ساتھ اختلاط:

رسموں کے ارتقاء اور مقبولیت کا ایک سبب دوسرے معاشروں اور قوموں سے تعلقات اور روابط ہیں۔ دوسرے معاشروں اور قوموں کے ساتھ میل جول سے افراد معاشرہ دوسروں کے طور طریقوں اور رسم و رواج سے متاثر ہوتے ہیں۔ اور نتیجے کے طور پر ان ہی رسوم کو اپنے معاشرے میں مروج دیکھنا چاہتے ہیں۔ جیسے شب برأت میں آتش بازی، سالگرہ منانا، خاص تقریبات پر چراغاں کرنا، تقریبات اور تہواروں میں خاص قسم کے کھانے پکانا۔ بعض دنوں کو منحوس تصور کرنا وغیرہ۔

---

۱۔ الاعراف:۱۵۷

۲۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم و رواج، ص:۲۲

**البیرونی** اپنے سفر نامہ ہندوستان میں لکھتے ہیں کہ:

''ہندوستان میں تمام دنوں کی کچھ نہ کچھ خصوصیات مقرر کی گئی ہیں اور انہیں خصوصیات کی وضعیت اور کیفیت کے لحاظ سے ہر دن کے تقدس اور احترام کا درجہ مقرر ہے۔ مثلاً اتوار کا دن کہ اس کی عظمت سورج کے ساتھ نسبت اور ہفتہ کا پہلا دن مقرر ہونے کی وجہ سے ہے۔ جن دنوں کی خاص عظمت ہے ان میں اماوس اور پرنیما بھی ہیں۔ یعنی نئے چاند اور پورے چاند کے دن اس طرح بیساکھ کا تیرواں دن، کارتک کا نواں دن، پندرہ ماگھ اسوتی کا تیرھواں دن، اسی طرح سورج گرہن اور چاند گرہن کے اوقات بھی ثواب حاصل کرنے کے بہترین وقت ہیں۔ ان کے عقیدے کے مطابق ان اوقات میں تمام رُوئے زمین کا پانی گنگا کے پانی کی طرح پاک ہو جاتا ہے۔ اسی طرح زلزلوں کے اوقات کو منحوس تصور کیا جاتا ہے''۔ [1]

**سر سید احمد** رسموں کے ارتقاء کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں:

''یہ بات اکثر جگہ موجود ہے کہ ایک قوم کی رسمیں دوسری قوم میں بسبب اختلاط اور ملاپ کے اور بغیر مقصد و ارادے کے اور ان کی بھلائی اور برائی پر غور و فکر کرنے کے بغیر داخل ہوگئی ہیں۔ جیسا کہ ہندوستان کے مسلمانوں کا بالتخصیص حال یہ ہے کہ تمام معاملات زندگی بلکہ امورات مذہبی میں بھی ہزاروں رسمیں غیر قوموں کی بلا غور و فکر اختیار کر لی ہیں یا کوئی نئی رسم مشابہ اس قوم کی رسم کے ایجاد کر لی ہے''۔ [2]

## ۳۔ توہم پرستی:

توہم پرستی بھی رسموں کے اختیار کرنے کا ایک بڑا سبب ہے۔ بعض رسمیں اور باتیں ایسی ہیں کہ جن میں شرک، شبہ شرک، اوہام پرستی اور غیر اللہ کا خوف پایا جاتا ہے۔ جیسے فلاں کے نام کا یا فلاں تاریخ کا کھانا نہیں پکایا یا فلاں بزرگ کے نام کی خیرات نہ کی تو یہ نقصان ہو جائے گا۔ مثلاً جانور مر جائے گا، اس کا خون خشک ہو جائے گا۔ اس طرح بچے کے کان یا ناک چھیدنا، سہرا باندھنا، کسی پیر کے نام کی سر پر چوٹی رکھنا یا پورے سر کے بال رکھنا، کسی مہینے اور تاریخ کو منحوس اور بے برکت سمجھنا اور اس میں شادی بیاہ نہ کرنا وغیرہ۔

**شاہ ولی اللہ دہلوی** رسوم کی نشر و اشاعت کے ان اسباب کے ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''بعض اوقات ایسی صورتیں پیش آتی ہیں جن کی وجہ سے کسی اختیار کردہ رسم کی پابندی کو اور زیادہ مضبوطی اور استحکام حاصل ہوتا ہے۔ مثلاً اس رسم کے ترک کرنے سے غیب سے ان پر کوئی آفت نازل ہوتی ہے یا اس کے چھوڑ دینے سے سوسائٹی کے نظام میں نمایاں طور پر خلل آجاتا ہے''۔ [3]

## ۴۔ تشبہ بالغیر:

معاشرے میں کچھ رسومات دوسری قوموں سے تشبہ کے باعث پھیل جاتی ہیں۔ یہ رسمیں دراصل ان سے مسلمانوں میں آئی ہیں۔ جیسے نیوتا لینا دینا، جو دراصل ایک قسم کا قرض ہے اور حقوق العباد کے زمرے میں آتا ہے۔ لڑکی والوں سے تلک چڑھانے (جہیز

---

۱۔ البیرونی، ابو ریحان، کتاب الہند، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۲ء) ص: ۲۹۸ تا ۳۰۱

۲۔ سر سیّد احمد خان، رسم و رواج، بشمول مضامین سرسیّد، (لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۸۴ء) ص: ۴۰

۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجتہ اللہ البالغہ، ج: ا، ص: ۳۰۶، ۳۰۷

روپے سامان جہیز، گاڑی اور بنگلہ وغیرہ دینے) کا مطالبہ کرنا۔ حالانکہ حضور ﷺ کا فرمان پاک ہے:

عن عبداللّٰہ بن عمر رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللّٰہ ﷺ لا تزوجوا النساء لحسنهن فعسىٰ حسنهنّ أن يرديهنّ، ولا تزوجوهنّ لاموالهنّ فعسىٰ اموالهن ان تطغيهن ولكن تزوجوهن علىٰ الدين والأمة خرماء سوداءِ ذات دين افضل[1]

(عورتوں سے حسن و جمال کی وجہ سے شادی نہ کرو ہوسکتا ہے کہ ان کا حسن ان کو تباہ کردے اور نہ ان کے مالدار ہونے کی وجہ سے شادی کرو ہوسکتا ہے کہ ان کا مال ان کو طغیان اور سرکشی میں مبتلا کردے۔ بلکہ دین و اخلاق کی بنیاد پر ان سے شادی کرو۔ اور سیاہ رنگ کی باندی جو دین دار ہو اللہ کی نگاہ میں گوری خاندانی عورت سے بہتر ہے)

اس طرح دولہا کو رنگین لباس پہنانا، کنگنا اور سہرا باندھنا، سالگرہ اور برسی کرنا تیجا اور بارہواں وغیرہ[2]

## ۵۔ تکبّر و تفاخر:

معاشرے میں بعض رسمیں کچھ لوگوں کے تکبر اور تفاخر کی وجہ سے بھی پھیل جاتی ہیں۔ ان رسموں میں تکبر، غرور اور تفاخر پایا جاتا ہے۔ جیسے نکاح بیوگان سے روگردانی اپنے خاندان کے باہر اپنی لڑکیوں کا نکاح نہ کرنا۔ تفاخر کی وجہ سے مہر زیادہ باندھنا خرچ کی ضرورت اور اپنی بساط سے زیادہ جہیز دینا وغیرہ

متکبر کے بارے میں نبی رحمت ﷺ کا ارشاد ہے۔

عن عبداللّٰہ عن النبی ﷺ قال لا يدخل الجنة من كان فى قلبه مثقال ذرةٍ من الكبر[3]

(وہ شخص جنت میں داخل نہیں ہوگا جس کے دل میں رائی کے دانے کے برابر بھی تکبر ہوگا)

اس پر ایک آدمی نے پوچھا کہ آدمی چاہتا ہے کہ اس کا کپڑا بہترین ہو۔ اور اس کا جوتا اچھا ہو اس پر آپ ﷺ نے فرمایا۔

اِن اللّٰہ جميلٌ يحبُّ الجمال الكبر من بطر الحق وَ غمط النّاس[4]

(اللہ صاحب جمال ہے اور جمال کو پسند کرتا ہے تکبر تو حق کو ٹھکرانا اور لوگوں کو حقیر سمجھنا ہے)

## ۶۔ غلو اور انتہا پسندی:

معاشرے میں کچھ رواجوں کی ابتدا غلو اور انتہا پسندی کے باعث بھی ہوجایا کرتی ہے۔ کچھ لوگ بعض دینی احکام جو کہ مستحب ومباح ہیں ان کو سختی سے ادا کرتے ہیں لیکن فرائض کو ترک کردیتے ہیں۔ اس بات کو شریعت میں غلو (انتہا پسندی) کہا جاتا ہے۔ ہمارے ہاں بہت سی موت فوت کی رسموں کو دیکھا جائے تو ان میں اچھا خاصا غلو پایا جاتا ہے۔ ہم نے بہت سی باتوں کو اپنے اوپر لازم کرلیا ہے۔ جیسے میت کے تیسرے بارہویں اور چالیسویں دن کا کھانا اور جمعرات کا کھانا وغیرہ جسے ایصال ثواب کے لیے کیا جاتا ہے اور کھاتے پیتے اور مالداروں کو بلا کر کھلایا جاتا ہے جبکہ ایصال ثواب اور صدقہ جاریہ کے کئی دوسرے طریقے موجود ہیں[5]

---

۱۔ القزوینی، محمد بن یزید ابوعبداللہ، السنن ابن ماجہ، (بیروت: دارالفکر س۔ن) کتاب النکاح، باب تزویج ذات الدین، حدیث نمبر ۱۸۵۹، ص: ۵۹۷/۱

۲۔ ماہنامہ خطیب، لاہور: جنوری ۲۰۰۲ء) ص: ۲

۳۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح سنن ترمذی (بیروت: احیاء التراث العربی، س۔ن) باب ماجاء فی الکبر، ۱۹۲۲ء، ص: ۳۶۰/۳

۴۔ ایضاً

۵۔ ماہنامہ خطیب، (لاہور: جنوری ۲۰۰۳ء) ج ۸، شمارہ: ۱، ص: ۶

کبھی کبھی یوں ہوتا ہے کہ بادشاہوں کے اطوار اور طور طریقوں کو لوگ رسم کے طور پر اپنا لیتے ہیں ۔ کسی بڑے بادشاہ کا کوئی طریقہ ہوتا ہے جس کے سب لوگ مطیع ہوتے ہیں اور شعوری اور لاشعوری طور پر اُس پر عمل کرنا واجب خیال کرتے ہیں ۔ ایک حدیث پاک ہے۔

الناس علی دین ملوکھم[1]

(لوگ بادشاہوں کے دین پر ہوتے ہیں)

شاہ ولی اللہ بھی اس بارے میں لکھتے ہیں کہ

”بعض اوقات اس رسم کی ابتدا کی عظیم بادشاہ سے ہوئی۔ جس کی اطاعت ناگزیر سمجھی جاتی تھی۔[2]

## ۸۔ خواہشاتِ نفس کی پیروی:

کبھی کبھار انسانی نفس کچھ ایسے تقاضے کرتا ہے کہ ان کو پورا کرنے کی معاشرے میں مروج طور طریقوں میں آزادی سے گنجائش نہیں ہوتی ۔ ایسی خواہشات کی تکمیل کے لیے کچھ نئے کاموں کی ابتدا کر لی جاتی ہے اور دیکھتے دیکھتے یہ نئے کام رسم کا روپ دھار لیتے ہیں۔ جیسے ماہنامہ خطیب میں ہے:

”کچھ رسمیں اور رواج خواہشات نفس کی وجہ سے یا لوگوں کی دیکھا دیکھی گھڑ لی گئی ہیں اور روایت بن گئی ہیں۔[3]

---

۱۔ العسقلانی، ابو الفضل، احمد بن علی بن حجر، فتح الباری شرح الصحیح البخاری، (بیروت: دار المعرفہ ۱۳۷۹) باب تولہ باب ایام الجاھلیۃ ص: [illegible]

۲۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ البالغہ، ج: ۱، ص: ۳۰۶

۳۔ ماہنامہ خطیب (لاہور، جنوری ۲۰۰۳ء) ص ۳

## مبحث دوم: رسوم میں اختلاف کے اسباب

رسم ورواج کے پھیلاؤ کے ذکر کردہ اسباب کے علاوہ دیگر اسباب بھی ہیں ۔ان میں کسی ملک یا علاقے کے مخصوص حالات جغرافیائی کیفیت، باشندوں کی ذہنی اور جسمانی خصوصیات، مذہبی عقائد، تاریخی وسیاسی ارتقاء، اقتصادی حالت اور تہذیبی اثرات شامل ہیں۔رسوم ورواج کی دو اہم ترین قسمیں مذہبی اور معاشرتی ہیں اور نہ صرف معاشرتی بلکہ متعدد مذہبی رسموں پر بھی مقامی حالات اور قومی خصوصیات کا گہرا اثر پڑتا ہے۔آئندہ صفحات میں رسموں کی پیدائش کے ان اسباب پر روشنی ڈالی جارہی ہے۔

### ۱۔ جغرافیائی کیفیات:

کسی علاقے کی جغرافیائی کیفیت بھی بہت سی رسموں کے ظہور اور پیدائش کا سبب ہوتا ہے۔جیسا کہ عمرانیات کے عالموں کا یہ خیال ہے کہ مردوں کو دفن کرنے اور جلانے کی رسمیں جغرافیائی حالات کا نتیجہ ہیں، ریگستانوں میں رہنے والوں کے لیے زیادہ سہولت اس میں تھی کہ مُردوں کو زمین میں گاڑ دیں اور گھنے جنگلوں والے علاقوں میں رہنے والوں کے لیے یہ آسان تھا کہ کسی بھی کھلی جگہ یہ لکڑیاں اکٹھی کر کے مردے کو جلا دیں، یہی سبب ہے کہ عرب میں جن مذاہب کا آغاز ہوا ان کے ماننے والوں میں مردوں کو دفن کرنے کا رواج ہے اور ہندوستان میں جنم لینے والے مذاہب کے پیرو مردوں کو جلانے کی رسم اختیار کیے ہوئے ہیں۔[1]

### ۲۔ قومی خصوصیات:

ایک بزدل اور تن آسان قوم مخالف قوتوں پر غالب آنے اور مشکلات پر قابو پانے کی صلاحیت سے محروم ہوں سے ... کی پرستار بن جاتی ہے۔جس سے اس کو نقصان یا فائدہ پہنچتا ہے۔چنانچہ ایسی قوموں نے حیوانوں تک کو دیوتا قرار دیا اور اس طرح سے بے شمار دیوتا تخلیق کر کے بت پرستی کی رسم اختیار کر لی گئی۔لیکن اس کے برعکس ایک جرّی اور جفاکش قوم کا اندازِ حیات بالکل مختلف ہوتا ہے اور وہ فطرت کی تسخیر پر کمربستہ ہو کر ایسی بنیادوں پر معاشرت کی تعمیر کرتی ہے جو زندہ رسوم ورواج تعمیر وتخلیق اور آزادی کی ضمانت ہوتی ہیں۔[2]

### ۳۔ تاریخی وسیاسی ارتقاء:

ایک آزاد قوم کے تاریخی اور سیاسی ارتقاء سے جو رسم ورواج ظہور پذیر ہوتے ہیں وہ اس قوم کے باشندوں کی ذہنی اور جسمانی خصوصیات اور ملکی آئین کی آئینہ دار ہوتی ہیں گویا کہ اُن کی رسوم میں بھی جان پائی جاتی ہے۔لیکن محکوم قوموں کے رسوم ورواج میں حکمرانوں کے اثرات نمایاں نظر آتے ہیں اور زوال پذیر قوموں کے رسوم ورواج رفتہ رفتہ تقلید جمود اور احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں۔[3]

### ۴۔ معاشی حالت:

کسی قوم اور علاقے کی معاشی حالت بھی متعدد رسموں کو وجود میں لانے اور پھیلانے کا سبب بن جاتی ہے۔معاشی اعتبار سے

---

۱۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص:۲۶

۲۔ ایضاً

۳۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص:۲۷

خوشحال قوموں کی رسموں میں شان وشوکت ہوتی ہے۔ اور دولت کی فراوانی کی وجہ سے ان میں بہت سی مسرفانہ رسمیں بھی پیدا ہو جاتی ہیں۔ جن کا پورے معاشرے پر گہرا اثر پڑتا ہے۔ جس طرح دولت کی فراوانی نے لونڈیاں اور غلام خریدنے کی رسم، غیرت کی وجہ سے اولاد کو فروخت کر دینے اور قتل کرنے کی رسم ڈال دی۔ ۱

## ۵۔ تہذیبی اثرات:

کسی قوم کے سیاسی حالات کی طرح تہذیبی اثرات سے بھی نئے رسوم ورواج پیدا ہوتے ہیں اور یہ اثرات بھی تہذیبی تبدیلی کا سبب بن جاتے ہیں۔ حاکم قوم محکوم قوم پر اور اعلیٰ تہذیب ادنیٰ پر غالب آجاتی ہے اور اعلیٰ تہذیب والی قوم کے رسم ورواج کی تقلید ہونے لگتی ہے۔ کسی قومی تہذیب کی برتری اس وقت تک قائم رہتی ہے۔ جب تک اس کے حامل ایک زندہ اور ترقی یافتہ قوم کی حیثیت سے اپنی برتری قائم رکھتے ہیں اور اگر وہ اپنی یہ برتری برقرار نہیں رکھ سکتے تو ان کی تہذیب بھی رُو بہ زوال ہو جاتی ہے اور رفتہ رفتہ اس تہذیب میں ادنیٰ تہذیب والی قوم کے رسوم ورواج داخل ہونے لگتے ہیں۔ ۲

غرض یہ کہ رسوم کی پیدائش اور ارتقاء کے بے شمار اسباب ہو سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب انسان اپنا مذہب یا وطن بدلتا ہے تو نئے مذہب اور وطن کی روایتوں سے ضرور متاثر ہوتا ہے۔ ایک مختلف اور بعض اوقات بالکل نئے اختلاط میں کئی صورتیں پیدا ہوتی ہیں۔ انسان اپنی بعض ایسی تہذیبی روایتوں کو برقرار رکھتا ہے جن کا نئے نظام سے براہِ راست ٹکراؤ نہیں ہوتا۔ بعض روایتوں میں تھوڑی بہت تبدیلی کر کے انہیں وہ انسانی گروہ کے لیے قابلِ قبول بنا دیتا ہے۔ جس میں وہ داخل ہوتا ہے اور بہت سی نئی روایتوں کو وہ خود بھی قبول کر لیتا ہے۔ نئے اور پرانے سماجی تہذیبی اور مذہبی گروہوں کے ایک ساتھ رہنے سے ایسی تہذیبی روایتیں جنم لیتی ہیں جن میں غیر محسوس طریقے سے دونوں گروہوں کی تہذیبی اقدار در آتی ہیں جو مشترکہ کلچر کی بنیاد بنتی ہیں۔

مختلف تہذیبوں کے ٹکراؤ اور رسوم کے پھیلاؤ کے ضمن میں "**بدعت کیا ہے**"؟ کے مصنف لکھتے ہیں۔ جہاں جہاں دو تہذیبیں ٹکراتی ہیں وہاں وہاں دونوں ایک دوسرے سے اثرات لیتی ہیں ایک کا اثر غالب اور دوسرے کا اثر منفی قسم کا۔ آج کی دنیا میں ایک نہیں بیسیوں تہذیبوں کی ٹکر ہے۔ وسیع دُنیا میں آج آمد و رفت اور پیغام رسانی کی جدید صورتوں کی بدولت مختلف ممالک والوں کو ایک شہر کے مختلف محلے داروں کا مقام مل رہا ہے۔ پیرس، لندن اور ہالی وڈ فیشن ہفتوں میں کراچی، بغداد، لاہور اور راولپنڈی پہنچ رہے۔ وہاں کی معاشرت کی تصویریں ہمارے سینما کے پردوں پر جلوہ پاشیاں کر رہی ہیں۔ کیا ان سے متاثر ہوئے بغیر رہا جا سکتا ہے؟ کیا ان سے عدم التفات ممکن ہے؟ ۳

**ابنِ خلدون** اپنے مقدمہ میں لکھتے ہیں:

انسان کی فطرت ہے کہ جو اس پر غالب آتا ہے اس کے کمال کا وہ معتقد اور گرویدہ ہو جاتا ہے۔ یا تو انتہائی تعظیم کی وجہ سے غالب کا کوئی نہ کوئی کمال اس کی نظر میں جچ جاتا ہے اور اس کے دل میں گھر کر لیتا ہے یا مغلوب اس غلط فہمی میں مبتلا ہو جاتا ہے کہ غالب کے اقتدار کا سبب نہ عصبیت ہے نہ قہر و طاقت بلکہ یہی عادات و خصائل مذہب وعقائد اس کے غلبہ کا راز ہیں جو اس کی نظر میں جچ گئے ہیں۔ اس غلط فہمی کے زیرِ اثر اور ماتحت مغلوب غالب کی ہر پہلو سے نقل اُتارتا ہے کیا لباس و پوشاک کیا دیگر حالات زندگی ...

---

۱۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص: ۲۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ماہر القادری، بدعت کیا ہے؟، ص: ۱۹

[illegible]
فضل کے مرکز ہوتے ہیں۔ یہ محض غلبہ واقتدار کے زیرِ اثر بلکہ غلبہ تشبہ پیدا کرنے میں یہاں تک اثر انداز ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم
کے ہمسایہ میں ہو اور فی الجملہ اس کے زیرِ اثر تو متاثر قوم اپنی پڑوسی قوم کا تشبہ اور اقتدار میں بہت کچھ اثر لیتی ہے۔

ا۔ ابن خلدون، مقدمہ ابن خلدون، (مترجم) علامہ راغب رحمانی (کراچی: نفیس اکیڈمی، ستمبر ۱۹۸۶ء) ص: ۹۸

**خلاصۂ بحث:**

۱۔ ہمارے معاشرے میں خوشی، غمی غرض یہ کہ ہر موقع کے متعلق مختلف رسوم مروج ہیں۔

۲۔ کسی بھی معاشرے میں طرح طرح کے رسوم ورواج کی پیدائش اور ارتقاء کے مختلف اسباب ہوسکتے ہیں۔

۳۔ اکثر رسوم آباؤاجداد کی اندھی تقلید کے باعث معاشرے میں جڑ پکڑ لیتی ہیں۔

۴۔ کچھ رسوم دوسرے معاشروں اور اقوام کے ساتھ اختلاط سے معاشرے میں در آتی ہیں۔

۵۔ معاشرے میں بعض رسوم کچھ لوگوں کے تکبّر وتفاخر کی وجہ سے بھی پھیل جاتی ہیں۔

۶۔ کچھ رواجوں کی ابتداء غلو اور انتہاپسندی کے باعث بھی ہو جاتی ہے۔

۷۔ بادشاہوں کے اطوار اور طور طریقے بھی رسم کے طور پر اپنا لیے جاتے ہیں۔

۸۔ کسی علاقے یا ملک کی جغرافیائی کیفیت، باشندوں کی ذہنی اور جسمانی خصوصیات، سیاسی حالت، اقتصادی حالت، تہذیبی اثرات وغیرہ بھی مختلف رسوم کی پیدائش اور ارتقاء کا سبب بن جاتی ہیں۔

# ﴿ باب دوم ﴾

## آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کی رسُومات

# فصل اوّل: تعارف۔ میروا زاد میر

## مبحث اوّل: کشمیر

ریاست جموں و کشمیر کو برصغیر پاک و ہند اور تاریخ عالم میں ایک اہم مقام حاصل ہے کہ اس کی تاریخ تقریباً ڈھائی ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کی معلوم و مرقوم ہے۔ایک انگریزی مصنف پیرس جیروس لکھتا ہے:

''اس بات نے دوسرے مطالعہ کرنے والوں کی طرح مجھے بھی متعجب کیا ہے کہ کشمیر کے ماضی کے متعلق جو معلومات موجود ہیں، ریاست کی جس میں جموں و کشمیر دونوں شامل ہیں تاریخ گزشتہ کی تحریروں، دستاویزات اور دیگر ذرائع کا تقریباً ایک مکمل اور مربوط سلسلہ موجود ہے۔ برصغیر پاک و ہند کا کوئی حصہ اس کا دعویٰ نہیں کر سکتا''[1]

والٹرلارنس کہتا ہے:

''اس بات کا واضح ثبوت موجود ہے کہ کشمیر اس وقت سے ایک با قاعدہ مملکت رہی ہے جب سے تاریخ لکھنے کا رواج ہوا''[2]

### سرزمین کشمیر:

سرزمین کشمیر کئی زمینی تبدیلیوں کے عمل سے گزرتے ہوئے موجودہ شکل تک پہنچی ہے۔جیسا کہ جی ایم میر لکھتے ہیں:

''ماہرینِ ارضیات کی تحقیق کے مطابق آج سے دس کروڑ سال قبل کشمیر کی سرزمین معرضِ وجود میں آئی۔ اس سے قبل یہ سارا علاقہ سمندر پر مشتمل تھا۔لاکھوں سال تک جغرافیائی تبدیلیاں رُونما ہوتی رہیں جن کے باعث کوہ قراقرم اور ہمالیہ کی چوٹیاں نمودار ہوئیں۔ان تبدیلیوں کے تسلسل سے کئی گھاٹیاں اور وادیاں بھی ظہور پذیر ہوئیں''[3]

### کشمیر کی وجہ تسمیہ:

کشمیر ہمیشہ دیومالائی کہانیوں کا محور و مرکز رہا ہے۔لفظ کشمیر کی کوئی حتمی تعریف نہیں کی جا سکتی۔ اس سلسلے میں مختلف مورخین و محققین نے بہت سی روایات اور توجیحات بیان کی ہیں۔

پنڈت کلہن ''راج ترنگنی'' میں لفظ کشمیر کی تعریف کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ زمانہ قدیم میں یہ خطہ زمین جو کہ ہمالیہ کے دامن میں واقع ہے یہ سارا پانی میں ڈوبا ہوا تھا اور یہاں ایک گہری جھیل واقع تھی جسے ستی سر جھیل کہا جاتا تھا اس جھیل میں ایک دیو چھپا رہتا تھا۔ جس کا نام ''جلودبھو'' تھا۔وہ جھیل سے نکل کر اس کے کناروں پر رہنے والے انسانوں کو نہ صرف تنگ کرتا تھا بلکہ انہیں کھا جاتا تھا۔ اس دیو نے انسانوں کی زندگی اجیرن بنا رکھی تھی۔ جب لوگ اس آدم خور دیو سے حد درجہ تنگ آ گئے تو منو دیوسوت کے عہد میں ایک روحانی قوت کی حامل شخصیت ''کشپ رشی'' اس خطے میں تشریف لائے تو لوگوں نے ان کے حضور پیش ہو کر اس ظالم دیو کے ظلم کی شکایت کی اور

---

۱۔ نصرت (کشمیر نمبر) ۱۹۶۰ء، ص: ۵۹

۲۔ والٹرلارنس، ویلی آف کشمیر، (میرپور: ویری ناگ پبلشرز، ۱۹۹۱ء) ص: ۱۷۹

۳۔ جی ایم میر، جموں و کشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں، (میرپور: ممتاز احمد ہاشمی، مکتبہ رضوان، ط، پنجم، نومبر ۲۰۰۱ء) ص: ۹

کے مظالم سے نجات دلانے کی فریاد کی۔ چنانچہ کشپ رشی نے برہما، وشنو اور شیو کی مدد سے روحانی عمل کے ذریعے کشمیر ... دیا۔ جلودبھو باہر آیا تو اسے پہاڑ کے نیچے دبا کر ہلاک کر دیا گیا۔ جھیل کی تہہ سے ایک ہموار وادی سامنے ... جو کشپ میر ...

اس روایت کے مطابق کشمیر کا قدیم نام کشپ میر تھا جو مستعمل ہوتے ہوتے کشمیر کہلانے لگا۔ **محمد الدین فوق** کشمیر ... کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

''بعض مورخوں کا قول ہے کہ کشف ایک دیو تھا جو حضرت سلیمان علیہ السلام کے زمانہ میں گزرا ہے۔ جب ... سیر و سیاحت (حضرت) سلیمان علیہ السلام ستی سر پہنچے تو یہاں کی خوشگوار اور پُر فضا آب و ہوا سے محظوظ ... یہیں ٹھہر گئے اور یہاں آبادی قائم کرنے کے خیال میں مختلف تجاویز سوچنے لگے۔ اسی اثنا میں آبادی قائم ... سے قبل انہوں نے ستی سر کا پانی خشک کرنے کا ارادہ کیا۔ کشف دیو کو اس کام پر مامور کیا جس نے بارہ ... پہاڑ کاٹ کر موجودہ وادی کشمیر کی بنیاد قائم کر دی'' [۲]

**سلیم خان گیمی** لکھتے ہیں:

''پراکرت میں 'کس' (پنجابی کسی) نالہ کو اور 'میر' پہاڑ کو کہتے ہیں۔ چونکہ کشمیر پہاڑوں، نالوں کا علاقہ ہے ... کا مرکب لفظ اس لیے استعمال کیا گیا ہے...... کشمیر عبرانی زبان کا مرکب لفظ ہے جب بنی اسرائیل کے ... فلسطین پر بخت نصر کے حملہ کے بعد منتشر ہو کر اس علاقے میں آئے تو انہوں نے اس وادی کو شام کی طرح ... 'ک' عربی اور عبرانی دونوں زبانوں میں مثل کے معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔ اس طرح کشمیر کے مرکب لفظ ... مطلب سریا یا شام کی طرح کا ملک ہے'' [۳]

**وکٹوریہ شوفیلڈ** نے کشمیر کا تعلق ہندو متھ سے جوڑا ہے وہ تحریر کرتی ہے:

Early Hindu legend describes how the valley of Kashmir was once a vast expand of water called sati saras or lake of sati. In the lake lived Jalodbhava, whom the lord brahma has blessed with indestructibility under water. He became cruel and terrorized the nagas who guarded the lake. On appealing brahma pierced mountain with a discos. Kashyap then settled in the valley which is named after him; Kashyapmer" [۴]

(ابتدائی ہندو ماہرین بیان کرتے ہیں کہ کشمیر کی وادی ایک وسیع پانی کا پھیلاؤ تھی جسے ستی سار یا ستی کی جھیل ... اس میں جلودبھوا رہتا تھا جسے آقا برہما نے زیرِ آب تباہی کے برخلاف انعام کیا ہوا تھا۔ وہ ظالم ہو گیا اور جھیل کی رکھوالی کرنے ... دہشت زدہ کرنے لگا۔ التجا پر آقا برہما نے چوٹیوں کے سوراخ کیے، تب کشیاپ وادی میں رہنے لگا جس کے بعد اس کا نام ...)

کشمیر کا نام قبائل سے بھی جوڑا جاتا ہے اس نظریہ کے بارے میں **گیمی** یوں رقمطراز ہیں:

''کاش ایک تورانی قبیلہ ہے۔ وہ کشمیر کے پہاڑوں میں رہتا تھا۔ اس کے حوالے سے پنجاب کے شمالی پہاڑ ... مشتمل علاقہ کو کشمیر کا نام دیا گیا ہے۔ اس علاقے میں پشاچ اور پاکش رہتے تھے۔ وہ موسم ... کشمیر ...

---

۱۔ پنڈت کلہن، راج ترنگنی، (مترجم) ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (میر پور: ویری ناگ پبلشرز) ج ۱، ص: ۸

۲۔ فوق، محمد الدین، مکمل تاریخ کشمیر، (لاہور: مشتاق بک کارنر، س۔ن) ص: ۴۲

۳۔ گیمی، سلیم خان، اقبال اور کشمیر، (لاہور: یونیورسل بکس، طاول، ۱۹۸۵ء) ص: ۱۳

Victoria Schofield, Kashmir (in the cross fire), London:1.B Tauris & Co. 1996), P:1

اور موسم گرما میں کشمیر برہمنوں کے لیے خالی کر کے تبت کی طرف چلے جاتے۔ ان کو یہاں کے اصل باشندے تصور کیا جاتا تھا''۔[۱]

**سید محمود آزاد** مندرجہ بالا نظریات کے بارے میں کہتے ہیں:

''لفظ کشمیر اور اس کی ترکیب اور پھر اس کا پس منظر ایک ایسا لسانی مسئلہ ہے جس پر ماہرین لسانیات بھی کوئی قطعی رائے قائم نہیں کر سکتے۔ ہمارے پاس لے دے کے ایک لفظ ''مر'' ہے اگر یہ کسی ایسے مقام کے لیے سنسکرت میں بولا جاتا ہے جس سے آبادی کے معنی برآمد ہوتے ہیں تو اس کے پیش نظر کھش مر یعنی کھشوں کا ملک یا کاش مر کاش لوگوں کا ملک یا وادی ہو سکتا ہے''۔[۲]

## کشمیر کا محلِ وقوع:

ریاست جموں و کشمیر برصغیر پاک و ہند کے انتہائی شمال میں اور جنوبی ایشیا کے عین وسط میں واقع ہے۔ اسی لیے اسے ایشیا کا دل بھی کہا جاتا ہے۔ کوہ ہمالیہ کے پہاڑی سلسلوں کے انتہائی مغرب میں واقع یہ حسین خطہ ایشیا کی پانچ طاقتوں کے درمیان واقع ہے۔ ان میں دو بڑی طاقتیں چین اور رُوس ہیں۔ شمال اور مشرق کی جانب سے تقریباً چار سو میل سرحد پاکستان سے ملتی ہے۔ ۲۰ میل کی ایک تنگ پٹی افغانستان سے ملتی ہے اور واخان کی یہی تنگ پٹی کشمیر کو تاجکستان سے جُدا کرتی ہے۔ بھارت کے ساتھ ساڑھے تین سو میل سرحد ہے۔ مگر زیادہ تر ناقابلِ عبور پہاڑوں پر مشتمل ہے۔ صرف پنجاب کی طرف سے قابلِ عبور راستہ ملتا ہے۔[۳]

ریاست کے محلِ وقوع کے بارے میں **منیر احمد بخاری** تحریر کرتے ہیں:

''ریاست کے مشرق میں چینی تبت، مغرب میں پاکستان، شمال میں چین، رُوس اور جنوب میں کچھ حصہ پاکستان اور مختصر سا حصہ بھارت واقع ہے''۔[۴]

## کشمیر کا رقبہ اور آبادی:

ریاست کے رقبے اور آبادی کے بارے میں بشیر احمد قریشی یُوں رقمطراز ہیں:

''جموں و کشمیر کا کُل رقبہ چوراسی ہزار چار صد اکہتر مربع میل ہے۔ ۱۹۴۱ء کی مردم شماری کے مطابق کل آبادی چالیس لاکھ بائیس ہزار، جس میں بتیس لاکھ مسلمان جبکہ آٹھ لاکھ غیر مسلم تھے''۔[۵]

کشمیر کی آبادی کے سلسلہ میں محمد سعید اسعد یُوں رقمطراز ہیں:

ریاست جموں و کشمیر میں پہلی مردم شماری ۱۹۱۱ء میں ہوئی۔ بعد ازاں ۱۹۴۱ء تک ہر دس سال بعد مردم شماری ہوتی رہی۔ اس کے مطابق آبادی کا تناسب حسبِ ذیل رہا:

| | | | | |
|---|---|---|---|---|
| سال: | ۱۹۱۱ء | ۱۹۲۱ء | ۱۹۳۱ء | ۱۹۴۱ء |
| آبادی: | ۳۱,۶۱,۳۳۴ | ۳۳,۸۰,۴۱۹ | ۳۶,۳۵,۶۲۵ | ۴۰,۲۱,۶۱۶ |

---

۱۔ گیمی، سلیم خان، اقبال اور کشمیر، ص:۱۶

۲۔ محمود آزاد، سیّد، تاریخ کشمیر، (مظفر آباد: سیادت پبلی کیشنز، ط، دوم، جنوری ۱۹۹۰ء) ص:۴۹

۳۔ ایم۔ اے خان، پروفیسر، کشمیر تاریخ کے آئینہ میں (میرپور: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، بار سوم اپریل ۲۰۰۷ء) ص:

۴۔ بخاری، منیر احمد، کشمیر حقائق کے آئینہ میں، (لاہور: احباب پبلشرز، بار اوّل، ۱۹۹۸ء) ص:۳۱

۵۔ قریشی، بشیر احمد، قائدِ کشمیر (پرنٹنگ کارپوریشن آف فرنٹیئر، بار چہارم ۱۹۹۴ء) ص:۳

۱۹۴۷ء میں ریاست جموں وکشمیر کی جبری تقسیم کے سبب مجموعی طور پر مردم شماری ممکن نہ رہی، آزاد کشمیر، بھارتی مقبوضہ کشمیر، مہاجرین جموں وکشمیر اور باشندگان گلگت بلتستان کی آبادی بڑھتی رہی اور شرح آبادی میں مسلسل اضافہ ہوتا رہا لیکن اس کے صحیح اعداد و شمار جمع نہ ہو سکے ایک محتاط تخمینے کے مطابق اس وقت ریاست جموں وکشمیر کی کل آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ ہے جس کی تفصیل ذیل ہے:

| | | | |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | ہندوستانی مقبوضہ کشمیر | ...... | ۱ کروڑ |
| ۲۔ | آزاد کشمیر | ...... | ۳۵ لاکھ |
| ۳۔ | گلگت بلتستان | ...... | ۱۴ لاکھ |
| ۴۔ | مہاجرین مقیم پاکستان | ...... | ۱۶ لاکھ |
| ۵۔ | بیرونِ ملک آباد کشمیری | ...... | ۱۵ لاکھ |

کُل آبادی ۱،۸۰،۰۰۰،۰۰ (ایک کروڑ اسی لاکھ) بلحاظ آبادی، ریاست جموں وکشمیر دنیا کی ۱۳۲ ممالک سے بڑی ہے۔[۱]

پرویز دیوان نے وادی کشمیر کا رقبہ اور آبادی کی تفصیل رقم کرتے ہوئے تحریر کیا ہے:

"77% of the people were Mulsim, 20% were Hindus, 2% Sikh and 1% Budhists. Kashmir had an area of 8539 square miles and its population was 1.7 million in 1941. Jammu had an area of 12401 sq. miles and its population was 2 million. The area of Ladakh was 63554 sq. miles and its population was .3 million"[۲]

([کشمیر میں] ۷۷ فیصد مسلمان، ۲۰ فیصد ہندو، ۰۲ فیصد سکھ اور ۰۱ فیصد بدھ مت کے پیروکار بستے ہیں۔ کشمیر کا رقبہ ۸۵۳۹ مربع میل ہے اور ۱۹۴۱ء میں اس کی آبادی ۱.۷ ملین تھی۔ جموں کا رقبہ ۱۲۴۰۱ مربع میل اور اس کی آبادی ۰۲ ملین تھی۔ لداخ کا رقبہ ۶۳۵۵۴ مربع میل اور اس کی آبادی ۰.۳ ملین تھی)

## ریاست جموں وکشمیر کا سیاسی و تاریخی پس منظر:

جیسا کہ پہلے ذکر کیا جا چکا کہ تاریخ کشمیر تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کی معلوم و مرقوم ہے۔ چنانچہ تاریخ کشمیر اُس وقت سے آج تک مختلف ادوار میں منقسم ہے۔ ذیل میں اُن ادوار کا مختصر تذکرہ کیا جا رہا ہے۔

### پہلا دور:

اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے لے کر ۱۳۲۴ء تک کا دور ہندوؤں راجاؤں کا دور ہے۔ اس دوران اِن راجگان کے اکیس (۲۱) خاندانوں نے کشمیر پر حکومت کی ہے جن میں اٹھارہ (۱۸) خاندان مقامی کشمیری تھے۔[۳]

---

۱۔ اسعد، محمد سعید، جموں وکشمیر بک آف نالج (میر پور: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، بار نہم، ۹ اپریل ۲۰۰۹ء)، ص: ۱۰

2. Parvez Dewan, Kashmir, (New Delhi:Manas Publications, Edition 2004), PP:353-354

۳۔ ایم۔ اے خان، پروفیسر، کشمیر تاریخ کے آئینہ میں، ص: ۲۶

محمد الدین فوق ان راجاؤں کی عرصہ حکمرانی کے بارے میں لکھتے ہیں کہ ہندو راجاؤں نے کل ... تک حکومت کی ہے [1]

جبکہ پروفیسر عارف خان نے اپنی کتاب میں ان کا عرصہ حکومت ۱۳۲۰ء تک لکھا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں:

''اُن راجاؤں کی حکومت کسی نہ کسی شکل میں ۱۳۲۰ء تک رہی اس دور میں کم وبیش کشمیر ایک آزاد اور خود مختار ریاست رہی ہے۔ انہی حکمرانوں میں ایک راجہ للتا دتہ تھا جو کشمیر کے حکمران کی حیثیت سے ساری دُنیا فتح کرنے نکلا تھا'' [2]

ان راجگاؤں کے دور میں کشمیر کم وبیش دنیا کی ایک آزاد اور خود مختار مملکت رہی ہے اور یہ مملکت انتہائی طاقت ور سمجھی جاتی تھی۔ محمد اسداللہ قریشی **''آئینہ کشمیر''** میں یوں رقمطراز ہیں:

''دُنیا کی تاریخ زمانوں کے اُتار چڑھاؤ اور قوموں کے عروج وزوال کی داستانوں سے بھری پڑی ہے۔ آج ایک قوم غالب ہے تو کل وہی قوم مغلوب ہو جاتی ہے۔ پس اگر آج کشمیر محکوم ہے تو اس کے معنی یہ نہیں کہ وہ ہمیشہ سے ہی محکوم تھا، بلکہ اپنی آزادی کے زمانے میں وہ دنیا میں نہ صرف ذہین اور صناع ملک تھا بلکہ بہادر اور شجاع ملک بھی تھا۔ اس کی فوجیں جب کشمیر سے باہر نکلتی تھیں تو ہمسایہ ملکوں پر لرزہ طاری ہو جاتا تھا۔ ہمسایہ ملکوں کی فوجیں جب حملہ آوروں کے مقابلہ میں ناکام ہو جاتیں تو پھر کشمیر سے فوجی امداد لی جاتی اور کشمیر کی فوجیں حملہ آوروں کو مار بھگاتیں'' [3]

قدیم تاریخوں سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ مملکت کشمیر کی سرحدیں وقت کے ساتھ پھیلتی اور سمٹتی رہی ہیں۔ مگر زیادہ عرصہ کشمیر کی سرحدیں آج کے کشمیر سے بہت وسیع رہی ہیں، یہاں تک کہ سارا ہندوستان و پاکستان، تبت، کابل، سمرقند و بخارا اس مملکت کا حصہ رہے ہیں سندھ کے **راجہ داہر** نے ایک خط میں **محمد بن قاسم** کو لکھا کہ:

''اگر میں تمہارے مقابلے کے لیے راجہ کشمیر کو لکھتا، جس کے آستانے پر ہندوستان کے تمام راجے اپنا سر جھکاتے ہیں اور جس کے زیر نگیں نہ صرف ہندوستان ہے، بلکہ کلران وتوران کے علاقے بھی اُن کے باجگذار ہیں، جس کی غلامی کا چوغا بڑے بڑے امیروں اور سرداروں نے از خود پہن رکھا ہے اور جس کے خلاف کسی کو دم مارنے اور سر اُٹھانے کی جرأت نہیں ہوتی'' [4]

**دوسرا دور:**

راجگان ہنود کا آخری حکمران راجہ سہد یو تھا۔ اس کا دورِ حکومت اس خاندان کی حکومت کا آخری دور تھا۔ اس کے بعد مسلم حکمرانوں کا دور شروع ہو جاتا ہے مسلم سلاطین پھر ایک عرصہ تک کشمیر پر حکومت کرتے رہے اور اس دور کا زیادہ عرصہ کشمیر ایک آزاد اور خود مختار مملکت رہی چنانچہ **پروفیسر محمد عارف خان** رقمطراز ہیں:

''۱۳۲۰ء میں ایک راجا رنچن شاہ اسلام لے آیا۔ پھر کشمیر میں اسلام تیزی سے پھیلنے لگا اور بہت جلد ایک مضبوط ریاست بن گئی۔ بحیثیت مجموعی کشمیر پر مسلمانوں کا اقتدار ۴۷۹ سال تک رہا۔ اس عرصہ میں ۲۴۰ سال تک کشمیر دنیا

---

۱۔ فوق، محمد دین، مکمل تاریخ کشمیر، ج:۱، ص: ۳۲

۲۔ عارف خان، محمد، پروفیسر، کشمیر انقلابی فکر کی روشنی میں، (میرپور: فاروق اسیر، لالہ زار بک سیلرز اینڈ پبلشرز، بار اوّل ۱۹۹۲ء) ص: ...

۳۔ قریشی، اسداللہ، محمد، آئینہ کشمیر، ص: ۱۷۰

۴۔ ایضاً، ص: ۱۶۰

فتح کرنے کے ارادے سے نکلا، کشمیر کی سرحدوں کو سندھ اور بلوچستان کے ساحلوں تک اور مغرب میں کابل اور کاشغر تک لے گیا'' [۱]

### تیسرا دور:

مسلم سلاطین کے بعد کشمیر پر مغلوں نے حکومت کی ان کا دورِ حکومت ۱۵۷۹ء سے ۱۷۵۲ء تک شمار کیا جاتا ہے۔ کشمیر پر مغلوں کے قبضہ کے بعد کشمیر کی ایک آزاد اور خودمختار مملکت کی حیثیت ختم ہوگئی۔ چنانچہ پروفیسر عارف خان کے الفاظ میں:

''کشمیر کی آزاد خودمختار حیثیت ختم کرنے والا مغل حکمران اکبر ہے جس نے ۱۵۷۹ء میں کشمیر کو فتح کیا اور یہی وہ بد نصیب موقع تھا جب کشمیری پہلی بار غلام ہوئے اور اس غلامی نے اتنا طول پکڑا کہ آج کے جدید دور میں بھی کشمیری غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں'' [۲]

### چوتھا دور:

چوتھا دور افغانوں کا دور کہلاتا ہے۔ مغلوں کے زوال کے بعد کشمیر پر افغانوں نے قبضہ کرلیا اُن کا دورِ حکومت ۱۷۵۲ء تا ۱۸۱۹ء ہے۔ ان کے دورِ حکومت میں کشمیر میں معاشی، سیاسی، معاشرتی اور مذہبی حالت دن بدن بدتر ہوتی چلی گئی [۳]

### پانچواں دور:

پانچواں دور سکھوں کا ہے۔ چنانچہ ۱۸۱۹ء میں افغانوں سے کشمیر سکھوں نے چھین لیا اس دور میں کشمیریوں پر بے تحاشا مظالم ڈھائے گئے۔ یہ دور ۱۸۱۹ء سے ۱۸۴۶ء تک رہا [۴]

### چھٹا دور:

جموں کے مہاراجہ گلاب سنگھ کو ریاست جموں وکشمیر ۱۸۴۶ء تاریخی معاہدہ ''امرتسر'' کے تحت ملی۔ ڈوگرہ عہد کا آغاز اسی مہاراجہ گلاب سنگھ سے ہوا۔ اس کے دور میں کشمیریوں پر ظلم کی انتہا کردی گئی۔ اس کے بعد مختلف مہاراجے تخت نشین رہے۔ ۱۹۳۱ء میں کشمیریوں کی طرف سے ایک زبردست تحریک چلائی گئی اور یہ تحریک کسی نہ کسی شکل میں جاری رہی تا آنکہ جب انگریز نے اپنی بساط برصغیر سے لپیٹ لی تو ڈوگرہ عہد کا خاتمہ ہوگیا مگر خطہ کشمیر پر چھائی ہوئی غلامی کی سیاہ رات ابھی تک نہیں ڈھلی [۵]

### ریاست جموں وکشمیر کا مذہبی پس منظر:

مذہبی واعتقادی لحاظ سے اسلام سے قبل دور بت پرستی، توہمات اور دیو مالائی داستانوں کے گہرے سائے تھے جس میں ہر شخص حقیقی مقاصد سے بے نیاز ایک تاریک دنیا میں سرگرداں نظر آتا تھا۔ اس زمانے کی نامعقولیت کا اس بات سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کشمیر کے بعض راجے سنگ ریزوں کو پہاڑوں کے بچے سمجھ کران پر دودھ چھڑکا کرتے تھے تاکہ جلد جوان ہوکر پہاڑ بن جائیں [۶]

---

۱۔ عارف خان، محمد، پروفیسر، کشمیر انقلابی فکر کی روشنی میں، ص: ۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ایم۔اے خان، پروفیسر، کشمیر تاریخ کے آئینہ میں، ص: ۳۲

۴۔ ایضاً ص: ۳۳

۵۔ ایم۔اے خان، پروفیسر، کشمیر تاریخ کے آئینہ میں، ص: ۳۴

۶۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر، ج: ۱، ص: ۲۶۷

رقمطراز ہیں :

''اسلام کی اشاعت سے پہلے کشمیر میں ناگ مت، ہندومت اور شیومت کے مذہبی اور روحانی افکار وتصورات مروج تھے۔ ناگ مت میں مظاہر فطرت کی عبادت کی جاتی تھی۔ برہمن مت تشدد اور معاشرتی تفریق کا مظہر تھا.......... پنڈت ایک طرح سے پرماتما اور عوام کے درمیان واسطہ بن گئے تھے اور آخر کار خود پرماتما بن بیٹھے ...... بدھ مت کے مذہبی افکار اور تصورات نے برہمن مت کے تشدد کو کسی حد تک ختم کیا مگر بدھ مت مذہب کم اور فلسفہ زیادہ تھا اور یہ فلسفہ بھی منفی، غیر واضح اور پیچیدہ تھا''[۱]

## کشمیر میں اسلام کی آمد:

اکثر مورخین کا خیال ہے کہ سرزمین کشمیر میں قدم رکھنے والا شخص صمیم بن سامہ قاضی تھا۔مگر قرائن سے ثابت ہو چکا ہے کہ یہاں پر خلفائے راشدین کے دور سے ہی مسلمانوں کی آمد و رفت کا سلسلہ شروع ہو گیا تھا جیسا کہ سیّد محمود آزاد بغداد میں تمدن اسلام کے حوالے سے لکھتے ہیں کہ :

''خلفائے راشدین کے زمانے ہی سے عرب تاجروں نے دنیا کے کونے کونے سے تجارت شروع کر دی تھی۔ ہندوستان سے برتن، خراساں سے لوہا، کرمان سے سیسہ اور کشمیر سے رنگین کپڑے لاتے تھے''[۲]

اگر عرب تاجر خلفائے راشدین کے زمانے سے ہی کشمیر میں وارد ہوئے ہوں تو مقامی آبادی کو اسلام سے رُوشناس کرایا ہوگا اور بہت سے لوگوں کو مسلمان کیا ہوگا۔ صمیم بن سامہ سے پہلے کشمیر میں اسلام کے وارد ہونے کی تائید پنڈت کلہن کی راج ترنگنی سے ہوتی ہے وہ لکھتا ہے کہ :

''صبح کے وقت راجہ گلشن دیو نے اپنے باپ اننت دیو کے مکان کو جلد دیا اننت دیو کی رانی کو ایک جواہرات کا بنا ہوا لنگ ملا جو آگ سے بچ گیا تھا۔ رانی نے اس کو تاک خاندان کے مسلمان سوداگر کے ہاتھوں ۷۰ لاکھ میں فروخت کیا''[۳]

گویا کہ تاک خاندان میں مسلمان سوداگر کا ہونا اس چیز کی دلیل ہے کہ صمیم بن سامہ جو محمد بن قاسم سے دو سال پہلے آیا تھا سعید بن اسلم گورنر مکران کے قتل میں ملوث تھا اور راجہ داہر کے ساتھ تھا۔ چنانچہ محمد بن قاسم نے جب راجہ داہر کو شکست دے کر قتل کیا تو صمیم بن سامہ راجہ داہر کے بیٹے جے سنگھ کے ہمراہ الکیراج (نزد جالندھر) چلا گیا پھر وہاں سے سری نگر کے قریب ایک مقام پر چلا گیا اور کچھ عرصہ وہاں ہی قیام کیا۔ جے سنگھ نے صمیم کی ترغیب پر اسلام قبول کیا اور ایک روایت کے مطابق مزید ۱۸ مسلمان بھی کشمیر میں اقامت پذیر ہو چکے تھے۔ جن کا امیر صمیم بن سامہ تھا اور یہ گروہ اشاعت اسلام میں سرگرم رہا[۴]

خلفائے راشدین کے عہد سے ۷۰۴ھ تک اگرچہ مسلمان وقتاً فوقتاً کشمیر میں آتے رہے جس میں سے بعض نے یہاں مستقل سکونت اختیار کی لیکن اسلام کو اشاعت عامہ حاصل نہ ہوئی۔ البتہ تیرہویں صدی کے تیسرے عشرے میں کشمیر کے راجہ رنچن شاہ کے حلقہ بگوش اسلام ہونے سے یہاں اسلام کو مقبولیت عامہ حاصل ہوئی۔

---

۱۔ کیمی، سلیم خان، کشمیر میں اشاعت اسلام، ص:۹

۲۔ محمود آزاد، سیّد، تاریخ، تاریخ کشمیر، ج:۱، ص:۱۷۱

۳۔ پنڈت کلہن، راج ترنگنی، ص:۲۳۷

۴۔ کیمی، سلیم خان، کشمیر میں اشاعت اسلام، ص:۲۶، ۲۷

''رنچن شاہ نے آپ یعنی عبدالرحمٰن عرف بلبل شاہ کے ہاتھ پر اسلام قبول کرلیا۔ اس کی مطابقت میں راون چند اور دیگر امراء وعوام نے بھی آپ کے ہاتھوں اسلام قبول کیا۔ آپ نے رنچن شاہ کا نام تبدیل کر کے صدرالدین رکھا۔ آپ کے ہاتھ پر دس ہزار غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا''۔[۱]

کشمیر میں اسلام کو استحکام شاہ ہمدان کے کشمیر میں وارد ہونے سے شروع ہوتا ہے۔ یہ کشمیر میں سب سے اہم اور ... دور ہے۔ اس دور میں کشمیر کو اسلامی تہذیب کا گہوارہ بنانے کی ٹھوس بنیاد رکھی گئی۔ شاہ ہمدان نے کشمیر میں اسلام کی اشاعت اور ترقی کے لیے منصوبہ بندی کی۔

## ثقافت اور رسم ورواج:

کسی بھی معاشرے میں طرح طرح کے رسم ورواج کی پیدائش اور کسی ملک کے مختلف علاقوں میں مختلف اور متصادم رسم ورواج کی مقبولیت کے جتنے بھی اسباب ہوسکتے ہیں وہ سب تقریباً اس خطہ میں موجود ہیں۔ مختلف ممالک سے جو مسلمان یہاں آئے وہ مذہبی رسموں کے علاوہ اپنے ملکی رسم ورواج پر بھی عمل پیرا تھے اور یہاں آنے کے بعد وہ رفتہ رفتہ کچھ مقامی رسم ورواج بھی اختیار کرنے لگے۔ اس طرح کشمیر کے لوگوں پر ہندوستان کے رسم ورواج کا بھی بہت زیادہ اثر ہے۔ اگر چہ کشمیر ہندوستان کے علاوہ باقی ممالک کا بھی پڑوسی رہا لیکن اس کا سب سے زیادہ تعلق ہندوستان سے رہا ہے اور وہاں کی تہذیب وثقافت سے بہت زیادہ اثر لیا ہے جیسا کہ راجہ محمد زبیر بھٹی اس بارے میں رقمطراز ہیں:

''جموں وکشمیر کی تاریخ میں ہندوستان کی تاریخ شامل کیے بغیر یہ نامکمل اور ادھوری رہتی ہے اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ کشمیر کے لوگ ہندوستان میں ہونے والی ہر قسم کی تبدیلیوں سے براہِ راست متاثر ہوتے رہتے تھے۔ ہندوستان میں ہونے والی سیاسی، سماجی اور معاشی تبدیلیوں کا اثر براہِ راست جموں وکشمیر کے معاملات پر پڑتا تھا۔ جموں وکشمیر اگر چہ ہندوستان کے علاوہ چین، تاجکستان اور افغانستان سے براہِ راست ملحق تھا اور روس کا بھی پڑوسی تھا لیکن اس کا سب سے زیادہ قریبی تعلق ہندوستان سے رہا...... ہندوستان کے مذاہب کشمیریوں پر اثر انداز رہے ہیں ہندوستان میں ہندو مذہب تھا تو جموں وکشمیر میں بھی ہندومت نے زور پکڑا ہندوستان میں بدھ مت آیا تو کشمیریوں نے بھی بدھ مت کا دامن تھاما۔ وہاں سے بدھ مت کا خاتمہ ہوا تو یہاں بھی بدھ مت کی بجائے پھر سے ہندو مذہب اپنا لیا گیا ہندوستان میں اسلام نے غلبہ حاصل کیا تو جموں وکشمیر کی اکثریت بھی مسلمان ہوگئی۔ جموں وکشمیر اور ہندوستان کی تہذیب وثقافت میں بھی گہرا رابطہ رہا''۔[۲]

فتح سندھ کے بعد ہندو عورتوں سے شادی کے باعث بھی بہت سی ہندوانہ رسوم مسلمانوں میں پھیل گئیں۔ ڈاکٹر تمیم جاہی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''ہندو عورتوں کے ساتھ شادی بیاہ محمد بن قاسم کے فتح سندھ کے بعد ہی شروع ہوگیا تھا۔ اس لیے کہ مؤخر الذکر کی فوج کے ساتھ مسلمان عورتیں نہیں آئی تھیں۔ ہندوستان میں عربوں، ترکوں، ایرانیوں اور افغانوں کا ہندوستان

---

۱۔ فوق، محمد دین، تاریخ کشمیر، ج:۲، ص:۵

۲۔ بھٹی، محمد زبیر، راجہ، بیسویں صدی کا کشمیر، (لاہور: زاہد نوید پرنٹرز، اکتوبر ۲۰۰۵ء)، ص:۲۸

طبقے میں رائج تھیں۔ ہندو بیویوں اور ہندو داشتاؤں کے ذریعہ ہندوانہ رسم و رواج رفتہ رفتہ ہندوستانی اسلام میں نفوذ کر گئے اور اسلام خود ان عورتوں کے کنبوں میں داخل ہو گیا"۔[1]

۱۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، (مترجم: ڈاکٹر جمیل جالبی)، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰ء) ص: ۲۰

## بحث دوم: ازاد میر

### آزاد ریاست جموں و کشمیر کا پس منظر:

۱۹۴۷ء میں برِصغیر جنوبی ایشیا کی تقسیم کے اصولوں کی بنیاد پر پوری ریاست جموں وکشمیر کو لازماً پاکستان میں شامل ہونا چاہیے تھا کیونکہ کشمیر کی غالب اکثریت مسلمانوں پر مشتمل تھی جن کے پاکستانی مسلمانوں کے ساتھ دینی، تہذیبی اور معاشرتی ہم آہنگی کے علاوہ خونی رشتے بھی تھے۔ یہ تمام چیزیں کشمیر اور پاکستان کو لازم و ملزوم بناتی ہیں لیکن انگریزوں و ہندوؤں کی عیاری، ملی بھگت سے اور بعض مسلمان زعما کی سادگی کی بنا پر کشمیر کے ڈوگرہ حکمران ہری سنگھ نے تقسیمِ برِصغیر کے تمام اصولوں کے برعکس سازش کے ذریعہ بھارتی غاصبانہ تسلط کی راہیں ہموار کردیں۔ لیکن ۱۹۴۷ء میں ہی کشمیر کے بہادر مجاہدوں اور غازیوں نے بذریعہ جہاد ریاست کے ایک تہائی حصہ کو بھارتی تسلط سے آزاد کرالیا اور اگر ۱۹۴۸ء میں بھارت اور اقوامِ متحدہ کی طرف سے آزادانہ رائے شماری کی یقین دہانی پر جنگ بند نہ کرائی جاتی تو ریاست کشمیر کا بقیہ دو تہائی حصہ یا اس کا بیشتر حصہ مجاہدین نے آزاد کرالیا ہوتا۔ ریاست کے بقیہ دو تہائی حصہ پر بھارت آج تک غاصبانہ تسلط قائم کیے ہوئے ہے۔ جدو جہد آزادی جاری ہے۔ ریاست کا جو حصہ جہاد کے ذریعہ آزاد کروایا گیا تھا اسے آزاد ریاست جموں وکشمیر اور بھارتی تسلط والے علاقے کو مقبوضہ کشمیر کہتے ہیں۔

### آزاد کشمیر کی آئینی حیثیت:

موجودہ حیثیت میں آزاد کشمیر نہ تو ایک علیحدہ خود مختار مملکت ہے، نہ آئینی طور پر پاکستان کا حصہ ہے اور نہ ہی اس کا الحاق ہوا ہے۔ جیسا کہ آزاد کشمیر کی علیحدہ ایک حکومت ہے۔ ایک عبوری آئین ہے جس کے تحت صرف ایک صدر ہوتا تھا مگر اب ایک صدر اور ایک وزیر اعظم ہے اور ایک علیحدہ سپریم کورٹ ہے بلکہ نظریاتی کونسل بھی علیحدہ ہے۔ البتہ آزاد کشمیر کی جو دو ڈویژن فوج تھی اس کو سیز فائر کے بعد پاکستانی فوج کا حصہ بنا دیا گیا ہے۔ موجودہ آئین کے تحت ایک کشمیر کونسل بھی ہے جو آزاد کشمیر حکومت اور پاکستان کے مابین آئینی تعلق قائم کیے ہوئے ہے[۱]

### محلِ وقوع و رقبہ:

آزاد کشمیر ۷۵ء۷۳ ڈگری طول بلد اور ۳۶ء۳۳ عرض بلد پر واقع ہے۔ اس کے شمال میں گلگت، جنوب میں پاکستانی صوبہ پنجاب کے اضلاع جہلم و گجرات، مشرق میں بھارتی مقبوضہ کشمیر اور مغرب میں پاکستان کا دارالحکومت اسلام آباد اور صوبہ سرحد واقع ہے۔ آزاد کشمیر کا رقبہ ۴۱۴۴ مربع میل ہے جو پوری ریاست جموں وکشمیر کا اکیسواں حصہ ہے کُل رقبہ کا ۱۳ فیصد زیر کاشت ہے۔ ۲۰ء۴۶ فیصد جنگلات سے ڈھکا ہوا ہے۔ جبکہ ۸۰ء۴۰ فیصد رقبے میں انسانی آبادیاں (دیہات اور شہر) سڑکیں، جھیلیں، نہریں، دریا اور بنجر علاقہ شامل ہے[۲]

### آبادی:

۱۹۹۸ء کی مردم شماری کے مطابق خطہ کی کُل آبادی انتیس لاکھ پندرہ ہزار (۲۹۱۵۰۰۰) تھی جو ۱۹۹۹ء میں انتیس لاکھ بیس

---

۱۔ عبدالقیوم خان، محمد، سردار، کشمیر بنے گا پاکستان، (لاہور: الفوٹیک پبلشرز، بار اول ۱۹۸۵ء)، ص: ۳۷۹، ۳۸۰

۲۔ خضر اقبال راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۴۸

ہزار (۲۹۸۲۰۰) تک پہنچ چکی تھی۔ ایک اندازے کے مطابق اس وقت آزاد ریاست جموں وکشمیر کی آبادی تیس لاکھ سے تجاوز کر چکی ہے۔ ۱۹۹۸ء کے اعداد و شمار کے مطابق ضلعی آبادی کی تفصیل درج ذیل ہے:

ضلع مظفر آباد ۷۲۵،۰۰۰۔ ضلع سدھنوتی ۲۱۴،۰۰۰۔ ضلع باغ ۳۹۵،۰۰۰۔ ضلع پونچھ ۴۰۳،۰۰۰۔ ضلع کوٹلی [illegible]۔ ضلع میر پور ۳۲۳،۰۰۰۔ اور ضلع بھمبر ۲۹۷،۰۰۰۔

ریاست میں افزائشِ آبادی (Population growth) کی شرح ۲٫۷ فیصد اور شرح پیدائش ۲٫۴ فیصد، شرح اموات ... فیصد جبکہ ۱۴۹ افراد فی مربع کلومیٹر آباد ہیں۔ شہروں میں کُل آبادی کا ۲۰ فیصد لوگ رہائش پذیر ہیں جبکہ ۸۰ فیصد لوگ دیہاتوں میں آباد ہیں۔ آزاد کشمیر بھر میں ۱۶۵۰ دیہات آباد ہیں [1]

**آب وہوا:**

خطہ میں سال کے چاروں موسم (گرمی، سردی، بہار، خزاں) پائے جاتے ہیں۔ بلند مقامات پر پست مقامات کی نسبت گرمی کم پڑتی ہے۔ آزاد کشمیر کے اضلاع مظفر آباد، باغ، پونچھ، کوٹلی میں ژالہ باری ہوتی ہے۔ میر پور اور بھمبر میں برف باری نہیں ہوتی۔ البتہ کبھی کبھار اولے پڑتے ہیں۔ میر پور، بھمبر اور کوٹلی میں موسم گرما میں شدید گرمی پڑتی ہے۔ آب وہوا کے لحاظ سے آزاد کشمیر کے کچھ علاقے گرمائی اور کچھ سرمائی ہیں۔ جن مقامات پر شدید سردی پڑتی ہے وہاں کے تعلیمی اداروں میں تعطیلات بھی موسم سرما میں ہوتی ہیں۔ میر پور اور بھمبر کی آب وہوا پنجاب کے اضلاع جہلم اور گجرات سے ملتی ہے۔ خطہ کشمیر (آزاد کشمیر) میں بارش کی سالانہ اوسط ۱۵۰ سینٹی میٹر ہے۔ مختلف مقامات پر سطح سمندر سے بلندی (Elevation from sea) مختلف ہے۔ جنوبی مقامات ۳۶۰ میٹر اور شمالی مقامات ۳۲۲۵ میٹر (زیادہ سے زیادہ) بلند ہیں۔ آزاد کشمیر کی سب سے اونچی چوٹی (سراں والی گلی) ۱۸،۹۰۰ فٹ بلند ہے [2]

**آزاد کشمیر کے اضلاع:**

محمد سعید اسعد آزاد کشمیر کے اضلاع کی تعداد یہ درج کرتے ہیں:

۱۔ ضلع میر پور۔ ۲۔ ضلع باغ۔ ۳۔ ضلع کوٹلی۔ ۴۔ ضلع بھمبر۔ ۵۔ ضلع پونچھ۔
۶۔ ضلع مظفر آباد۔ ۷۔ ضلع حویلی۔ ۸۔ ضلع سدھنوتی۔ ۹۔ ضلع نیلم۔

آزاد کشمیر کے نو اضلاع اور ۲۲ تحصیلیں ہیں [3]

اب آزاد کشمیر کے اضلاع کی تعداد دس ہوگئی ہے۔

**دریا اور جھیلیں:**

دریائے نیلم، جہلم اور پونچھ اور توی آزاد کشمیر کے اہم دریا ہیں جو اس میں بہتے ہیں سب سے بڑی جھیل منگلا ہے۔ جو میر پور میں واقع ہے۔ اس کے علاوہ مظفر آباد سے ۸۰ کلومیٹر اور دواریاں کے قریب رتی گلی جھیل واقع ہے۔ دو چھوٹی چھوٹی جھیلیں ... جھیل (سماہنی، بھمبر) اور بنجوسہ جھیل (راولاکوٹ) بھی آزاد کشمیر کے حسن اور خوبصورتی میں نکھار پیدا کیے ہوئے ہیں [4]

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۴۸
۲۔ ایضاً، ص: ۴۹
۳۔ اسعد، محمد سعید، جموں وکشمیر بک آف نالج، ص: ۳۵
۴۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۴۹

## شرح خواندگی:

آزاد کشمیر میں شرح خواندگی ۵۵ فیصد ہے۔گذشتہ چند برسوں سے اس خطہ کے لوگوں کو تعلیم کی بہترین سہولیات میسر ہیں گاؤں گاؤں میں لڑکوں اور لڑکیوں کے تعلیمی ادارے کُھل چکے ہیں سرکاری تعلیمی ادارہ جات کے علاوہ پرائیویٹ تعلیمی ادارہ جات کا بھی جال بچھ چکا ہے۔ایک اندازے کے مطابق ۹۵ فیصد بچے اور ۷۵ فیصد بچیاں سکول جاتی ہیں۔اعلیٰ تعلیم کی سہولیات بھی حاصل ہو چکی ہیں۔اس مقصد کے لیے یونیورسٹی آف آزاد جموں وکشمیر اور الخیر یونیورسٹی مصروفِ عمل ہیں۔اس وقت خطہ میں لڑکوں اور لڑکیوں کے کل ۶۷ کالج، ۳۸ ہائیر سیکنڈری سکولز، ۴۵۵ ہائی مدارس، ۸۷۰ مڈل مدارس اور ۴۵۰۰ پرائمری مدارس کام کر رہے ہیں[1]

## آزاد کشمیر کے باشندے:

آزاد کشمیر میں مسلمانوں کی آبادی ۹۹٫۸ فیصد ہے اس اعتبار سے یہ مسلم قوم کا خطہ ہے۔اس میں بہت سے قبائل ہیں۔جن میں گوجر، جاٹ راجپوت، کشمیری، سدھن، عباسی اور مغل خاص طور پر مشہور ہیں۔اس خطہ کی قومی زبان اُردو ہے اور علاقائی زبانوں میں کشمیری، پہاڑی، گوجری اور پنجابی بولی جاتی ہیں۔ان سب زبانوں میں قدیم کشمیری ہے اور اسی نسبت سے یہ خطہ کشمیر کہلاتا ہے اور اس تعلّق سے ہم سب کشمیری کہلاتے ہیں۔

اس خطہ کے لوگ بڑے محنتی اور جفاکش ہیں۔یہ اپنی سادگی، بہادری اور مہمان نوازی میں ساری دنیا میں مشہور ہیں۔اس خطہ میں پرانی تہذیب کی بہت سی نشانیاں اور یادگاریں پائی جاتی ہیں۔اس خطہ کا قومی لباس شلوار قمیض ہے۔سرد علاقوں میں کانگڑی کشمیر کا قومی نشان بن گیا ہے۔اب کشمیری بیرونِ ملک چلے گئے ہیں اور وہاں کی ثقافت کو بھی اپنے ساتھ لائے ہیں۔اس لیے اب کانگڑی اور چغے کی جگہ ہیٹر اور عمدہ ملبوسات نے لے لی ہے[2]

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۵۲، ۵۳

۲۔ تشنہ، نذیر احمد، پروفیسر، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۳ء)، ص: ۳۰ تا ۳۲

## خلاصۂ بحث:

١۔ تاریخ کشمیر تقریباً اڑھائی ہزار سال قبل مسیح سے بھی پہلے کی معلوم ومرقوم ہے۔

٢۔ سرزمین کشمیر زمینی تبدیلیوں کے عمل سے گزری ہے۔

٣۔ کشمیر کی وجہ تسمیہ کے حوالے سے مختلف روایات موجود ہیں۔

٤۔ ریاست جموں وکشمیر برِصغیر پاک وہند کے انتہائی شمال میں اور جنوبی ایشیاء کے عین وسط میں واقع ہے۔

٥۔ کشمیر کی موجودہ کُل آبادی ایک کروڑ اسی لاکھ (١٨٠٠٠٠٠٠) ہے بلحاظ آبادی ریاست جموں وکشمیر دنیا کی ٣٢ ممالک سے بڑی ہے۔

٦۔ کشمیر کی تاریخ کو چھ ادوار میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔

٧۔ کشمیر میں اسلام کو مقبولیت ''راجہ رنچن شاہ'' کے قبولِ اسلام کے بعد حاصل ہوئی۔

٨۔ ١٩٤٧ء میں کشمیر کے بہادر مجاہدین نے بذریعہ جہاد ریاست کا جو حصہ بھارتی تسلط سے آزاد کروایا وہ آزاد کشمیر کہلاتا ہے۔

٩۔ اس وقت آزاد کشمیر کی آبادی ٣٥ لاکھ کے لگ بھگ ہے۔

١٠۔ آزاد کشمیر میں ٢٠ فیصد لوگ شہروں میں جبکہ ٨٠ فیصد لوگ دیہاتوں میں آباد ہیں۔

١١۔ آزاد کشمیر میں شرح خواندگی ٥٥ تا ٦٠ فیصد ہے۔

١٢۔ جموں وکشمیر کے لوگ ہندوستان میں ہونے والی تبدیلیوں سے براہِ راست متاثر ہوتے رہتے ہیں۔

١٣۔ کشمیر کے رسم ورواج پر اب بھی ہندوستانی ثقافت کا اثر نمایاں پایا جاتا ہے۔

## فصلِ دوم: شادی ونکاح کے مفاہیم اور ضرورت واہمیت

### مبحث اوّل: شادی ونکاح کے مفاہیم

خالقِ کائنات کی اس دلفریب اور پُر لطف نگری کے اسٹیج پر ماضی حال اور مستقبل کے افعال کے اداکار اور اس کے فعال کون ہیں؟ یقیناً اس کا جواب انسانی رشتے "مرد اور عورت" ہی ہوں گے جو اس عالم کے معمار اور عمرانی زندگی کی سنگِ بنیاد اور اس دیوار کی خشت اوّل ہیں۔ جس سے اس نگری کی شان وشوکت، آب وتاب، رونق و جمال، ھماھمی اور چہل پہل ہے۔ یہی دونوں حضرت آدم ﷺ کی نسل کی یادگار اور بقاء کے سبب ہیں۔ اور انہی دونوں سے راحت وآرام کی شاہراہیں، افکار وانظار کی نہریں، عزم واستقلال کے سفینے، جرأت وشجاعت کے جھرنے، علم وفن کے سرچشمے، تہذیب وتمدن کے آبشار اور صنعت وحرفت کے دریا بہتے ہیں۔

چنانچہ ابتدائے عالم میں حضرت آدم ﷺ کی ایک اکیلی ہستی تھی اور ان کی رفیقہ حیات حضرت حوا، جن سے اللہ تعالیٰ نے نسلِ انسانی کی تخلیق کی اور اس کو وجود بخشا اور نسلِ انسانی کا سلسلہ شروع ہوا۔ اس طرح یہ نسل انسانی آفتاب کی شعاعوں، پھول کی خوشبوؤں، درخت کے پھلوں اور بادِ صبا کی طرح پورے عالم میں پھیل گئی۔ اللہ تعالیٰ کا ارشادِ پاک ہے۔

**يَـٰٓأَيُّهَا ٱلنَّاسُ ٱتَّقُوا۟ رَبَّكُمُ ٱلَّذِى خَلَقَكُم مِّن نَّفْسٍ وَٰحِدَةٍ وَخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيرًا وَنِسَآءً** [۱]

(اے لوگو! ڈرو اپنے رب سے جس نے تم کو ایک جان (آدم) سے پیدا کیا اور اسی جان (آدم) سے اس کا جوڑا پیدا کیا اور انہی دونوں سے سارے مرد اور عورت دنیا میں پھیلا دیئے)

عورت اور مرد کا ازدواجی تعلق، درحقیقت انسانی معاشرے کا سنگِ بنیاد ہے۔ شریعت اسلامی نے مسلمانوں کی ازدواجی زندگی کے لیے ایک نظام دیا ہے اور مرد اور عورت کے باہمی تعلق کی بنیاد نکاح وشادی جیسے پاکیزہ رشتے پر رکھی ہے۔ انسانی زندگی میں تو یہ تعلق انفرادی اور معاشرتی فلاح وبہبود کے لیے بنیادی کی حیثیت رکھتا ہے۔

### شادی:

"شادی" فارسی زبان کا لفظ اور اسم مؤنث ہے اس کے معنی خوشی، انبساط، خوشحالی، جشن، تیوہار، خوشی کی تقریب، بیاہ، وغیرہ کے ہیں [۲]

انسائیکلو پیڈیا آف بریٹانیکا کا مقالہ نگار شادی (Marriage) کے ذیل میں لکھتا ہے:

"Marriage is a legally and socially sanctioned union, usually between a man and a woman, that is regulated by laws, rules, customs, beliefs and attitudes that prescribe the right and duties of the partners and accords status to their off spring (if any) [۳]

(شادی معاشرتی اور قانونی طور پر ایک جائز بندھن ہوتا ہے جو عام طور پر ایک مرد اور عورت کے درمیان ہوتا ہے اور اصول قوانین، رواج، عقیدے اور رویے باضابطہ طور پر فریقین کے مابین حقوق وفرائض مقرر کرتے ہیں اور ان کے بچوں کی حیثیت واضح کرتے ہیں (اگر کوئی بچے ہوں تو)

---

۱۔ النساء: ۱

۲۔ دہلوی، مولوی سید احمد، فرہنگ آصفیہ (لاہور: خالد نذیر خان، مکتبہ حسین سہیل لمیٹڈ، ط، سوم، س۔ن) ج: ۳، ص: ۵۸۱

۳۔ انسائیکلو پیڈیا آف برٹانیکا (Encyclopedia of Britannica)، ج: ۷، ص: ۸۷۱

شاہ ولی اللہ دہلوی شادی کی وجہ تسمیہ اور اس کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ اگرچہ ازدواجی تعلق پیدا کرنے کا ایک بڑا مقصد توالد و تناسل ہے جو زوجین یعنی میاں بیوی کے ہم بستر ہونے کا نتیجہ ہے۔ لیکن یہ ایک ایسا امر ہے جس کو صریح لفظوں میں ظاہر کرنے میں حیا مانع ہوتی ہے۔ اس لیے زمانہ قدیم سے عقلمندوں نے یہ مناسب خیال کیا کہ اس کا نام شادی رکھا جائے اور اس کو اظہار مسرت کی ایک تقریب بنا دیا جائے۔ گویا یہ شادی دولہا اور دُلہن کی منتہائے نشو و نما تک پہنچنے اور مستقل زندگی کے آغاز کا ایک جشن ہے۔ بنا بریں یہ ضروری ہے کہ حتی الامکان اس تقریب کو شہرت دی جائے اور کم و بیش لوازم طرب مہیا کیے جائیں۔ ۱

شادی کے لیے عربی زبان میں ''زواج'' کا لفظ استعمال ہوا ہے، جو ''زوج'' سے بنا ہے لغت میں زوج کا لفظ ساتھی کے لیے استعمال ہوا ہے۔

''الزوج فی اللّغة: الفرد الذی له قرین'' ۲

(لغت میں زوج سے مراد وہ فرد جس کا کوئی ساتھی ہو)

بعض مفکرین کا کہنا ہے کہ پوری کائنات میں زوجین کا سلسلہ پایا جاتا ہے اور خالقِ کائنات نے زوجین کا یہ سلسلہ تمام انواع کائنات میں رکھا ہے جیسا کہ ارشاد ہوتا ہے:

**''سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ الْاَزْوَاجَ کُلَّهَا'' ۳**

(وہ پاک ذات ہے جس نے تم مقابل قسموں کو پیدا کیا)

''زوج'' کا کلمہ ایک کے خلاف بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ لسان العرب میں ہے۔

الزوج خلاف الفرد '' یقال فرد أوزوجّ

ویقال ایضاً خساءً اوْ زَکاءً الخساء الفرد ، والزکا الزوج ویُقال ایضاً شفع أووترا ۴

فکل مقترنین متجانسین کانا امر تقبضین فهما زوج ۵

(پس ہر ملی ہوئی ہم جنس یا مخالف جنس پس اُس کے لیے زوج کہا جاتا ہے۔

حساب (ریاضی) میں زوج سے مراد:

والزوج فی الحساب ما ینقسم بمساوتین ۶

(حساب (ریاضی) میں زوج اُس کے لیے کہا جاتا ہے جو دو چیزیں برابر تقسیم ہوسکیں)

زوج کا کلمہ مذکر و مونث دونوں میں سے ہر ایک کے لیے بولا جاتا ہے۔ جیسا کہ درج ذیل عبارت سے ظاہر ہوتا ہے۔

الزوج: عن اهل حجاز یقع علی الذکر والأنثیٰ جمیعاً و علی واحد منهما ۷

---

۱۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۲، ص: ۱۵۸

۲۔ ابنِ منظور، لسان العرب، باب زوج، ج ۲، ص: ۲۹۱

۳۔ یٰسین: ۳۶

۴۔ ابنِ منظور، لسان العرب، باب زوج، ج ۲، ص: ۲۹۱

۵۔ الموسوعۃ الفقہیۃ، (کویت، وزارۃ الأوقاف والشؤن الاسلامیہ، ۱۴۱۲ھ۔ ۱۹۹۲م) الجزاالرابع والعشرون، بذیل مادہ زوج

۶۔ ایضاً

۷۔ ابنِ تستری، المذکر والمؤنث (http:www.alwaraq.com) باب شین، ص: ۱/۵

**والزوج فی الاصطلاح : بعل المراۃ** [۱]

## نکاح:

نکح، ینکح ، نکاحاً ، باب ضرب یضرب سے ہے،اس کے لغوی معنی الضم ، والجمع ضم کرنا جمع کرنا [۲]

شرع میں اس سے مراد:

**عقدبین الزوجین یحلُّ به الوطؑ** [۳]

فقہا کے نزدیک:

**عقد یفیدُ حلّ استمتا ع الرّجُلُ من اِمْرَاءَ ۃِ لم یمنع من نکاحها مانع شرعیُ قصدًا** [۴]

نکاح کے ایک معنی وابستگی اور پیوستگی کے ہیں۔جیسے عربی زبان میں کہا جاتا ہے۔

**تناکحت الاشجار اذا تمایلت والضم بعضها الی بعض** [۵]

''ماہنامہ اشراق''میں نکاح کی تعریف یوں کی گئی ہے۔

''نکاح اپنی اصل کے اعتبار سے ایک مرد اور ایک عورت کے مستقل اور اعلانیہ رفاقت کے اس عہد کا نام ہے جس کا اظہار وہ معاشرے میں اپنے جاننے والوں کے حلقے میں کرتے ہیں'' [۶]

گویا شادی اور نکاح کے مفہوم کو یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

شادی کے معنی خوشی اور طبعی سکون کے ہیں اور نکاح ان دو انسانی جسموں مرد اور عورت کے اتصال کے جواز اور ان کے تعلقات کا ایک ایسا واضح اعلان ہے کہ جن سے وہ اپنے نفسیاتی تقاضے پورے کر سکیں اور افزائش نسل اور سلسلہ تولد کی نکاسی صحیح ہو سکے [۷]

---

۱۔ زبیدی، تاج العروس،ص: ۱/۱۴۲۶

۲۔ سعدی، ابوحبیب، القاموس الفقہی ،ص:۳۶۰

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، الفقہ علی مذاہب الاربعہ ترجمہ، کتاب النکاح ،ج:۴،ص:۱

۶۔ ماہنامہ، اشراق، (اگست:۲۰۰۹)،ج:۱،شمارہ:۸،ص:۵۱،۵۲

۷۔ علی احمد، مولانا، شادی اور شریعت، (لاہور: مکتبہ خلیل)،ص:۱۷

## مبحث دوم: نکاح وشادی کی ضرورت واہمیت

نکاح اور شادی دین کا ایسا حصار ہے جو مرد اور عورت کے درمیان الفت ومحبت اور نسل انسانی کے حصول کا ذریعہ ہے۔شادی کرنے کا واحد مقصد توالد وتناسل کے ساتھ ساتھ اسلامی ثقافت، عائلی نظام، پاکیزہ مزاج، عمدہ اخلاق، باعصمت حیات اور با اصول زندگی کا تحفظ ہے اور ان تمام نازیبا اور ناروا حرکات سے بچنا ہے کہ جس سے انسانیت کے ایوان لرز جاتے ہیں،نسل انسانی احسن طریقہ پر نشو ونما نہیں پاتی۔ برائیاں اُبھرنے لگتی ہیں اور بے حیائیاں پروان چڑھتی ہیں جس کی خاص وجہ شیطانوں کا عورتوں کے ذریعے مردوں پر اپنا جال بچھانا ہے۔عورتوں کی نگاہوں سے، اُن کے اشاروں سے، شریں کلام اور اُن کی خوش کُن آوازوں سے، دل آویز موسیقی اور شہوت انگیز گانوں سے، جسم پر عریاں لباس اور اُن کے چہروں کے خدوخال سے اور اُن مستور اعضاء کے نشیب وفراز کے مظاہرے سے آرٹ کا نام دے کر خوبصورت انداز میں اس خنّاس کا ورغلانا ہے۔جس کے نتیجہ میں بیچارہ انسان اس طاغوتی چکمہ میں پڑ کر معاشقہ اور دزدیدہ نگاہی کی لت میں پھنس کر وہ سب کچھ کر ڈالتا ہے جس کے ذریعہ نسل انسانی کی بنیادیں مجروح ہو جاتی ہیں اور تعمیر انسانیت کا جنازہ نکل جاتا ہے۔ارشادِ ربانی ہے:

**"قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ الْفَوَاحِشَ مَاظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَالْاِثْمَ وَالْبَغْیَ بِغَیْرِ الْحَقِ وَاَنْ تُشْرِكُوْ بِاللّٰهِ مَالَمْ یُنَزِّلْ بِهٖ سُلْطٰناً وَّاَنْ تَقُوْلُوْ عَلَی اللّٰهِ مَالَا تَعْلَمُوْنَ"** [1]

(اے نبی کہہ دیجئے کہ میرے رب نے حرام کر دیا ہے بے حیائی کے تمام فعلوں اور سارے طریقوں کو خواہ کھلے ہوں یا چُھپ چُھپ کر ہوں اور گناہ کو اور ناحق زیادتی کو اور اس بات کو کہ تم اللہ کے ساتھ ان کو شریک ٹھہراؤ جن کے لیے اللہ نے کوئی دلیل نازل نہیں کی ہے اور یہ کہ تم اللہ کے لیے وہ بات کہو جس کا تمہیں علم نہیں)

### قرآن وسنت میں نکاح کی ترغیب:

نکاح ایک انفرادی تمدنی ضرورت ہے جسے تمام معاشروں نے تسلیم کیا ہے لیکن قرآن وسنت نے اس پہلو کے علاوہ اسے اخلاقی اور دینی ضرورت بھی قرار دیا ہے اور اس کے قیام پر بہت شدّت سے عمل کرایا ہے۔قرآن نے اسے سنت انبیاء قرار دیا ہے۔ارشاد باری ہے:

**وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلاً مِّنْ قَبْلِکَ وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجاً وَّذُرِّیَةً** [2]

(اور بھیجے ہیں ہم نے کتنے رسول تم سے آگے اور دی تھیں ان کو بیویاں اور اولاد)

قرآن مجید میں مختلف مقامات پر نکاح کی ترغیب دی گئی ہے ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے۔

**فَانْکِحُوْا مَا طَابَ لَکُمْ مِنَ النِّسَاءِ مَثْنٰی وَّ ثُلٰثَ وَرُبٰعَ** [3]

(ایسی عورتوں سے نکاح کرو جو تمہیں پسند ہوں دو دو، تین تین، چار چار)

---

۱۔ الاعراف: ۳۳

۲۔ الرعد: ۳۸

۳۔ النساء: ۳

**فانکحوھن باذن اھلھن وآتوھن اجورھن بالمعروف** ۱

(تم ان عورتوں کے سرپرست اہلِ خانہ کی اجازت سے ان کے ساتھ نکاح کرو اور جائز طور پر ان کے مہر ادا کرو)

سورۃ بقرہ میں ارشاد ہوتا ہے:

**فَلَا تَعْضُلُوْ هُنَّ اَنْ يَّنْكِحْنَ اَزْوَاجَهُنَّ اِذَا تَرَاضَوْ بَيْنَهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ** ۲

(اور تم انہیں اس بات سے مت روکو کہ وہ نکاح کرلیں تاوقتیکہ وہ آپس میں ایک دوسرے کے لیے اچھے طریقے سے راضی ہو جائیں)

سورۃ النور میں ارشادِ الٰہی ہے:

**وَاَنْكِحُوْا الْاَيَامٰى مِنْكُمْ** ۳

(اور بیاہ دو رانڈوں کو اپنے اندر)

**وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ** ۴

((ان محرمات کے سوا) حلال کی گئیں تم پر وہ تمام عورتیں تاکہ تم اپنے اموال کے بدلے اُن کو حاصل کرنے کی کوشش کرو اور تم انہیں اپنے نکاح میں لاؤ نہ کہ محض آزاد شہوت رانی کے لیے)

مندرجہ بالا آیات نکاح کی اہمیت کو واضح کرتی ہیں اور اس کی اہمیت کے پیشِ نظر اس فریضے کو بجالانے پر زور دیتی ہیں۔ نبی پاک ﷺ کے مختلف ارشادات اور آپ ﷺ کا اسوہ اس معاملہ میں ہماری بھرپور رہنمائی کرتا ہے۔ حدیث میں شادی و نکاح کو نصف دین کہا گیا ہے۔

**اِذَاتزوج العبد فقد کمل نصف الدین فلیتق اللّٰہ فی النصف الباقی** ۵

(جس شخص نے شادی کرلی اُس نے ایمان کے نصف حصے کی تکمیل کرلی ہے۔ پس باقی نصف کے بارے میں وہ اللہ سے ڈرے)

پھر اللہ تعالیٰ سے مطہر حالت میں ملاقات کے ذریعہ شادی قرار دیا ہے۔

**"عن انس بن مالک یقول : سمعت رسول اللّٰہ ﷺ یقول من ارادا ان یلقی اللّٰہ طاھرا مطھر فلیزوج الحرائر"** ۶

(جو شخص اللہ تعالیٰ سے پاک صاف ملنا چاہتا ہے تو وہ شریف عورتوں سے شادی کرے)

نوجوانوں سے آقادوجہاں ﷺ کا یوں خطاب ہے:

**عن عبداللّٰہ قال : قال لنا رسول اللّٰہ ﷺ یا معشر الشباب من استطاع منکم الباءۃ فلیتزوج**

---

۱۔ النساء:۲۵

۲۔ البقرۃ، :۲۳۲

۳۔ النور، :۳۲

۴۔ النساء، :۲۴

۵۔ بیہقی، شعب الایمان، باب فی النکاح لما فیہ من العون علی حفظ الفرج، حدیث نمبر:۵۳۸۶، ص: ۴/۳۸۲

۶۔ القزوینی، محمد بن یزید ابوعبداللہ، سنن ابن ماجہ (بیروت: دار الفکر) باب تزویج الحرائر والولود، حدیث نمبر:۱۸۶۲، ص: ۱/۵۹۸

**فانه اغض للبصرو احصن للفرج و من لم يستطع فعليه با الصوم فانه له وجاء** [1]

(اے نو جوانو! اگر تم نکاح کے حقوق پورے کرنے کی طاقت رکھتے ہو تو نکاح کر لو اور یہ آنکھ اور شرم گاہ کی حفاظت کا بہترین علاج ہے ورنہ پھر روزے رکھا کرو کہ روزہ تمہاری جنسی خواہشات کو کم کرنے کا باعث ہے)

اسلام نے پاکیزہ حیات اور صاف ستھری زندگی گزارنے کے لیے نکاح کے ذریعہ اعضائے جسم کی بے راہ روی کو روکا ہے اور پاک دامنی کی نیت سے شادی کرنے کو برکت کا سبب قرار دیا ہے۔ نیز مشکلات، جان گسل حالات اور پریشان کن حیالات میں من جانب اللہ نصرت اور امداد کی خوشخبری دی ہے۔ آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

**من تزوج امراء ة لم يردبها الا ان يغض بصره ويحصن فرجه او يصل رحمه بارك الله له فيها وبارك لها فيها** [2]

(جو شخص اپنی شرم گاہ کی حفاظت اور نگاہ کی شرم قائم رکھنے یا رشتہ داری ملانے کی غرض سے کسی عورت سے شادی کرے تو اللہ تعالیٰ ان دونوں کے نکاح میں خیر و برکت عطا فرمائے گا)

دوسری حدیث میں یوں درج ہے:

**عن ابی هريره أن رسول الله ﷺ قال: ثلاثة حق على الله عزوجل عونهم المكاتب الذى يريد الاداء والناكح الذى يريد العفاف والمجاهد فى سبيل الله** [3]

(تین آدمیوں کی مدد اللہ تعالیٰ ضرور کرتا ہے۔

۱۔ مجاہد فی سبیل اللہ۔

۲۔ وہ مکاتب جو اپنے آقا کا حق ادا کرنے کی کوشش کرے۔

۳۔ وہ آدمی جو محارم اللہ سے بچنے کی لیے پاکدامنی کی نیّت سے شادی کرے)

اسلام نے نکاح کی ترغیب دے کر غیر فطری راہوں کو بند کر دیا ہے۔ اس نے زنا، عیاشی اور رہبانیت وغیرہ جیسے غیر فطری طریقے بند کر کے تعلّق کے صحیح مواقع مہیا کیے ہیں۔ حدیث میں آیا ہے کہ:

تین اشخاص نے حضور ﷺ کی عبادت کا حال معلوم کیا اور اس کو کم جانا اور ایک نے ارادہ کیا کہ وہ تمام عمر روزے رکھے گا۔ دوسرے نے تمام رات نماز پڑھنے اور تیسرے نے نکاح نہ کرنے کا ارادہ کیا۔ آپ ﷺ کو جب خبر ہوئی تو فرمایا:

**أما والله انى لأ خشاكُمْ لِلّٰه واتقاكم له لكنى اصوم وافطرو واصلى و اوقد وأتزوج النساء فمن رغب عن سنتى فليس منى** [4]

(سنو! خدا کی قسم میں تم سب سے زیادہ اللہ سے ڈرنے والا اور اس کے معاملہ میں محتاط روش والا ہوں لیکن میں

---

۱۔ القشیری، أبو الحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح (بیروت: دارالجیل + دارالافاق الجدیدہ، س۔ ن) کتاب النکاح۔ باب استحباب النکاح، حدیث نمبر: ۳۴۶۴، ص: ۴/۱۲۸

۲۔ الطبرانی، ابوالقاسم سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط، (القاہرہ: دارالحرمین، ۱۴۱۵ھ) باب من اسمہ ابراہیم، حدیث نمبر: ۲۳۴۲، ص: ۳/۲

۳۔ نسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن، سنن النسائی، با احکام الالبانی، (حلب: مکتب مطبوعات الاسلامیۃ، الطبعۃ الثانیہ ۱۴۰۶ھ۔ ۱۹۸۶م) کتاب النکاح، باب معونۃ اللہ الناکح الذی یرید العفاف، حدیث نمبر: ۳۲۱۸، ص: ۶/۶۱

۴۔ بخاری، محمد بن اسماعیل ابوعبداللہ، الجامع الصحیح المختصر، (بیروت، دارابن کثیر، العامۃ، ۱۴۰۷ھ۔ ۱۹۸۷م) کتاب النکاح، باب فی ترغیب النکاح، ص: ۵/۷۵

روزے رکھتا ہوں اور چھوڑتا ہوں، نماز پڑھتا ہوں سوتا ہوں اور شادیاں کرتا ہوں۔ پھر جس نے میرے طریقہ سے منہ پھیرا وہ مجھ سے نہیں)

نبی کریم ﷺ نے نکاح کو باہمی اُلفت ومحبت کا ذریعہ بھی قرار دیا ہے۔

**"عن ابن عباس رضی اللہ عنہ قال: قال رسول اللہ ﷺ لم نر للمتحابين مثل النكاح"** [1]

(حضرت عبداللہ بن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول ﷺ نے فرمایا''ہم نے دو محبت کرنے والوں کے لیے نکاح سے زیادہ کوئی چیز مؤثر نہیں دیکھی)

نبی کریم ﷺ نے نکاح کی ترغیب یُوں بھی دی ہے۔

**"عن عائشة رضی اللہ عنہا قالت: قال رسول اللہ ﷺ (النكاح من سنتي فمن لم يعمل بسنتي فليس مني وتزوجوا فاني مكاثر بكم الامم"** [2]

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ نکاح میری سُنت ہے پس جو میری سُنت پر عمل نہ کرے وہ مجھ سے نہیں اور نکاح کرو کہ میں تمہاری کثرت تعداد پر دوسری اُمتوں پر فخر کروں گا)

عبداللہ بن عمر سے روایت کردہ ایک حدیث یُوں ہے۔

**عن عبدالله بن عمر و قال: قال رسول اللہ ﷺ انما الدنيا متاع و ليس من متاع الدنيا شئ افضل من المراة الصالحة** [3]

(عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ نے فرمایا کہ بے شک دُنیا متاع ہے اور متاع دنیا میں نیک عورت سے بڑھ کر کوئی چیز بہتر نہیں ہے)

اسلامی تعلیمات کے مطابق شادی ایک پاکیزہ رشتہ ہے۔ یہ انسانی معاشرے سے خرابیوں کو دُور کر کے اسے پاکیزہ بنا دیتا ہے اور معاشرے کے لیے خیر و برکت کا باعث بنتا ہے اور ایک پُرسکون خاندان کی تشکیل ہوتی ہے۔ الغرض شادی کی اہمیت اور ضرورت مندرجہ ذیل نکات سے مزید واضح ہوتی ہے۔

### ا۔ احساس ذمہ داری کو فروغ:

شادی کے رشتہ میں بندھنے کے ساتھ ہی مرد اور عورت کو ذمہ داریوں کا احساس ہونا شروع ہو جاتا ہے گویا کہ شادی کا ایک مقصد انسان کو ایک ذمہ دار شہری کی صورت میں سامنے لانا ہے۔ باہمی حقوق وفرائض کی ادائیگی احساس ذمہ داری کا جذبہ پیدا کرتی ہے۔

### ۲۔ رحمت ومؤدت کے جذبات:

شادی مرد اور عورت کے درمیان مؤدت اور رحمت کے جذبات اُجاگر کرتی ہے تاکہ وہ اپنی زندگی میں راحت ومسرت اور سکون وآرام حاصل کر سکیں۔ جو انہیں تمدن کے بالاتر مقاصد پورا کرنے کی قوت بہم پہنچانے کے لیے ضروری ہے قرآن مجید بھی اس حقیقت کی وضاحت کرتا ہے۔ گویا کہ شادی حصول سکون کا ذریعہ ہے۔

---

ا۔ القزوینی، سنن ابنِ ماجہ، کتاب النکاح، باب، ماجاء فی فضل النکاح حدیث نمبر:۱۸۴۷، ص:۱/۵۳۹

۲۔ ایضاً، رقم حدیث:۱۸۴۶، ص:۱/۵۹۲

۳۔ ایضاً، باب افضل النساء حدیث نمبر:۱۸۰۰، ص:۱/۵۹۶

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَمِنْ اٰیٰتِهٖٓ اَنْ خَلَقَ لَكُمْ مِّنْ اَنْفُسِكُمْ اَزْوَاجًا لِّتَسْكُنُوْٓا اِلَیْهَا وَجَعَلَ بَیْنَكُمْ مَّوَدَّةً وَّرَحْمَةً [1]

(اور اس کی نشانیوں میں سے ہے کہ تمہارے لیے تمہارے نفسوں سے جوڑے پیدا کیے تاکہ تم ان سے سکون حاصل کر سکو اور تمہارے درمیان محبت و رحمت پیدا کی ہے)

ایک دوسرے مقام پر اس حقیقت کو یوں دہرایا گیا ہے۔

هُوَ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّجَعَلَ مِنْهَا زَوْجَهَا لِیَسْكُنَ اِلَیْهَا [2]

(وہی ہے (اللہ تعالیٰ) جس نے تمہیں ایک ہی جان سے پیدا کیا اور پھر اس کے لیے خود اس کی جنس سے جوڑا بنایا تاکہ وہ سکون حاصل کر سکے)

ایک دوسری جگہ میاں بیوی کو باہم ایک دوسرے کا لباس قرار دیا گیا ہے۔

هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمْ وَاَنْتُمْ لِبَاسٌ لَّهُنَّ [3]

(وہ (عورتیں) تمہارے لیے لباس میں ہیں اور تم ان کے لیے لباس ہو)

جس طرح لباس انسان کے لیے زینت کا باعث ہونے کے ساتھ ساتھ اسے گرمی سردی سے بچاتا اور دوسری آلائشوں سے محفوظ رکھتا ہے اور اُس کی پردہ پوشی کرتا ہے۔ اس طرح یہ رشتہ ایک لباس کا کام دیتا ہے اور دونوں کو اُن اثرات سے بچاتا ہے جو ان کی عزت اور اُن کے اخلاق پر حرف لانے والے ہیں۔

اسلام میں زوجین میں باہمی مؤدت و رحمت کو حدود اللہ کے ساتھ تعبیر کیا گیا ہے اور طلاق کو جو ابغض المباحات ہے اس صورت میں جائز قرار دیا گیا ہے۔ جب مؤدت و رحمت کا یہ سلسلہ جاری نہ رہ سکے۔

اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ فَاِمْسَاكٌۢ بِمَعْرُوْفٍ اَوْ تَسْرِیْحٌۢ بِاِحْسَانٍ وَلَا یَحِلُّ لَكُمْ اَنْ تَاْخُذُوْا مِمَّآ اٰتَیْتُمُوْهُنَّ شَیْـًٔا اِلَّآ اَنْ یَّخَافَآ اَلَّا یُقِیْمَا حُدُوْدَ اللّٰهِ [4]

(طلاق (صرف) دو مرتبہ ہے۔ پھر خواہ رکھ لینا قاعدے کے موافق یا چھوڑ دینا، خوش عنوانی کے ساتھ اور تمہارے لیے یہ بات حلال نہیں کہ جو کچھ تم ان کے دے چکے ہو اس میں سے کچھ (چھوڑتے وقت) واپس لے لو مگر میاں بیوی دونوں کو خوف ہو کہ اللہ تعالیٰ کے ضابطوں کو قائم نہ رکھ سکیں گے)

ایک اچھے معاشرے کے لیے ازدواجی تعلق رحمت و کرم ہے۔ اسی پر بچوں کی تربیت کا انحصار ہے اور یہی خاندان کے سکون کا سبب ہے۔ باہمی اُلفت و محبت نہ صرف ازدواجی تعلق کے استحکام کا ذریعہ ہے بلکہ گھر کے ماحول کو پُر امن اور پُرسکون رکھنے کا وسیلہ بھی ہے۔

## ۳۔ شادی کی معاشرتی اہمیت:

شادی اگرچہ دو نفسوں کا انفرادی معاملہ ہے۔ لیکن معاشرے پر بھی اُس کے گہرے اثرات مرتب ہوتے ہیں وجہ یہ ہے کہ کسی معاشرے کی تعمیر و ترقی اور فلاح بہبود کے لیے ضروری ہے کہ وہ معاشرہ ہر قسم کی برائیوں سے پاک ہو۔ شادی نوعِ انسانی کی دونوں

---

۱۔ الروم:۲۱

۲۔ الاعراف:۱۸۹

۳۔ البقرۃ:۱۸۷

۴۔ البقرۃ:۲۲۹

کی ہے۔حصن ''قلعہ'' کو کہتے ہیں اور احصان کے معنی قلعہ بندی کے ہیں۔ جو مرد شادی کر لیتا ہے وہ اس اصطلاح کے مطابق محصن قرار پاتا ہے۔گویا وہ ایک قلعہ تعمیر کرتا ہے۔جس عورت سے نکاح کیا جاتا ہے وہ محصنہ ہے یعنی قلعہ کی حفاظت میں آ گئی ہے جو نکاح کی صورت میں تعمیر کیا گیا ہے[1]

یوں شادی کی بدولت نہ صرف دو اشخاص بلکہ پورا معاشرہ امن و آشتی کا گہوارہ بن جاتا ہے۔

### ۴۔ عفت وعصمت کی حفاظت:

انسان کا سب سے قیمتی جوہر اس کی عفت وعصمت ہے۔اس کے لٹ جانے کے بعد اُس کی کوئی قدر و قیمت نہیں رہتی۔شادی جس طرح مردوں کے لیے باکرداری اور اخلاق کا ذریعہ ہے عورتوں کے لیے بھی شادی کرنے کا مقصد یہی ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

**فَانْكِحُوهُنَّ بِإِذْنِ أَهْلِهِنَّ وَآتُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ مُحْصَنَاتٍ غَيْرَ مُسَافِحَاتٍ وَلَا مُتَّخِذَاتِ أَخْدَانٍ** [2]

(اور تم ان عورتوں کے سرپرست اہل خانہ کی اجازت سے نکاح کرو اور جائز طور پر اُن کے مہر ادا کرو۔تاکہ وہ محصنات بنیں نہ کہ اعلانیہ یا چوری چھپے بدکاری کرنے والیاں بنیں۔

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے۔

**وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الْمُؤْمِنَاتِ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ الَّذِينَ أُوتُوا الْكِتَابَ مِنْ قَبْلِكُمْ إِذَا آتَيْتُمُوهُنَّ أُجُورَهُنَّ مُحْصِنِينَ غَيْرَ مُسَافِحِينَ وَلَا مُتَّخِذِي أَخْدَانٍ** [3]

(اور حلال کی گئیں تمہارے لیے عزت دار عورتیں مومنوں میں سے اور عزت دار عورتیں ان لوگوں میں سے جن کے پاس تم میں سے کتاب بھیجی جا چکی ہے۔جبکہ تم ان کے مہر ادا کرو اور ان کو اپنی بیویاں بناؤ۔نہ تو اعلانیہ بدکاری کرو اور نہ ہی (عورتوں) سے خفیہ آشنائی کرو)

اس آیت کریمہ میں یہ ترغیب دی گئی ہے کہ مرد خود بھی پاک دامن ہو اور شادی کے لیے پاک دامن عورت تلاش کرے۔یعنی قرآن مجید رشتہ ازدواج کے لیے ضروری قرار دیتا ہے کہ مرد اور عورت دونوں پاک باز ہوں اور شادی کے بعد دونوں کے اخلاق اور عفت عصمت کا پورا تحفظ ہو سکے۔یہ ایک ایسا اہم مقصد ہے جس کے لیے ہر دوسری غرض قربان کی جاسکتی ہے۔مگر کسی دوسری غرض کے لیے اسے قربان نہیں کیا جاسکتا۔

انسان کی عفت وعصمت اس کے جملہ حقوق کے لیے حصار ہے۔عفت کے ضائع ہونے سے سیرت کی بنیاد تباہ ہو جاتی ہے۔ ایک آدمی جب جنسی آوارگی کا شکار ہوتا ہے تو اس کی زندگی کے دوسرے پہلوؤں پر سے بھی اخلاقی بندشیں ڈھیلی پڑ جاتی ہیں۔یہی وہ دروازہ ہے جہاں سے شیطانیت بآسانی داخل ہو کر پوری انسانی طبیعت کو متاثر کر سکتی ہے۔بدوں سبب اسلام نے عفت و عصمت کی

---

۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، حقوق الزوجین، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، اشاعت اگست ۱۹۸۱ء) ص: ۷، ۸

۲۔ النساء، ۲۵

۳۔ المائدہ، ۵

حفاظت کے لیے سخت اقدامات کیے ہیں۔ [illegible]
بڑی سزا مقرر کی ہے۔ بُری افواہیں پھیلانے والوں کو سخت وعید سنائی اور معاشرے کے لیے ضابطہ اخلاق کو اس طرح مرتب کیا
اجتماعی کیفیت کو اس طرح ڈھالا کہ اس میں نکاح آسان اور غیر فطری طریق مشکل ہو جائے۔[1]

قرآن وسُنت سے معلوم ہوتا ہے کہ عفت وعصمت کو بحال رکھنا اور اس کی حفاظت کرنا انسانی تمدن کا اہم ترین مسئلہ ہے اللہ تعالیٰ نے اسے مومنوں کی صفات میں بیان فرمایا ہے۔ حضور ﷺ نے بیعت لیتے وقت ان سے عفت کا عہد لیا۔ قرآن کریم نے اسے ان الفاظ میں بیان کیا۔

**يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ اِذَا جَآءَكَ الْمُؤْمِنٰتُ يُبَايِعْنَكَ عَلٰٓى اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْـًٔا وَّلَا يَسْرِقْنَ وَلَا يَزْنِيْنَ**[2]

(اے پیغمبر جب آپ کے پاس مومن عورتیں اس پر بیعت کرنے آئیں کہ اللہ کے ساتھ نہ تو شریک ٹھہرائیں گی نہ چوری کریں گی اور نہ بدکاری)

اسلام میں عفت وعصمت کی کس قدر اہمیت ہے اور اس کی حفاظت کے لیے کتنا اہتمام کیا ہے۔ قرآن وسنت کی درج ذیل نصوص اس کی وضاحت کرتی ہیں۔

قرآن امراۃ العزیز کی زبان سے یوسف علیہ السلام کی پاک بازی کی شہادت ان الفاظ میں نقل کرتا ہے۔

**وَلَقَدْ رَاوَدْتُّهٗ عَنْ نَّفْسِهٖ فَاسْتَعْصَمَ**[3]

(اور واقعی میں نے اس سے اپنا مطلب حاصل کرنے کی کوشش کی تھی مگر یہ پاک صاف رہا)

سیّدہ مریم کی عفت وعصمت کی شہادت ان الفاظ میں ہے:

**وَمَرْيَمَ ابْنَتَ عِمْرٰنَ الَّتِيْٓ اَحْصَنَتْ فَرْجَهَا فَنَفَخْنَا فِيْهِ مِنْ رُّوْحِنَا وَصَدَّقَتْ بِكَلِمٰتِ رَبِّهَا وَكُتُبِهٖ وَكَانَتْ مِنَ الْقٰنِتِيْنَ**[4]

اور عمران کی بیٹی مریم نے اپنے ناموس کو محفوظ رکھا اور ہم نے ان کے خاک وگریباں میں اپنی روح پھونک دی اور انہوں نے اپنے پروردگار کے پیغاموں کی اور اس کی کتابوں کی تصدیق کی اور اطاعت کرنے والوں میں سے تھیں۔

مومنین کی صفات بیان کرتے ہوئے فرمایا گیا ہے:

**وَالَّذِيْنَ لَا يَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ اِلٰـهًا اٰخَرَ وَلَا يَقْتُلُوْنَ النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا يَزْنُوْنَ**[5]

(اور جو کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ کسی اور معبود کی پرستش نہیں کرتے اور جس شخص (کے قتل کرنے) کو اللہ تعالیٰ نے حرام فرمایا ہے اس کو قتل نہیں کرتے ہاں مگر حق پر اور وہ زنا نہیں کرتے)

آپ ﷺ نے ایک دفعہ نوجوانانِ قریش سے مخاطب ہو کر فرمایا۔

---

۱۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، جون ۲۰۰۵ء) ص: ۷۶

۲۔ الممتحنۃ: ۱۲

۳۔ یوسف: ۳۲

۴۔ التحریم: ۱۲

۵۔ الفرقان: ۶۸

**عن ابن عباسؓ قال: قال رسول ﷺ یا شاب القریش ! احفظوا فروجکم لا تزنو الامن حفظ فرجه فله الجنة**[1]

(ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ فرماتے ہیں اے قریش کے جوانو! اپنی شرم گاہوں کی حفاظت اور بدکاری سے بچو۔ خبردار جو اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے گا پس اس کے لئے جنت ہے)۔

حضور ﷺ کی ایک دُعا یوں منقول ہے:

**اللھم الھمنی رُشدی واعذنی من شرنفسی**[2]

(اے اللہ مجھے ہدایت وبصیرت عطا فرما اور مجھے اپنے من کے شر سے بچا)۔

مولانا سیّد الاعلیٰ مودودی نکاح وشادی کا فلسفہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں:

''انسان کے زوجین میں جو صنفی کشش ہے وہ حیاتیاتی (Biologically) حیثیت سے اسی نوعیت کی ہے جو دوسری انواع حیوانی میں پائی جاتی ہے۔ ایک صنف کا ہر فرد صنف مقابل کے ہر فرد کی طرف حیوانی میلان رکھتا ہے۔ اور تناسل کا زبردست داعیہ جو ان کی سرشت میں رکھا گیا ہے۔ دونوں صنفوں کے ان تمام افراد کو ایک دوسرے کی طرف کھینچتا ہے۔ جن میں تناسل کی صلاحیت بالفعل موجود ہو۔ پس فاطر کائنات کا بنایا ہوا قانون انسان کی حیوانی فطرت کے اس کمزور پہلو سے بے پروا نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ اس میں صنفی انتشار (Sexual anarchy) کی طرف شدید میلان چھپا ہوا ہے۔ جو تحفظ کی خاص تدابیر کے سوا نہیں روکا جا سکتا اور ایک دفعہ بے قابو ہو جائے تو انسان کو پورا حیوان بلکہ حیوانات سے بھی ارزل بن جانے سے کوئی چیز نہیں روک سکتی''[3]

نکاح یعنی شادی صرف دو افراد کا ایک سماجی بندھن ایک شخصی ضرورت ایک طبعی خواہش اور صرف ایک ذاتی معاملہ ہی نہیں ہے بلکہ یہ معاشرہ انسانی کے وجود و بقا کا ایک بنیادی ستون بھی ہے۔ اور شرعی نقطہ نظر سے ایک خاص اہمیت وفضیلت کا حامل بھی ہے۔ نکاح کی اہمیت اور اس کی بنیادی ضرورت کا اندازہ اس سے لگایا جا سکتا ہے کہ حضرت آدم علیہ السلام کے وقت سے شریعت محمدی ﷺ تک کوئی ایسی شریعت نہیں گزری جو نکاح سے خالی رہی ہو۔ اسی لیے علما لکھتے ہیں کہ ایسی کوئی عبادت نہیں ہے جو حضرت آدم علیہ السلام سے لے کر اب تک مشروع ہو اور جنت میں بھی باقی رہے سوائے نکاح اور ایمان کے۔ چنانچہ ہر شریعت میں مرد اور عورت کا باہمی اجتماع ایک خاص معاہدہ کے تحت مشروع ہوا اور بغیر اس معاہدے کے مرد وعورت کا باہمی اجتماع کسی بھی شریعت و مذہب نے جائز قرار نہیں دیا ہے۔ یہ الگ بات ہے کہ اس معاہدہ کی مختلف صورتیں رہی ہیں اور اس کے شرائط واحکام میں تغیر وتبدل ہوتا رہا ہے[4]

نکاح کے ذکر کردہ فوائد کے علاوہ درج ذیل نکات بھی اس کی اہمیت کا پتہ دیتے ہیں:

۱۔ نکاح کرنے سے نفس مجاہدہ کا عادی ہو جاتا ہے۔ کیونکہ گھربار اور اہل وعیال کی خبر گیری، نگہداشت اور ان کی پرورش اور پرداخت کے سلسلے میں مسلسل جدو جہد کرنا پڑتی ہے۔ اس مسلسل جدو جہد کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ انسان بے عملی اور لاپرواہی کی زندگی سے دور رہتا ہے۔ جو اس کے لیے دُنیاوی طور پر بھی نفع بخش ہے اور اس کی وجہ سے وہ دینی زندگی یعنی عبادت واطاعات میں بھی چاق وچوبند رہتا ہے۔

۲۔ نکاح کرنے سے اپنا گھر بستا ہے خانہ داری کا آرام ملتا ہے گھریلو زندگی میں سکون واطمینان کی دولت نصیب ہوتی ہے اور گھریلو زندگی کے اس اطمینان وسکون کے ذریعہ حیات انسانی کو فکر وعمل کے ہر موڑ پر سہارا ملتا ہے۔

---

۱۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن الحسین، شعب الایمان، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۰ھ) باب فی تحریم الفروج، حدیث نمبر: ۵۴۲۹، ص: ۳۵۱/۴

۲۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ ابوعیسیٰ، الجامع الصحیح سنن الترمذی، (بیروت: دار احیاء التراث العربی) ابواب الدعوات، حدیث نمبر: ۳۴۸۳، ص: ۵۱۹/۵

۳۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، مولانا، پردہ، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، جنوری ۱۹۹۴ء) ص: ۲۲۵

۴۔ دہلوی، قطب الدین خان، محمد، مظاہر حق جدید، (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۲ء) ص: ۳/۳۴۶

میں اپنے حقوق ومفادات کے تحفظ کے لیے اپنا رعب داب قائم رکھتا ہے[1]

حضرت شاہ ولی اللہ نکاح کی اہمیت میں بیان فرماتے ہیں کہ:

مادہ تولید کی پیداوار میں جب زیادتی پیدا ہو جاتی ہے تو اس کا بخار دماغ کی طرف چڑھتا ہے جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ خوبصورت عورتوں کو دیکھنا آدمی کا محبوب مشغلہ بن جاتا ہے اور ان کی محبت دلوں میں جگہ بنانے لگی ہے اور اس بخار کا ایک حصہ شرم گاہ کی طرف بھی آتا ہے جس کی وجہ سے تقاضے میں شدت پیدا ہوتی ہے۔ مقاربت کی قوت اُبھرتی ہے اور یہ عموماً نوجوانی کے دور میں ہوتا ہے اور شادی نہ ہونے کی صورت میں یہ چیز زنا کے لیے اُبھارتی ہے۔ اس کے اخلاق گندے ہونے شروع ہوتے ہیں اور ایک دن شہوت اسے بڑے خطروں میں ڈال دیتی ہے[2]

---

۱۔ دہلوی، قطب الدین خان، محمد، مظاہر حق جدید، ص: ۳/۲۴۶، ۲۴۷

۲۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، ج: ۲، ص: ۱۲۲

## خلاصۂ بحث

۱۔ انسانی معاشرے کا سنگِ بنیاد مرد و عورت کا ازدواجی تعلق ہے۔

۲۔ شادی کے مفہوم میں خوشی، انبساط، جشن وغیرہ کے معنی پائے جاتے ہیں۔

۳۔ شادی کے لیے عربی میں ''زواج'' کا لفظ آیا ہے۔

۴۔ اللہ تعالیٰ نے تمام انواع کائنات میں زوجین کا سلسلہ رکھا ہے۔

۵۔ نکاح عورت اور مرد کی مستقل رفاقت کا اعلان ہے۔

۶۔ قرآن مجید نے بے شمار مقامات پر نکاح کی ترغیب دیتے ہوئے اسے سنت انبیاء قرار دیا ہے۔

۷۔ بہت سی احادیث مبارکہ نکاح کی اہمیت میں موجود ہیں اور نکاح کو باہمی محبت والفت، برکت اور اللہ تعالیٰ کی مدد کا ذریعہ قرار دیا گیا ہے۔

۸۔ شادی نکاح و انسانوں میں احساس ذمہ داری کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔

۹۔ آپس میں رحمت ومودت کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

# فصل سوم: آزاد کشمیر میں رشتہ و منگنی سے متعلق رسوم

## مبحث اوّل: رشتہ سے متعلق رسوم

مباحث سابقہ میں یہ بیان کیا جا چکا کہ شادی انسانی زندگی اور نسل کی بقا کا ذریعہ بھی ہے اور حکم الٰہی اور سنت نبوی بھی۔ اس عمل کے ذریعے جہاں گھر بستے ہیں۔ خاندان ترتیب پاتے ہیں۔ زندگی کی اہم ضرورتیں پوری ہوتی ہیں۔ وہاں یہی صائب عمل انسانی معاشرے کو کئی قباحتوں سے محفوظ بھی رکھتا ہے۔ ہر علاقے میں شادی بیاہ کے مقاصد پر ایک طرح کے ''اجماع'' کے باوجود اس کے انداز اور رسوم ورواج میں ایک واضح فرق ہے۔ یعنی ہر علاقے کے اپنے اپنے رواج کے مطابق یہ عمل ترتیب پاتا اور اختتام پذیر ہوتا ہے۔

رسم و رواج کسی بھی خطے کی پہچان ہوتے ہیں کسی خطے کی طرز ثقافت کی طرح اس کے رسوم و رواج بھی منفرد ہوتے ہیں۔ خطہ کشمیر بھی اپنی ایک منفرد ثقافت اور رسم و رواج رکھتا ہے۔ مختلف مواقعوں پر چاہے وہ خوشی کے ہوں یا غمی کے مختلف قسم کے رسم و رواج مروج ہیں۔ آزاد کشمیر کے مختلف اضلاع میں پائے جانے والے رسم و رواج میں یکسانیت کے باوجود قدرے فرق بھی پایا جاتا ہے۔ آئندہ صفحات میں ان رسومات کو تفصیلاً بیان کیا جا رہا ہے۔ وقت کی رفتار کے ساتھ رسم و رواج بھی تبدیل ہو رہے ہیں۔ پرانی رسوم کی جگہ نئی رسوم لے رہی ہیں اور دیہی علاقوں میں کہیں کہیں اب بھی پرانی رسوم زندہ ہیں۔ لیکن شہروں میں سائنس اور ٹیکنالوجی میں ترقی کی بدولت پرانے رسم و رواج کو نظر انداز کیا جا رہا ہے اور شادی بیاہ کے طور طریقے نیا ڈھنگ اختیار کر رہے ہیں۔ جہاں کھانا زمین پر بیٹھ کر منڈلوں کی صورت میں کھایا جاتا تھا اب اُس کی جگہ کھڑے ڈنر نے لے لی ہے۔ غرض یہ کہ وقت کے تقاضوں کے مطابق رسومات کو بھی ڈھالا جا رہا ہے۔ آزاد کشمیر میں رائج شادی بیاہ کی رسوم کا آغاز ''رشتہ'' سے متعلقہ رسوم سے ہوگا۔

### رشتہ کی تلاش:

#### (ا) ذات برادری کا خیال:

آزاد کشمیر میں رشتہ کی تلاش کے لیے سب سے پہلے ذات برادری اور خاندان کا خیال رکھا جاتا ہے۔ رشتہ اپنی ہی ذات برادری میں دیکھا جاتا ہے۔ خاندان اور ذات سے باہر رشتہ داری کرنا معیوب خیال کیا جاتا ہے۔ ایسا کرنے والوں کو کافی تنقید کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ اور اپنے خاندان اور برادری کو ترجیح دی جاتی ہے۔ ڈاکٹر محمد صغیر خان اس ضمن میں یوں رقمطراز ہیں۔

''پہلے وقتوں میں جسے پرانے لوگ ''چنگے زمانے'' کہتے ہیں میں یہاں رشتہ داری کرتے ہوئے ''خاندان'' ''حسب نسب'' اور ''کف برادری'' جیسے عناصر کو بنیادی اہمیت دی جاتی تھی اور ہر کسی کی خواہش ہوتی تھی کہ وہ اپنے سے بہتر لوگوں میں رشتہ کرے یا کم از کم اپنے مقابلے اور برابری کے لوگوں کا انتخاب ضرور کرے۔ اسی طرح رشتہ کرتے ہوئے یہ بھی دیکھا جاتا کہ دوسرے فریق کے ''بھائی بند'' کتنے ہیں؟ کیسے ہیں'' زیادہ بھائیوں اور بڑے خاندان والے فریق سے رشتہ کرکے ''بھاڈھا'' بنانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ یہ ساری باتیں آج بھی کسی نہ کسی انداز میں موجود ہیں'' [1]

---

۱۔ صغیر خان، محمد، ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، (کشمیر اکیڈمی، مئی ۲۰۰۶ء) ص:۱۱۶

### (۲) والدین کی رضامندی:

کشمیری رشتہ والدین کی رضامندی سے طے کرتے ہیں۔ یہاں پیشہ ور رشتہ کرانے والوں کا رواج نہیں بلکہ رشتہ دار اور دوست احباب مناسب اور موزوں رشتہ کی نشاندہی کر دیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر صغیر لکھتے ہیں:

''بہرحال اس معاشرے میں رشتے عموماً بڑوں کی پسند اور مرضی سے ہوتے ہیں۔لڑکے اور لڑکی سے پوچھنا ضروری سمجھا جاتا ہے نہ اُس کی پسند اور رضامندی کا زیادہ خیال رکھا جاتا ہے۔ جہاں بزرگ مناسب سمجھیں بات پکی کر دیتے ہیں۔ لڑکیوں کی طرف سے ہر طرح اختیار ان کے بزرگوں کو حاصل ہوتا ہے۔اس لیے اکثر لڑکیاں اُن علاقوں میں بیاہی جاتی ہیں۔ جن کا انہوں نے کبھی ذکر سُنا ہوتا ہے نہ سوچا ہے۔اس کیفیت کو لوک گیتوں میں یُوں بیان کیا گیا ہے۔

ساوی کڑتی تے لمبیاں بانہیں
بابل دتی آں لمبیاں راہیں
ماؤ دا بس کوئی نہیں
مِل چلیئے مِل چلیئے
ساڑھے وطن دور داراٹے نی گھر چلیئے

یُوں ''لیکھ نصیب'' اور بزرگوں کا یہ قول ''ہن تہاڈا جنازہ اتھاں ناں نکلے'' پلّے باندھے بیٹیاں پردیس رخصت ہو جاتیں.........اور اکثر عورتوں کے جنازے وہاں سے نکلتے ہیں۔یا زندہ لاشیں یعنی ہر حال میں بڑوں کی لاج رکھتی ہیں۔[۱]

راجہ خضر اقبال لکھتے ہیں:

''پہلے وقتوں میں رشتہ طے کرنے میں لڑکے اور لڑکی کی رائے یا مرضی معلوم نہیں کی جاتی تھی۔ اس سلسلہ میں تمام اختیار لڑکے اور لڑکی کے والدین یا خاندان کے کسی بزرگ کو حاصل ہوتا تھا''[۲]

لیکن اب صورت حال پہلے وقتوں سے کافی مختلف ہے۔گو کہ بعض خاندانوں میں اب بھی رشتہ مکمل والدین کی مرضی سے ہوتا ہے لیکن زیادہ لوگ اس کار خیر میں بچوں کی مرضی کو بھی وقعت دینے لگے ہیں۔اس سلسلہ میں پہلے لڑکے سے بات چیت کی جاتی ہے۔اگر وہ کہیں اپنی دلچسپی کا اظہار کر دیتا ہے تو پھر والدین سوچ بچار کے بعد وہاں بات چیت بڑھاتے ہیں۔ لیکن اگر لڑکا اپنی مرضی اور رائے پہلے سے ظاہر نہیں کرتا تو پھر والدین اپنی مرضی سے اور لڑکے کی اجازت سے رشتہ کی تلاش شروع کر دیتے ہیں۔لڑکی والے بھی رشتہ دیتے وقت اب لڑکی کی رائے معلوم کرنے لگے ہیں۔ چنانچہ خضر اقبال کہتے ہیں کہ:

''اب رشتہ طے کرنے سے قبل لڑکے اور لڑکی کی رضامندی بھی حاصل کرنے کا رواج عام ہو رہا ہے''[۳]

### (۳) رشتہ کے لیے تحریک:

رشتہ کے لیے تحریک لڑکے والوں کی طرف سے ہوتی ہے۔ پہلے لڑکے والے لڑکی اور اُس کے گھر والوں کے متعلق معلومات حاصل کرتے ہیں اور اس کے بعد اگر مناسب سمجھیں تو رشتہ کے لیے بات بڑھاتے ہیں ڈاکٹر صغیر لکھتے ہیں کہ رشتہ ہمیشہ لڑکے

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۱۹، ۱۲۰

۲۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، مارچ ۲۰۰۵ء، ص: ۱۲۴

۳۔ ایضاً

والے طلب کرتے ہیں اور خواہ حالات کیسے بھی ہوں۔لڑکی والے اپنے منہ سے رشتہ کرنے کی خواہش کا اظہار کرنے میں پہل نہیں کرتے۔کیونکہ ایسا کرنا کمزوری بلکہ بعض اوقات ''بے غیرتی'' کی نشانی سمجھا جاتا ہے اور خیال کیا جاتا ہے کہ ایسا کرکے ساری عمر ''دھی بہن'' کے لیے ''طعنے مینے'' مول لینے کی بات ہے۔[1]

**(۴) لڑکی دیکھنا:**

رشتہ طے کرنے سے قبل کسی نہ کسی طرح ایک مرتبہ لڑکی کو ضرور دیکھ لیا جاتا ہے۔دیکھنے کے لیے مختلف طریقے اور بہانے کام میں لائے جاتے ہیں۔کسی شادی کی تقریب یا کسی اور موقع پر لڑکی دیکھ لی جاتی ہے۔آج کل بعض اوقات براہِ راست لڑکی دیکھنے کے بجائے تصویر کے ذریعے بھی لڑکی کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔یہاں کھلے عام لڑکی اور لڑکے کا ایک دوسرے کو دیکھنے دکھانے کا رواج نہیں۔کبھی کبھار لڑکی دیکھنے کے لیے بڑے دلچسپ بہانے گھڑے جاتے ہیں۔جیسا کہ پونچھ کی تہذیب و ثقافت میں ذکر ہے ''بڑی سوچ و بچار اور مشوروں کے بعد جب شادی کے لیے لڑکی کا انتخاب کر لیا جاتا ہے۔تو لڑکے کے خاندان کی دو تین عورتیں کسی بہانے لڑکی کے گھر جاتی ہیں۔ان کا مقصد لڑکی اور گھر کو دیکھنا ہوتا ہے۔اس کے لیے بڑے خوب صورت بہانے بنائے جاتے ہیں۔اور کبھی کبھی دلچسپ لطیفے بھی سرزد ہوتے ہیں۔یہ عورتیں کبھی کسی پرانی بھولی بسری رشتہ داری کی آڑ لیتی ہیں اور کبھی ''گائے بھینس'' دیکھنے کی غرض ظاہر کرتی ہیں۔کبھی اُن کو راستہ بھول جاتا ہے اور کبھی ان کو تحت پیاس آستاتی ہے۔یوں متعلقہ گھر پہنچ کر کسی بہانے لڑکی کو دیکھنے کی سبیل کی جاتی ہے اور گھر کے حالات بھانپ کر رپورٹ واپسی پر پیش کی جاتی ہے۔کہتے ہیں کہ دیکھنے والے قیامت کی نظر رکھتے ہیں۔لہٰذا ایسی عورتیں ایسے ارادے سے جب کسی گھر میں جاتی ہیں تو عموماً ان کا مدعا پڑھ لیا جاتا ہے۔اور لڑکی سامنے نہیں آتی ،لڑکی کو ''دیکھنا'' اور ''دِکھانا'' اچھا خیال نہیں کیا جاتا بالخصوص لڑکی والے اس کا بُرا مناتے ہیں''[2]

**رشتہ کا معیارِ انتخاب:**

پہلے وقتوں میں لڑکے اور لڑکی کے انتخاب میں جو چیز سب سے زیادہ پیش نظر رہتی وہ لڑکے کا برسرِ روزگار رہنا ہوتا تھا۔اس طرح لڑکی کے انتخاب میں سلیقہ شعاری اور ''سجوڑ پن'' کو ترجیح دی جاتی پہلے یہ رواج بھی تھا کہ ایسے گھرانوں میں جہاں پہلے سے کسی قدر تعلق یا واقفیت ہوتی وہاں لڑکی کو دیکھنے جانے والی عورتیں کوشش کرتیں کہ لڑکی کو سر دیکھائیں یعنی جوئیں نکلوائیں۔اگر وہ مہارت سے ایسا کر دیتی تو یہ اس کے سلیقہ شعار یعنی ''سجوڑ'' ہونے کی نشانی ہوتی تھی۔[3]

آج کل لڑکے اور لڑکی کا تعلیم یافتہ ہونا زیادہ قابلِ تعریف سمجھا جاتا ہے۔اور اپنی تعلیم یافتہ اولاد کے لیے ایسے ہی رشتے بھی تلاش کیے جاتے ہیں۔بعض اوقات کم پڑھی لکھی لڑکی پر بھی سمجھوتا ہو جاتا ہے۔لیکن اگر لڑکی زیادہ پڑھی لکھی ہے تو رشتہ ویسا ہی تلاش کرنے پر زور دیا جاتا ہے۔جو لوگ خاندان میں ہی شادیاں کرتے ہیں تو اگر اُن کا ہم پلہ جوڑ نہیں تو پھر بھی انہیں خاندان سے باہر شادی کرنے کی اجازت نہیں اور غیر کفو میں بھی شادی کر دی جاتی ہے۔

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص:۱۱۶

۲۔ ایضاً،ص:۱۱۷

۳۔ ایضاً

### بوقت پیدائش رشتہ:

یہاں بعض اوقات کسی بچی کی پیدائش پر ہی اُس کو مانگ لیا جاتا ہے۔ایسا عموماً خالہ زادوں یا چچا زادوں میں ہوتا ہے۔ پھر جب یہ بچے جوان ہوتے ہیں تو بسا اوقات اُن کی ترجیحات بدل بھی جایا کرتی ہیں۔اور اکثر ماں باپ کا فیصلہ سر تسلیم خم کر دیا جاتا ہے۔ چنانچہ ڈاکٹر صغیر لکھتے ہیں:۔

> ''اس علاقے میں بعض رشتے پیدائش پر ہی ہو جاتے ہیں۔یعنی جب کسی کے ہاں بیٹی پیدا ہوتی ہے تو گاؤں برداری رشتے ناطے یا پاس پڑوس کی کوئی خاتون بچی کو''کرتی ٹوپی'' پہنا دیتی ہے۔اسے کپڑے ''لاوانا'' کہتے ہیں۔یہ اس امر کی نشاندہی ہوتی ہے کہ جب بچی بڑی ہوگی تو اس کا رشتہ اس عورت کے بھائی بیٹے یا کسی عزیز سے ہوگا۔(جس کا عام طور پر بچپن میں نشاندہی کر دی جاتی ہے)۔یہ لڑکی بھی ''منگ'' ہوتی ہے۔اس ان کہے سمجھوتے کی پاسداری ہر دو فریق کرتے ہیں اور اگر کہیں معاملہ بگڑ جاتا ہے تو مسئلہ''انا'' کا بن جاتا ہے'' ۱؎

راجہ خضر اقبال بوقت پیدائش کے رشتہ کی کیفیت یُوں بیان کرتے ہیں۔''آج سے تقریباً ۷۰ سال قبل تک بچوں کے رشتے بوقت پیدائش ہی طے کر دیئے جاتے تھے۔یہ رشتے ایک ہی خاندان میں ہوتے تھے۔اس موقع پر کوئی لین دین نہیں ہوتا تھا صرف لڑکی اور لڑکے کے والدین آپس میں بات طے کرتے تھے'' ۲؎

### شادی کی عمر:

سابقہ ادوار میں شادی جلد کر دی جاتی تھی چاہے وہ لڑکا ہو یا لڑکی۔تاہم لڑکی کی شادی کی بہت زیادہ جلدی کی جاتی تھی اور تیرہ چودہ برس کی عمر میں اُس کی شادی کر دی جاتی اور بچیوں کی پڑھائی کی طرف کوئی زیادہ توجہ نہیں دی جاتی تھی۔ انہیں گھریلو کاموں میں سگھڑ بنانے پر زیادہ زور دیا جاتا۔راجہ خضر اقبال کم عمری کی شادی کے بارے میں کہتے ہیں کہ''سابقہ ادوار میں کم عمری کی شادیوں کا رواج تھا'' اب یہ رواج ختم ہو رہا ہے۔لوگوں کا بچوں کے ساتھ ساتھ بچیوں کی پڑھائی و تعلیم کی طرف رجحان بھی بڑھتا جا رہا ہے اور پہلی ترجیح تعلیم کو دی جا رہی ہے۔اکثر لوگ پڑھائی مکمل ہونے پر ہی بچیوں کی شادیوں کا سوچتے ہیں اور اپنے پڑھے لکھے بیٹے کے لیے پڑھی لکھی بہو تلاش کرنے میں کافی وقت بیت جاتا ہے۔

### رشتہ طلب کرنے کا طریقہ کار:

''ٹھوک بجا'' کر دیکھنے کے بعد خاندان کا کوئی بڑا یا بزرگ یا ذمہ دار شخص لڑکی والوں کے گھر جاتا ہے اور رشتہ طلب کرتا ہے۔ اس کے لیے ایک وقت میں''جمعرات'' کے دن کا انتخاب کیا جاتا تھا کہ اسے''سعد'' دن مانا جاتا ہے۔لڑکی کے گھر جاتے وقت خالی ہاتھ جانا معیوب سمجھا جاتا ہے۔لہٰذا پہلے وقتوں میں،خمیری روٹیاں''سرے'' اور بعد میں''بند'' لے جائے جاتے تھے اور اب بات گلو قند اور چم چم پر آ پہنچی ہے۔.......... رشتہ طلب کرنے پر اگر بات چل نکلتی ہے تو لڑکی والے گھر بار دیکھنے جاتے ہیں۔اس دوران لڑکے کے خاندان، برداری،ٹبر کو بھی دیکھا جاتا ہے اور لڑکے کے علاوہ مکان، زمین باڑی اور جو جاگیر بھی۔پھر روایتی دوستیوں دشمنیوں کا مول تول بھی کیا جاتا ہے اور''شریکی ساجھے'' کا خیال بھی رکھا جاتا ہے۔اگر لڑکی یا لڑکا دوسرے گاؤں، خاندان برادری سے تعلق رکھتے ہیں تو اس گاؤں، خاندان یا برادری میں موجود پرانے تعلق داروں سے ضرور پوچھا جاتا ہے۔اور ان کی رضامندی لینے کی حتی المقدور کوشش

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت،ص:۱۱۸

۲۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں،ص:۱۴۲

[illegible]
کرنا''اپرلنگھی'' رشتہ ہوتا ہے جو انا کا معاملہ بن جاتا ہے۔اور''انا'' یہاں کے ہر فرد کا سب سے بڑا مسئلہ رہا ہے.........اب ہر طرح کا حساب کتاب کر کے یعنی''ہولی پہاری'' دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے [۱]

رشتہ داری کرنے کا ایک اور طریقہ یہ ہے کہ کسی اجتماعی کام مثلاً''کڑیاں لانے''،''لادی کرنے'' یا''کہائی'' دیے کے بعد کوئی شخص جو اس گھرانے کے ساتھ، جن کا کام ہو تا رشتہ داری کرنے کا خواہاں ہوتا۔کھانا کھانے سے انکار کر دیتا ہے اور اصرار پر شرط رکھتا ہے کہ اگر اس کا فلاں رشتہ یا بات مانی جائے تو وہ کھانا کھائے گا۔اسے کھانا کھلانا ہر حال میں ضروری سمجھا جاتا ہے۔لہٰذا اس کی بات مان لی جاتی ہے۔اسے''عین ماننا'' کہا جاتا ہے۔اور یوں بھی کبھی کبھی رشتہ طے ہو جاتا ہے [۲]

اس طرح کبھی کبھی کوئی تعلق دار بالخصوص''دھی بہن'' کسی تعلق دار کے گھر جاتی ہے اور کھانا کھانے سے انکار کر دیتی ہے۔اس کی بات مان لی جاتی ہے اور ضد کے آگے ہتھیار ڈال کر اسے کھانا کھلایا جاتا ہے کہ اس معاشرے میں''دھی بہن'' کا سوال رد کرنا کم ظرفی ہی کی نہیں بے غیرتی کی علامت بھی سمجھی جاتی ہے۔اور ایسا کرنا بہت مشکل ہوتا ہے.........یُوں بھی یہاں رشتے ہوتے رہے ہیں۔پھر بعض اوقات کسی پرانی دشمنی اور شکر رنجی کا خاتمہ کرنے کے لیے بھی موزوں رشتہ کر لیا جاتا ہے اور بعض لوگ لالچ میں زمین وغیرہ کے لیے یعنی''اوترال'' پر قبضہ کرنے کے لیے بھی رشتہ کرتے ہیں پھر بہت کم سہی لیکن''وٹہ سٹہ'' کے رشتے بھی یہاں ہوتے رہتے ہیں [۳]

## زبان لینا:

لڑکے اور لڑکی والے ایک دوسرے کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے بعد اور ہر طرح سے اطمینان کر لینے کے بعد لڑکی والوں کے ہاں ایک دعوت ہوتی ہے جس میں لڑکے کے خاندان کے ایک دو بزرگ افراد اور ایک دو قریبی رشتہ دار لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں اور رشتہ منظور کر لیا جاتا ہے اور''زبان'' دے دی جاتی ہے۔اور پھر اس کی پاسداری کی جاتی ہے اور ہر حال میں اس کو نبھانے کی کوشش کی جاتی ہے۔ڈاکٹر صغیر اس صورت حال کو یوں بیان کرتے ہیں۔

''اب ہر طرح کا حساب کتاب کر کے یعنی''ہولی پہاری'' دیکھ کر فیصلہ کیا جاتا ہے اور اگر''ہاں'' کر دی جاتی ہے جو عموماً لڑکی کے گھر پر ہوتی ہے اور خاندان کا بڑا ابزرگ کرتا ہے تو پھر چاہے زمین پھٹے، چاہے آسمان گرے، طوفان آئے یا قیامت برپا ہو جائے یہاں کے لوگ اپنی''زبان'' کا کہا ضرور پورا کرتے ہیں۔اور اگر ایسا نہ ہو پائے تو معاشرے میں اسے بہت بُرا خیال کرتے ہیں.........کبھی کبھی بات تو بہت بڑھ اور بگڑ جاتی.........''قبریں پھٹ'' ہو جاتے ہیں۔اسی طرح لڑکے والے بھی اپنی بات کا پاس رکھتے ہیں اور اپنی''منگ'' کو اپنی عزت سمجھتے ہوئے اسے''نک شرم'' کا معاملہ بنا دیتے ہیں اور لڑکی کی اور کہیں شادی کے سوال پر ایک ہی جواب ہوتا ہے کہ ''ایسا ہماری لاشوں سے گزر کر ہوگا''.........اور یہ کہ''خونے نے ریڑھے چڑھی ایلے''.........اگر خوانخواستہ کسی فریق کی وجہ سے طے شدہ رشتہ نہیں ہوتا تو وہ ناراضگی شروع ہوتی ہے جو نسلوں تک پورے اہتمام سے چلتی ہے۔کہ یہاں کے لوگ دوستیاں بھی نبھاتے ہیں اور دشمنیاں بھی.........'' [۴]

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص:۱۱۸

۲۔ ایضاً، ص:۱۱۹

۳۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص:۱۱۹

۴۔ ایضاً، ص:۱۱۸

[illegible]

ڈاکٹر صغیر نے اس کو ''تہاں دُ'' کہا ہے [1]

## لڑکے کی آزمائش:

پرانے وقتوں میں بعض لوگ لڑکی دینے سے قبل یعنی بات پکی کرنے سے قبل لڑکے کو بھی جانچ پرکھ لیتے تھے۔ اس مقصد کے لیے وہ لڑکے کو اپنے ہاں مدعو کرتے۔ لڑکے سے بات چیت کی جاتی اور تسلی کر لی جاتی اس کے بعد اُس کی خاطر تواضع ہوتی اور [illegible] اس کو مکئی کے دانے بھون کر کھانے کو دیئے جاتے۔ اس سے مقصود لڑکے کی آزمائش ہوتی تھی کہ آئندہ زندگی میں اس کو اس قسم کے حالات سے بھی سابقہ پڑ سکتا ہے۔ چنانچہ اگر وہ یہ سب برداشت کر لیتا یعنی بُرا نہ مناتا تو واپس جاتا تب اس کو رشتہ کے لیے ہاں [illegible] جاتی تھی۔ لیکن اب یہ رسم تقریباً ختم ہو چکی ہے۔

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۰

## مبحث دوم: منگنی اور اس سے متعلقہ رسوم

منگنی رشتہ قائم کرنے کا نام ہے۔عربی میں اس کے لیے خِطبہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔خِطبہ کے معنی دراصل رشتہ طلب کرنا ہیں،اُردو محاورے میں اس کو پیغام بھیجنا، بات ڈالنا یا بات بھیجنا کہتے ہیں۔جب رشتہ لڑکی والے منظور کر لیتے ہیں تو عزیزو اقارب کا ایک اجتماع کیا جاتا ہے۔اس سے یہ مقصود ہوتا ہے کہ چند آدمیوں کی موجودگی میں بات پکی ہو جائے۔مہر اور دیگر ضروری و اہم معاملات سب کے سامنے اور سب کے مشورے سے طے پا جائیں اس کو منگنی کی رسم کہتے ہیں [1]

منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے رشتہ کی درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اپنے اطمینان کے بعد درخواست قبول کر لیتے ہیں اسی کا نام منگنی ہے۔مگر یہاں اس مختصر سے عمل کو مختلف رسومات کے ذریعہ طویل بنا دیا گیا ہے۔یہ عمل مختلف طریقوں سے انجام پا رہا ہے۔گزرتے وقت کے ساتھ اس کے ناموں میں بھی تبدیلی آتی رہی ہے گو مقصد ہر زمانے میں ایک ہی رہا ہے۔

### ۱۔ بکرا کھانا:

پہلے زمانے میں جب لڑکے اور لڑکی والے ایک دوسرے کی طرف سے اطمینان کر لیتے تو لڑکی والے لڑکے والوں کی دعوت کرتے اور بکرا ذبح کر کے اس کا گوشت وغیرہ کھلاتے طعام سے فراغت کے بعد لڑکی والے زیور جوتوں اور کپڑوں وغیرہ کا مطالبہ کرتے۔ان مطالبات کے وقت لڑکے والوں کے مالی حالات اور لڑکی کے خاندان کی باقی عورتوں کو دیئے گئے زیورات کو مدِنظر رکھا جاتا۔اگر لڑکے کے والوں کو یہ مطالبات منظور ہوں تو پھر یہ رشتہ پکا سمجھا جاتا اس کو ''بکرا کھانے'' کی رسم کہتے تھے۔یہ ایک قسم کی منگنی ہوتی تھی۔

### ۲۔ ناٹھیوا:

رشتہ کی حامی کے بعد لڑکے والے کچھ رشتہ داروں اور دیگر مہمانوں کے ساتھ جن کی تعداد چالیس پچاس کے لگ بھگ ہوتی ہے۔لڑکی کے گھر جاتے ہیں۔اس سے قبل لڑکی کے لیے کچھ خریداری کی جاتی ہے۔جس میں ایک عدد سُرخ جوڑا،سُرخ جوتے اور اسی طرح کی دوسری زیبائش کی چیزیں ہوتی ہیں۔اب اُس دن لڑکی کو جوڑا پہنایا جاتا ہے اور اُسے سجایا جاتا ہے۔لڑکے والوں کی خاطر تواضع حسبِ استطاعت ہوتی ہے۔اس کے بعد لڑکی کو انگوٹھی پہنائی جاتی ہے۔جو لڑکے کے خاندان کی کوئی بزرگ خاتون پہناتی ہے۔بعض علاقوں میں اس موقعہ پر نکاح بھی کر دیا جاتا ہے۔بوقت نکاح پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔گولے داغے جاتے ہیں اور حاضرین میں مٹھائی تقسیم ہوتی ہے جو کہ ٹافیاں یا اسی جنس کی کوئی اور چیز ہوتی ہے۔ڈاکٹر صغیر کہتے ہیں۔اس علاقے میں شادی سے قبل ''منگنی'' کا رواج بھی ہے۔اسے ''ناٹھیوا'' یا ''ساون'' کہتے ہیں اس موقع پر دولہا ''بارات نما جلوس'' کے ساتھ لڑکی کے گھر جاتا ہے۔کسی قدر زیور بھی لے جاتا ہے اور پھر وہاں ''نکاح'' ہوتا ہے۔اور سب کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔رخصتی بعد میں ہوتی ہے۔لیکن رخصتی تک لڑکا لڑکی ایک

---

۱۔ کفایت اللہ، مفتی محمد، کفایت المفتی (ملتان: مکتبہ امدادیہ،س۔ن) ج:۹،ص:۸۵

سمجھا جاتا ہے اور ہر کوئی اس سے گریز کرتا ہے۔[۱]

ضلع بھمبر میں اس موقع پر لڑکے والے اپنے کچھ رشتہ داروں کے ہمراہ لڑکی والوں کے گھر جاتے ہیں لیکن لڑکا نہیں جاتا۔ لڑکی کے لیے انگوٹھی اور دوسری آرائش کی چیزیں ساتھ لے جاتے ہیں۔ لڑکی کو سجانے کے بعد لڑکے کے خاندان کی کوئی بزرگ عورت لڑکی کو انگوٹھی پہنا دیتی ہے۔ انگوٹھی پہنانے کے بعد لڑکی کو لڑکے والوں کی طرف سے سلامی دینے کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ اس موقع پر لڑکے والے مٹھائیاں اور کچھ خشک میوہ بھی ساتھ لاتے ہیں۔ لڑکی کو انگوٹھی پہنانے کے بعد مٹھائی اور میوہ جات اُس کی گود میں رکھے جاتے ہیں۔ اس موقع پر جمع ہونے والے لوگوں کی آؤ بھگت کی جاتی ہے اور اس پر جتنا خرچہ اُٹھتا ہے وہ سب لڑکے والے دیتے ہیں۔ خاندان میں سے ایک معتبر شخص یا اگر مولوی ہے تو وہ دُعا کرتا ہے اور رشتہ پکا ہونے کا اعلان کرتا ہے۔

شہروں میں منگنی کے نئے انداز اپنائے جا رہے ہیں اور اس پر بہت زیادہ روپیہ خرچ کیا جانے لگا ہے۔ چنانچہ راجہ خضر اقبال موجودہ طریقہ کار پر یوں نگاہ ڈالتے ہیں۔

> ''اب علاقہ میں منگنی کی رسم بڑی دھوم دھام سے منائی جاتی ہے۔ لڑکے والے لڑکی کے ہاں جاتے ہیں۔ کپڑے جوتے، زیور اور خورد و نوش کی اشیاء ساتھ لے جاتے ہیں۔ فوٹو گرافی کا خاص اہتمام کیا جاتا ہے۔ چند سالوں سے ویڈیو فلم کا رواج بھی ہو گیا ہے۔ لڑکے کی ماں یا بہنیں لڑکی کو انگوٹھی پہناتی ہیں۔ لڑکے اور لڑکی کو اکٹھا بٹھا کر فلم بنائی جاتی ہے۔...... اگر اس رسم کا عمیق جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ.......... مختلف خاندانوں میں اس سلسلہ میں فرق اور اختلاف موجود ہے۔ کچھ خاندان اس رسم پر بہت زیادہ خرچ کرتے ہیں اور کچھ لوگ اب بھی سادہ انداز سے انجام دیتے ہیں''[۲]

**جوڑا اور سلامی:**

منگنی کی تقریب کے اختتام پر جب سسرال والے واپس جانے لگتے ہیں تو لڑکی والے انہیں ایک گٹھڑی تھماتے ہیں۔ جس کو ''چوڑ'' کہا جاتا ہے۔ یہ چوڑ لڑکے والے گھر لاتے ہیں تو پھر اس کو سب کے سامنے کھولا جاتا ہے۔ اس میں لڑکی والوں کی طرف سے کچھ چیزیں اور تحائف وغیرہ ہوتے ہیں۔ بعض جگہوں پر اس کو ''شگن'' کہا جاتا ہے۔ جب اُسے کھولا جاتا ہے تو اس میں لڑکی والوں کی طرف سے بھیجی جانے والی چادر جو کہ لڑکے کے لیے ہوتی ہے۔ اوڑھا کر بٹھایا جاتا ہے اور پھر اس کو سلامی دی جاتی ہے۔ اس موقع پر فریقین کا آپس میں کپڑوں کے جوڑوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ پہلے لڑکے والے لڑکی والوں کے لیے کپڑے لے کر جاتے ہیں اور پھر اس رسم کو نبھاتے ہوئے لڑکی والے بھی لڑکے کے گھر والوں کو کپڑوں کے جوڑے دیتے ہیں۔

**چینی بانٹنا:**

کچھ اضلاع میں منگنی کے موقع پر چینی بانٹنے کی رسم بھی پائی جاتی ہے۔ ہوتا کچھ یوں ہے کہ اس موقع پر جتنے مہمان تشریف لاتے ہیں سب کو کلو یا ڈیڑھ کلو کے حساب سے چینی تقسیم کی جاتی ہے۔

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۰

۲۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب و ثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۲

سرخ رنگ کا تھیلا۔

بعض علاقوں جیسے کوٹلی، میرپور وغیرہ میں جس دن منگنی ہوتی ہے تو لڑکے والے ایک سُرخ رنگ کا تھیلا جس کے اوپر گوٹا وغیرہ لگا ہوتا ہے۔ خاص طور پر تیار کرتے ہیں۔ اس کو میوہ جات ڈالنے کے لیے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس طرح لڑکی کے لیے بھی اسی طرح کی پوٹلی تیار کی جاتی ہے۔ اس میں لڑکی کے لیے خشک میوہ جات ''سکڑا'' (اخروٹ کے درخت کے بیرونی چھلکے کو کہتے ہیں) سرمہ مہندی سُرخ دھاگے میں لپیٹ کر اور ۱۰۱ روپیہ یہ سب چیزیں اس پوٹلی کے اندر رکھتے ہیں۔ اب جب لڑکی تیار ہوتی ہے تو یہ پوٹلی اس کی گود میں کوئی بزرگ خاتون یا بھابی رکھتی ہے۔ اس کے بعد لڑکی والے لڑکے والوں کو اس خشک میوہ میں سے، تیسرا حصہ ساتھ میں مٹھائی اور لڑکے کے لیے سٹیل یا پیتل کا گلاس پلیٹ اور ۱۰۱ روپیہ ''شگن'' کے طور پر دیتے ہیں اور ساتھ میں لپیے والی چادر بھی دیتے ہیں۔

## منگنی اور شادی کا درمیانی وقفہ:

منگنی کا سلسلہ بعض اوقات لمبے عرصے تک چلتا ہے اور کبھی جلد ہی شادی کر دی جاتی ہے۔ منگنی کا عرصہ طویل ہونے کی صورت میں اہم تہواروں اور موقعوں پر لڑکے والوں کی طرف سے لڑکی کے لیے جو اب ''منگیتر'' کہلاتی ہے، کپڑے اور دوسری چیزیں بھیجی جاتی ہیں۔ منگنی کے بعد دونوں خاندانوں کا ایک دوسرے کے ہاں آنا جانا شروع ہو جاتا ہے اور تعلقات میں پختگی آنے لگتی ہے۔ اگر اس دوران دونوں خاندانوں میں کوئی اہم واقعہ (مثلاً کوئی فوتگی یا شادی بیاہ) رونما ہو جائے تو پھر اس صورت میں لڑکا اور لڑکی بھی ایک دوسرے کے ہاں چلے جاتے ہیں۔

## خلاصہ بحث:

۱۔ خطہ کشمیر اپنی ایک منفرد ثقافت اور رسم و رواج رکھتا ہے۔ شادی کا عمل یہاں کے اپنے رواج کے مطابق ترتیب پاتا اور اختتام پذیر ہوتا ہے۔

۲۔ یہاں رشتہ قائم کرنے کے لیے ذات برادری اور خاندان کا خیال رکھا جاتا ہے۔

۳۔ کشمیری رشتہ والدین کی رضامندی سے طے کرتے ہیں۔

۴۔ رشتہ کے لیے تحریک لڑکے والوں کی طرف سے کی جاتی ہے۔

۵۔ رشتہ سے قبل لڑکی دیکھنا ضروری خیال کیا جاتا ہے۔

۶۔ لڑکی کے انتخاب میں "سلیقہ شعاری" اور "سگھڑ پن" کو ترجیح دی جاتی ہے۔

۷۔ اب لڑکے یا لڑکی کا تعلیم یافتہ ہونا قابل تعریف سمجھا جانے لگا ہے۔

۸۔ آزاد کشمیر میں شادی سے قبل "ناٹھیوے" کی رسم ادا کی جاتی ہے جو کہ ایک قسم کی منگنی ہوتی ہے۔

۹۔ "ناٹھیوے" کے موقع پر لڑکی اور لڑکے والوں کے درمیان کچھ چیزوں کا تبادلہ ہوتا ہے۔ جس کو "چوڑی" کہا جاتا ہے۔

۱۰۔ کچھ اضلاع میں منگنی وغیرہ کے موقع پر چینی بانٹی جاتی ہے۔

۱۱۔ کچھ علاقوں میں منگنی کے موقع پر لڑکے والے لڑکی کے لیے سُرخ پوٹلی میں کچھ چیزیں ڈال کر لاتے ہیں۔ جیسے خشک میوہ جات، سکرا، مہندی وغیرہ۔

۱۲۔ آزاد کشمیر میں منگنی کے بعد بھی لڑکا اور لڑکی ایک دوسرے کے لیے اجنبی ہی رہتے ہیں اور تعلق بڑھانے کو برا خیال کیا جاتا ہے۔

## مبحث اوّل: شادی کے آغاز کی رسومات

### دن طے کرنا:

رشتہ پکا ہونے یا منگنی کے وقت ہی لڑکے والے اس بات کی طرف اشارہ کردیتے ہیں کہ کتنے عرصے میں اُنھوں نے لڑکی کی ''ڈولی'' لینی ہے۔ تاکہ ذہنی طور پر دونوں فریق تیار رہیں عموماً یُوں کہا جاتا ہے کہ لڑکے کا کوئی رشتہ دار مثلاً بھائی یا باپ وغیرہ بیرونِ ملک ملازمت میں ہوتو اُس کی آمد پر شادی کی جائے گی۔ بعض علاقوں میں کئی مرتبہ لڑکے والے بیاہ مانگنے جاتے ہیں۔ اُس کو ''بیاہ کی گنگن دھرنا'' کہتے ہیں۔ لڑکی والے ٹال مٹول سے کام لیتے ہیں۔ بالآخر لڑکے والوں کے اصرار پر لڑکی والے شادی کی حامی بھرتے ہیں۔ اب لڑکی والوں کے گھر دعوت ہوتی ہے۔ جس میں لڑکے والے اور کچھ لڑکی کے خاندان کے رشتہ دار بھی مدعو ہوتے ہیں۔ شادی کی تاریخ طے کی جاتی ہے۔ شادی کے لیے اکثر ہفتہ وار چھٹی اور اُس کے ساتھ والے دنوں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ آج کل اکثر شادیاں ہفتہ، اتوار کو انجام پاتی ہیں۔ منگل کا دن اِس کام کے لیے اچھا نہیں سمجھا جاتا۔ بعض علاقوں میں اس دن لڑکی والے زیور اور دوسری چیزوں کی مانگ دیتے ہیں۔ صغیر خان دن طے ہونے کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''شادی کی تاریخ مہینہ بھر پہلے طے ہوتی ہے۔ اسے ''تہاڑہ پہناں'' یا تاریخ بندھنا کہا جاتا ہے۔ اس کے پیچھے خیال کیا جاتا ہے کہ ''محرم'' نہ ہو۔ اس طرح پہلے وقتوں میں منگل کو ''نحس'' خیال کرتے ہوئے گریز کیا جاتا تھا۔ ''منگل وار''...... ''منگل مہوٹا'' ہوتا ہے''[۱]

راجہ خضر اقبال کہتے ہیں کہ:

> ''شادی کے سلسلہ میں یہ رواج دوسرے نمبر پر آتا ہے۔ بعض لوگ منگنی کے ساتھ ہی شادی کا دن طے کر دیتے ہیں۔ جن لوگوں نے شادی دیر سے کرنی ہوتی ہے وہ منگنی کے بعد شادی سے چند دن قبل دن طے کرتے ہیں۔ مقامی سطح پر اس کو ہم ''دیہاڑہ کرنا'' کہتے ہیں۔ اس موقع پر لڑکے والے لڑکی والوں کے ہاں اپنے کچھ قریبی دوستوں اور رشتہ داروں کے ہمراہ خورد و نوش کے سامان اور تحفے تحائف کے ساتھ جاتے ہیں۔ باہمی گفت و شنید کے بعد کوئی موزوں اور مناسب دن طے کرتے ہیں''[۲]

### رنگ چھڑکنا:

بعض اضلاع میر پور، بھمبر، کوٹلی وغیرہ میں دنوں کے تقرر والے دن منگنی کی ساری رسومات دہرائی جاتی ہیں۔ بعض علاقوں میں لڑکے والوں کے گھر عورتیں جمع ہوتی ہیں اور کبھی کبھار مرد بھی ہوتے ہیں اور لڑکی کے گھر جاتی ہیں۔ یہ ساری عورتیں سفید دوپٹہ اوڑھتی ہیں۔ لڑکی والی عورتیں اُن کے دوپٹوں پر رنگ چھڑک دیتی ہیں اور گولے داغے جاتے ہیں۔

---

۱۔ صغیر خان، محمد ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۰

۲۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۲

''اس موقع پر لڑکی والے آئے ہوئے مہمانوں پر رنگ انڈیلتے ہیں ۔اب رنگ لگانے والی رسم آہستہ آہستہ ختم ہو رہی ہے ۔مہمانوں کے واپس لوٹتے وقت لڑکی والے ایک تھیلے میں کچھ چیزیں بند کر کے لڑکے والوں کو دیتے ہیں ۔جسے وہ گھر جا کر کھولتے ہیں ۔اس تھیلے میں مذاق کے طور پر کچھ پُتلے بھی بنا کر رکھے جاتے ہیں''[۱]

**سامان کی خریداری:**

دنوں کے تقرر کے بعد شادی کی تیاریاں شروع ہو جاتی ہیں ۔دونوں گھرانوں میں بڑا جوش وخروش پایا جاتا ہے ۔دولہے کی بہنیں بھابیاں وغیرہ اس خریداری میں پیش پیش ہوتی ہیں ۔دلہن کے لیے مہندی والے دن کے لیے پیلے رنگ کا جوڑا خریدا جاتا ہے ۔بارات والے دن کے لیے سُرخ جوڑا خریدا جاتا ہے ۔شہروں میں جوڑوں کی جگہ لہنگا خریدا جانے لگا ہے ۔پہلے تو بارات والے دن کے لیے سُرخ رنگ ہی استعمال ہوتا تھا۔اب سُرخ کی ترجیح میں کمی آ رہی ہے ۔یہ خریداری دولہا والے ہی کرتے ہیں ۔بعض اضلاع مثلاً کوٹلی وغیرہ میں سامان کی خریداری کے موقع پر دلہن کو بھی اس میں شمولیت کی دعوت دی جاتی ہے ۔کوٹلی میں دلہن والوں کی طرف سے زیور، کپڑوں کا کوئی مطالبہ نہیں ہوتا بلکہ لڑکے والے سب اپنی مرضی سے خریدتے ہیں ۔اورلڑکی کی پسند کو ترجیح دی جاتی ہے ۔دلہا کے گھر والے دُلہن اور دولہا کے سامان کی خریداری کرتے ہیں اور لڑکی والے لڑکی کے لیے جہیز اور دوسری چیزیں خریدنے میں مصروف ہوتے ہیں۔

**درزی بُلانا:**

بعض لوگ جہیز اور بَری کے کپڑے سلوانے کے لیے درزی کو گھر بلاتے ہیں اور پھر اُس سے کچھ کپڑے سلواتے ہیں اور کڑھائی وغیرہ کرواتے ہیں ۔کچھ لوگ اُسی درزی کو گھر بٹھا کر کپڑے سلواتے ہیں ۔جبکہ بعض لوگ دوسرے درزیوں سے سلواتے ہیں ۔راجہ خضر لکھتے ہیں:

''کچھ علاقوں میں............اس کے بعد درزی کو گھر بلایا جاتا ہے ۔کہ وہ شادی کے کپڑے سیئے ۔جب درزی کپڑا کاٹنا شروع کرتا ہے تو ایک تقریب ہوتی ہے اُسے ''قینچی لگانا'' کہتے ہیں''

**دولہا کا جوڑا:**

دولہا کا جوڑا اُس کی بڑی بہنیں جو شادی شدہ ہوتی ہیں وہ تیار کرتی ہیں اور بارات والے دن ڈھول اور گیتوں کے ساتھ کچھ لوگوں کے ہمراہ لاتی ہے ۔اور دولہا بارات والے دن یہی جوڑا اور جوتے وغیرہ پہنتا ہے ۔

**مہندی مانیاں:**

شادی کا دن طے کرنے کے بعد لڑکے اورلڑکی کے گھر میں خوب گہما گہمی شروع ہو جاتی ہے ۔لڑکی کی سہیلیاں اور لڑکے کے دوست ان کے پاس جمع ہو جاتے ہیں ۔شادی سے چند دن قبل لڑکے کے ہاتھوں میں چھڑی یا عصا دے کر ایک ریشمی جوڑا پہنا کر گاؤں محلّے کی گلیوں میں چکر لگوایا جاتا ہے ۔اس موقع پر عورتیں ساتھ ساتھ شادی بیاہ کے رسمی گیت گاتی جاتی ہیں ۔جس گلی یا گھر کے قریب سے دولہا کا گزر ہوتا ہے لوگ دودھ یا شربت کے گلاس دولہے کو پلاتے ہیں ۔گھر واپس پہنچ کر ایک مخصوص نشست پر بٹھا دیا جاتا ہے ۔نائی (حجام) دعائے خیر پڑھ کر دولہے کے سر پر تیل لگاتا ہے ۔اس موقع پر گاؤں کے لوگ نائی کو روپے دیتے ہیں ۔نائی بلند آواز سے گھر کے

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۲، ۱۴۳

کی جائے، مٹھائی یا دیگر میوہ جات سے تواضع کرتے ہیں۔ یاد رہے کہ مہندی مانیاں کی رسم کی آگاہی نائی کے ذریعے ہوتی ہے۔ گاؤں کے لوگ اس اطلاع پر شام کے وقت پلیٹوں میں دانے لے کر دولہے والوں کے گھر نائی کو دیتے ہیں۔ جسے ''پیاتر'' کہتے ہیں۔ اس موقع پر دولہا کے دوست دولہے کے بازوں پر خشک میوہ جات سے بنے ہوئے گانے باندھتے ہیں۔

تقریباً اس طرح کی رسم لڑکی والوں کے گھر بھی ہوتی ہے۔ فرق صرف یہ ہے کہ لڑکی کو گلیوں میں نہیں پھیرا جاتا۔ لڑکی کے گھر میں لڑکی کی سہیلیاں اور گاؤں کی عورتیں ڈھولک بجا کر شادی کے گیت گاتی ہیں۔ اس موقع پر نائی کی بیوی لڑکی کے سر پر تیل اور ہاتھوں پر مہندی لگاتی ہے۔ یہاں بھی مہمانوں کی خوب خاطر تواضع کی جاتی ہے۔ مہندی مانیوں کی مذکورہ بالا رسومات مدتوں سے رائج چلی آ رہی ہیں۔ اس طرح کی رسومات ہندوستان میں بھی رائج ہیں۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ یہ فضول اور اضافی رسومات ختم ہو رہی ہیں۔ پڑھے لکھے لوگ اب ان سے کنارہ کشی کر رہے ہیں[1]۔

### دوست نامزد کرنا:

دونوں کے تقرر کے بعد دُلہن اور دولہا دونوں اپنے لیے دوست نامزد کرتے ہیں۔ یہ تعداد ایک بھی ہوتی ہے اور بعض اوقات تین چار بلکہ اس سے بھی تجاوز کر جاتی ہے۔ نامزد ہونے والے دوست اور سہیلیاں پھر شادی کے اختتام تک دولہا اور دُلہن کا ساتھ دیتے ہیں۔ اور اُن کا ہر طرح سے خیال رکھتے ہیں۔ زیادہ وقت اُن کے ساتھ گزارتے ہیں اور اکثر شادی کے بعد بھی یہ تعلقات قائم رکھے جاتے ہیں۔ بعض علاقوں میں جب دوست نامزد ہوتا ہے تو اُس کے گھر مٹھائی کا ڈبہ بھیج دیا جاتا ہے۔ اب جو دوست نامزد ہوتے ہیں دولہا اور دلہن والے اُس کے لیے بھی ہلکی پھلکی خریداری کرتے ہیں۔ لڑکے کے دوست کے لیے عموماً اُس طرح کو جوڑا خریدا جاتا ہے جو دولہے کا ہوتا ہے۔ دولہا اکثر سفید رنگ کے کپڑے بارات والے دن زیب تن کرتا ہے۔ مگر اب تو شیروانی وغیرہ جو کہ اکثر ریشمی ہوتی ہے کا رواج چل پڑا ہے۔ اس طرح دوست بھی دولہے کے لیے کچھ تحائف لاتا ہے۔ اُدھر لڑکی کی سہیلی بھی دُلہن کے لیے حسبِ استطاعت خریداری کرتی ہے۔ اور بعض جگہوں پر مہندی والے دن سہیلی کی طرف سے جوڑا پہنایا جاتا ہے۔

ڈاکٹر صغیر خان دوست نامزد کرنے کے طریقہ کار کی وضاحت یُوں کرتے ہیں:

''دولہا کے ''شہہ بالا'' (دوست) کی طرح دلہن کی ''دوستانی'' (سہیلی) ہوتی ہے جس کا باضابطہ انتخاب ہوتا ہے۔ اس معاشرے میں عام ''دوستی'' کے ساتھ ساتھ شادی کی دوستی یعنی ''دوستانی'' اور شہہ بالا'' ایک بھرپور تعلق و رشتہ کی غماز ہوتی ہے اور دوسرے رشتوں کے برابر اہمیت کی حامل ہوتی ہے۔ یہ دوستی ہر حال میں نبھائی جاتی ہے''[2]

### لکڑیاں کاٹنا:

آزاد کشمیر میں شادی کے موقع پر مہمانوں کی آؤ بھگت کے لیے جو کھانے تیار کروائے جاتے ہیں وہ شادی والے گھر میں ہی پکتے ہیں۔ اب شہروں میں اکثر لوگ اس مقصد کے لیے ہوٹلز وغیرہ بک کرواتے ہیں۔ اس طرح کھانا ہوٹل والے ہی سرو کرتے ہیں۔ دیہاتوں میں شادی کا کھانا تیار کرنے کے لیے ''چریں'' بنائی جاتی ہیں۔ پھر ان میں آگ جلا کر کھانا تیار کیا جاتا ہے۔ اس مقصد کے لیے شادی کے دن طے ہونے کے بعد کوئی ایک دن متعین کیا جاتا ہے۔ اس دن رشتہ دار اور کچھ پڑوسی حضرات مل کر کوئی درخت کاٹتے ہیں۔

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۳

۲۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۱

والوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے اور یہ عمل دونوں گھرانوں یعنی لڑکے اور لڑکی دونوں کے ہاں انجام پاتا ہے۔ بعض لوگ اس موقع پر ٹیپ پر موسیقی سننے سنانے کا اہتمام بھی کرتے ہیں۔

**ڈھولکی، لاؤڈ سپیکر:**

دن طے ہونے کے بعد اکثر گھروں میں گانے بجانے کے لیے ٹیپ ریکارڈ استعمال ہوتے ہیں اور لاؤڈ سپیکر نصب کیے جاتے ہیں۔ اس طرح گانوں کی آواز دوسرے ایک دو دیہاتوں تک پہنچ رہی ہوتی ہے اور دور سے نشاندہی ہو جاتی ہے کہ فلاں گھر میں شادی ہے۔

**مٹی لانا:**

آزاد کشمیر میں پہلے وقتوں میں گھر کچے ہوتے تھے۔ اب پختہ اور پکے مکانات کا رواج بڑھ رہا ہے۔ کچے گھروں کی دیواریں اور فرش لیپائی کرنے پڑتے ہیں۔ یہاں شادی کی رسومات کے سلسلہ میں ایک رسم ''مٹی'' بھی ہوتی ہے۔ دلوں کے چناؤ کے بعد ایک دن محلّے کی عورتیں اور کچھ رشتہ دار عورتیں مل کر کہیں دور سے مٹی لاتی ہیں۔ فرش پر لیپائی کے لیے ''ریت'' اور ''رتی مٹی'' اور دیواروں کی سفیدی کے لیے ''گولا'' استعمال ہوتا ہے۔ جو کہ اکثر نمی والی جگہوں پر پایا جاتا ہے۔ مٹی لانے والی عورتیں مخصوص قسم کے گیت گاتی ہیں۔ اگر ''مٹی لانے'' کی رسم لڑکی کے گھر ہو رہی ہے تو عورتیں اس طرح گیت گاتی ہیں۔

کیتھو تھی آیئے ناجو مٹی وے تواڑی
کیتھو تھی آیا چرخالال وے بنیاں
کس جے چائیاں مڑیاں پونیاں اُگل گونیاں
کس جے چایا چرخاں لال وے بنیاں
سسوں جے چائیاں مڑیاں پونیاں
سورے جے چایا چرخالال وے بنیاں

اگر یہ رسم لڑکے کے گھر میں ہو رہی ہو تو عورتیں اس طرح گیت گاتی ہیں:

کیتھو تھی آیا لالا سیرا وے تواڑا
ڈورا لا ہورا محرم طوطا وے جیا
کیتھو تھی آیا لالا گانا وے تواڑا
ڈورا لاہورا محرم طوطا وے جیا
محرم طوطا وے جیا دل اُداسی وے رہ

ڈاکٹر صغیر خان اس رسم کے بارے میں لکھتے ہیں:

''اس دن محلّے کی عورتیں اکٹھی ہو کر کچھ دُور سے مکان کی لیپائی کے لیے مٹی اور سفیدی کے لیے ''گولا'' لانے جاتی ہیں۔ یہ عورتیں ٹولیوں کی شکل میں مختلف گیت گاتی جاتی ہیں۔ سروں پر ٹوکریاں، لبوں پر گیت، چہرے پر شرارت بھری مسکراہٹ، دلوں میں مچلتے ارمان، اُخوت، پیار محبت...... ایک دیکھنے سے تعلق رکھنے والا ماحول ہوتا ہے''[1]

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۰

### ن ارچہ

شادی کے موقع پر استعمال ہونے والی اشیائے خورد نوش کو کچھ دن پہلے منگوایا جاتا ہے۔ بازار سے سامان کی خریداری کے بعد محلّے کے لڑکے مل جُل کر سامان گھر تک پہنچاتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں سڑکیں نہ ہونے کے باعث یہ کام کافی دقت طلب ہوتا تھا مگر اب ٹرانسپورٹ کے باعث پیدل راستہ کم ہوگیا ہے۔اس دن جو سامان وغیرہ لایا جاتا ہے۔اس کو ''خرچہ'' یا جنس کہتے ہیں۔ اس دن گولے داغے جاتے ہیں اور مخصوص گیت گائے جاتے ہیں۔

جب شادی میں راشن کا ''خرچہ'' آتا ہے تو گولے پھٹتے ہیں۔اس طرح کے گیت گائے جاتے ہیں۔

وچّی تیری چادر ویرا
مہنڈیرا رنگانیاں
شادی میرے ویر نی
میں خرچہ منگانیاں

### چاول چھٹنا:

خرچہ آنے کے بعد محلّے کے مرد، عورتیں، شادی کے کام میں جُت جاتے ہیں۔مرد اکٹھے ہو کر لکڑیاں کاٹتے ہیں۔ عورتیں لیپاں صفائی کرتی ہیں۔ رات کو شادی والے گھر خوب ''میلہ'' رہتا ہے۔عورتوں کی باتیں قہقہے، مذاق، لوک گیت...... (گائیں ......... (لوک گیتوں کو یہاں ''گالیں'' کہا جاتا ہے)......... مردوں کی بحث، ٹھٹھا، اور تاش کی بازی......... جب شادی کی تاریخ قریب آجاتی ہے تو محلّے کی عورتوں کو باضابطہ دعوت دے کر ایک دن بلایا جاتا ہے کہ ''چاول چھٹنے'' ہیں۔اب چاول صاف ہوتے ہیں اور اس طرح کی ''گالیں'' کانوں میں رس گھولتی ہیں۔

ساڑے چاولاں وچ کنیاں
چٹے چاولاں وچ کنیاں
سجن کھول توڑے نیاں تتیاں
پیارے بولدے کیا نہیں لے

چاول چھٹنے کے موقع پر یہ گیت بھی گائے جاتے ہیں:

چٹے چٹے چاول ندیاں نا پانی
چُھٹی چھٹی رکھنی اے راج والی رانی
راجا ساڑا چل گیا شہرو رُوز ولی شہرو رُوز ولی
ماڑاں تتیاں آنیاں کڑیاں نی جوڑی
تاں میں بول سکیں دلا مانا کھولی

### گیت بٹھانا اور ڈھولک رکھنا:

شادی سے تقریباً سات دن قبل دولہے والے اپنے دوست احباب اور رشتہ داروں کو رات کے وقت گھر آنے کی دعوت دیتے

---

ا۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۳

مختلف گانے اور گیت گائے جاتے ہیں۔ان مہمانوں کی تواضع کے لیے کبھی چائے ،مٹھائی ،کبھی خشک میوہ جات ،کبھی حلوہ پوری ... کی مناسبت سے پیش کیے جاتے ہیں۔آنے والے رشتہ دار ساتھ میں ڈھول اور باجے والی ٹیم کو ساتھ لاتے ہیں اور ڈھول بجائے جاتے ہیں۔لڑکے بھنگڑا ڈالتے ہیں، ہوائی فائرنگ ہوتی ہے۔گولے وغیرہ داغے جاتے ہیں۔شہنائیاں وغیرہ بجتی ہیں۔رات گئے تک یہ سلسلہ جاری رہتا ہے۔اب شادی کے دن تک ایسا ہوتا رہتا ہے۔عورتیں نیچے فرش پر بیٹھ کر کچھ گیت شروع کرتی ہیں۔عموماً دو پارٹیاں ہوتی ہیں۔ایک پارٹی گیت شروع کرتی ہے تو دوسری اس کا جواب دیتی ہے۔اور یوں ایک سلسلہ چل پڑتا ہے۔گیتوں میں کچھ نصیحت آمیز باتیں بھی ہوتی ہیں۔جیسے:

**''نماز پڑھو وے بوھے آگے، میت کلمہ یاد کر و وے''**

کچھ جگہوں پر اس کا آغاز ایسے ہوتا ہے۔

**''وے میں پیراں دی مریدنی............**

## چینی کے لفافے:

بعض اضلاع ، میر پور بھمبر کے کچھ علاقوں میں دنوں کے تقرر کے بعد دولہے کے گھر والے چینی کی بوریاں منگواتے ہیں۔دولہے کی ماں ،بہنیں ، خالائیں ، پھوپھیاں وغیرہ لفافے تیار کرتی ہیں اور چینی کی ایک مقدار مقرر کر کے لفافوں میں بند کی جاتی ہے اور تھال والے دن اُس کا استعمال ہوتا ہے۔

## تھال:

شادی کی مخصوص رسموں کا آغاز تھال سے کیا جاتا ہے۔سب سے پہلے حلوہ اور چائے بنا کر عام اعلان کر کے لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے اور دُعا کی جاتی ہے۔پھر مختلف خواتین وحضرات جو اس محفل میں شریک ہوتے ہیں وہ دس ،بیس یا پچاس روپے دیتے ہیں یہ اس بات کی غمازی ہوتی ہے کہ اس طرح اس رسم میں شرکت کرنے والوں کی یاد باقی رہے گی۔ایک رجسٹر میں باقاعدہ ان کا اندراج ہوتا ہے اور پھر ریکارڈ محفوظ رکھا جاتا ہے۔لوگوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے۔کھانے میں گوشت ، پلاؤ ، روٹی ، زردہ وغیرہ دیا جاتا ہے۔اب مہمان عورتوں کو چینی کے لفافے جو پہلے تیار کر کے رکھے گئے ہوتے ہیں۔دیئے جاتے ہیں۔بعض اوقات ان میں چینی کے ساتھ بتاشے، مکھانے پارے، وغیرہ بھی ہوتے ہیں۔دولہے کو تھال والے دن مخصوص چوکی پر بٹھایا جاتا ہے۔پھر ایک دھاگہ یا خشک میوہ جات کو پرو کر بنایا ہوا دھاگہ اُس کو اُس کے دوست بطور ''گانا'' باندھتے ہیں۔پھر خواتین دولہے کو سُرخ رنگ کا دوپٹہ اوڑھاتی ہیں۔پھر اُسے کچھ دور تک لے جایا جاتا ہے اور ساری عورتیں اُس کے ساتھ چلتی ہیں اور ایک ڈنڈے میں مصنوعی پھولوں سے پروئی ہوئی لڑیاں جنہیں مقامی زبان میں ''چھٹیاں'' کہا جاتا ہے وہ باری باری اُس کے سر پر جھلاتی ہیں اور اس موقع کے مخصوص گیت گائے جاتے ہیں۔

## مانی آئی:

اس معاشرے میں شادی سے کم از کم ایک ہفتہ پہلے ''مانی آئی'' کی رسم ہوتی ہے۔بعض جگہوں یہ مانی والے دن لڑکا اور لڑکی اپنے دوست اور سہیلیاں نامزد کرتے ہیں۔اس رات دولہا اور دُلہن کو عورتوں کے جھرمٹ میں کچھ دور تک لے جایا جاتا ہے۔پھر اُس کو واپس لا کر مخصوص جگہ پر بٹھایا جاتا ہے۔پھر دولہا ، دُلہن کے قریبی رشتہ داروں میں سے کوئی اُس کے الٹے ہاتھ پر مہندی لگاتا ہے۔پھر دولہے کا دوست اور دُلہن کی سہیلی اُن کے دائیں ہاتھ میں ''گانا'' باندھتے ہیں۔پھر چوری پہلے ''معراج'' ( آزاد کشمیر میں دولہا دلہن

کے لیے لفظ "معراج" استعمال ہوتا ہے) کھلائی جاتی ہے اور اس کے بعد وہاں پر موجود سب لوگوں کو تھوڑی تھوڑی چائے پلائی جاتی ہے۔ آئے ہوئے مہمانوں کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ پہلے وقتوں میں مہمانوں کو دال چاول کھلائے جاتے تھے۔

## مانی اور دعوتیں:

مانی آئی کی رسم کے بعد دولہا، دُلہن کے رشتہ دار اور پڑوسی باری باری مانی کھلاتے ہیں۔ "مانی" ایک خاص قسم کی روٹی جس کو خشک آٹے میں پانی ڈال کر اور آٹے کا پیسٹ بنا کر توے پر پھیلایا جاتا ہے پھر اُس کو پکایا جاتا ہے) تیار کر کے دولہا، دُلہن کو گھر لے آتے ہیں۔ ہر روز کوئی نہ کوئی مانی لاتا ہے۔ اب مانیوں کا رواج ماند پڑ رہا ہے۔ اس کی جگہ چٹ پٹی دعوتوں نے لے لی ہے۔ شادی کی تاریخ طے ہونے کے بعد دعوتوں کا سلسلہ شروع ہو جاتا ہے۔

ڈاکٹر صغیر خان لکھتے ہیں:

> "مانی" کے بعد لڑکے کو اس کے تعلق دار اپنے اپنے گھروں میں دعوتیں کھلاتے ہیں۔ دعوت کھانے وہ اپنے دوست (شہہ بالا) اور دوسرے احباب کے ساتھ جاتا ہے۔ اس موقع پر بھی خوشی کے اظہار کے لیے گولے چھوڑے جاتے ہیں۔ یہ دعوت بھی "مانی" کہلاتی ہے"[1]

پہلے وقتوں میں دعوتیں اتنی پُر تکلف نہیں ہوتی تھیں۔ اکثر لوگوں نے گھر میں مرغ پال رکھے ہوتے تھے اور اس موقع پر گھر کے مرغوں کو ترجیح دی جاتی تھی۔ اب اُس کی جگہ اور مختلف انواع کے کھانے تیار کیے جاتے ہیں۔ ڈشز کی تعداد بڑھتی جا رہی ہے۔ مشروبات بھی پیش کیے جانے لگے ہیں۔

## دعوت نامے:

آزاد کشمیر میں شادی میں دعوت دینے کے بھی مختلف طریقے رائج ہیں:

۱۔ کچھ علاقوں (بھمبر، کوٹلی وغیرہ) میں دعوت دینے کا کام "نائی یا موچی" وغیرہ کے ذریعے کروایا جاتا ہے۔ یہ جس گھر میں بھی دعوت دیتا ہے وہاں کچھ مٹھائی بھی دیتا ہے اور لوگ واپس اُس کو کچھ رقم دیتے ہیں۔

۲۔ دولہا، دُلہن کے بھائی، بہنیں یا دیگر قریبی رشتہ دار لوگوں کو گھر گھر جا کر دعوت دیتے ہیں۔ مردوں کو دعوت مرد دیتے ہیں اور عورتوں کو دعوت دینے کے لیے عورتیں ہی جاتی ہیں۔ دُور دراز کے رشتہ داروں کو دعوت دینے کے لیے بھی کوئی اُن کے گھر جاتا ہے۔

۳۔ معمولاتِ زندگی میں دیگر تبدیلیوں کے ساتھ ساتھ اب دعوت دینے کا کام بھی مختلف طریقے سے کیا جانے لگا ہے۔ دعوت کے لیے شادی کارڈز تیار کروائے جاتے ہیں۔ ایک ہی کارڈ پر مہندی، بارات اور ولیمہ کی دعوت دے دی جاتی ہے۔ بعض لوگ الگ الگ کارڈ بھی چھپواتے ہیں۔ یہ کارڈ دُور کے تعلق داروں کے لیے بھیجے جاتے ہیں۔

۴۔ دعوت کے لیے اب موبائل فون بھی استعمال ہونے لگے ہیں۔ مصروفیت کے باعث اب فون کا استعمال زیادہ کیا جانے لگا ہے۔ جہاں کارڈز پہنچانا مشکل ہو، وہاں فون پر دعوت دے دی جاتی ہے۔

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۱

''شادی میں دعوت دینے سے پہلے باہمی مشورے سے حد مقرر کی جاتی ہے۔ عام لوگ کم از کم پوری برادری یا گاؤں کو دعوت دیتے ہیں کہ یہی لوگ خوشی غمی کے ساتھی ہوتے ہیں۔ اور ''قبر کاٹھ'' کرتے ہیں۔ عورتوں کو گھر دعوت دی جاتی ہے۔ دعوت گھر گھر جا کر دی جاتی ہے۔ اسے ''تہاونا'' کہتے ہیں۔ کسی اور طرح سے دی جانے والی دعوت کمتر خیال کی جاتی ہے۔ برادری کے علاوہ رشتہ داروں، تعلق داروں اور بالخصوص محلّے کی ''دھی بھین'' جو دُور بیاہی ہوتی ہیں کو بہر حال اہتمام سے بلایا جاتا ہے اور اسے اُن کا حق اور اپنا فرض جانا جاتا ہے کہ لڑکی بڑی ''سب کی ہوتی ہے''.......... جن لوگوں کو دعوت دی جاتی ہے وہ اکثر شادی میں شریک ہوتے ہیں۔ اگر کسی کو دعوت نہ دی جائے تو ''ناراضگی'' یعنی ''رُوسا'' ہو جاتا ہے۔ کبھی کبھی یُوں بھی ہوتا ہے کہ کسی ناراضگی کے باعث کوئی فرد شادی میں شامل نہیں ہوتا یا اُسے دعوت نہیں دی جاتی تو اس کا ''ٹبر قبیلہ'' بھی اُس کے ساتھ شادی چھوڑ دیتا ہے.......... اسے ''ٹھنگ پہننا'' کہتے ہیں۔[1]

## تند:

بعض خاندانوں میں شادی سے کچھ دن قبل ''معراج'' کو کلائی پر دھاگہ باندھا جاتا ہے۔ بعض علاقوں میں سرخ اور بعض میں کالے رنگ کا رواج ہے۔ اس کے بعد دُلہن گھر سے نہیں نکلتی۔ دھاگہ باندھنے کے بعد دُعا ہوتی ہے اور اس کے بعد طاق عدد میں تین پانچ یا سات عورتیں دُلہن کے گلے ملتی ہیں۔ میٹھے پراٹھے اور حلوہ بنا کر ''معراج'' کے سامنے رکھا جاتا ہے۔ دُعا کے بعد یہ چیزیں دُلہن کی سہیلیاں اُسے کھلاتی ہیں۔

پونچھ کی تہذیب وثقافت میں ہے کہ ''اس شام گھر میں دعوت ہوتی ہے اور دولہا کا دوست یا ''شہبالا'' اس کی کلائی پر ریشم کی خصوصی طور پر بنی ایک ڈوری باندھتا ہے۔ اسے ''تند'' کہا جاتا ہے۔ اب عورتیں گیت گاتی ہیں۔

**معراج پُھل گلابے ناں**
**پُھل لگار ویلی ساڑے باغ ناں**

اس کے بعد ''تِل چاولی'' جو ''گڑ'' کچے چاولوں اور تِلوں پر مشتمل ہوتی، تقسیم ہوتی ہے۔ اور ''مایاں'' بطور چوری (ایک خاص روٹی جو گھی میں گوندھ کر بنائی جاتی ہے) بانٹی جاتی ہیں''۔[2]

## مایوں بٹھانا:

یہاں شادی کی تیاریوں کے سلسلہ میں جو کام اور اہتمام کرنا ہوتا ہے اُس میں دُلہن بھی شریک ہوتی ہے۔ نکاح سے کچھ دن پہلے، دِنوں کی تعداد آگے پیچھے بھی ہو جاتی ہے۔ دُلہن کو ''مایوں'' بٹھا دیتے ہیں۔ لیکن اِس کو اِس رسم کے لیے خاص جوڑا نہیں پہنایا جاتا بلکہ میلے کچیلے کپڑے پہنے رہتی ہے۔ نہ نہاتی ہے نہ سنگار کرتی ہے اور گھر کے کاموں میں دوسری عورتوں کی طرح مصروف رہتی ہے۔ شادی کے صرف تین دن پہلے جب ''تند'' باندھ دی جاتی ہے تو تب اس کو گھر کے کاموں سے فرصت ملتی ہے۔ جب لڑکی کو ''مایوں'' بٹھاتے ہیں تو ایک عورت اُس کے پاس ٹوکری لے کر کھڑی ہوتی ہے اور باقی عورتیں اُس میں پیسے ڈالتی ہیں۔

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۲، ۱۳۲

۲۔ ایضاً، ص، ۱۲۰، ۱۲۱

کچھ جگھوں پر اب یہ رواج بھی چل پڑا ہے کہ شادی سے دو تین دن قبل ''بری'' کا سامان دُلہن کے گھر بھیج دیا جاتا ہے۔ اسے ''بکسا بھیجنا'' کہتے ہیں۔ بکسے کے ساتھ ایک دو مرد اور باقی عورتیں جاتی ہیں۔ 'بکسا' اکثر نائی اٹھا کرے جاتا ہے۔ بکسے کے ساتھ آنے والے افراد کو کھانا وغیرہ کھلایا جاتا ہے۔ اب دولہے کی کوئی قریبی عورت ''بکسا'' کھولتی ہے اور تمام سامان ''دُلہن'' والوں کو دکھایا جاتا ہے۔ اگر کوئی کمی بیشی ہو تو شادی کے دن تک پوری کر دی جاتی ہے۔

آج کل شادی کا تصور کے مہندی کے بغیر بالکل اُدھورا ہے۔ بعض جگہوں پہ اس تقریب میں شادی سے زیادہ اہتمام [illegible] جاتا ہے۔ رسم حِنا بندی بارات سے ایک دن پیشتر عمل میں آتی ہے۔ آزاد کشمیر میں یُوں تو شادی کی رسومات کا آغاز کئی دن قبل ہو جاتا ہے۔ مگر رسم مہندی کو ایک خاص مقام حاصل ہے۔ مہندی پر پہنچ کر رسومات کا سلسلہ عروج پکڑ لیتا ہے۔

یہاں مہندی والے دن تک شادی کی تمام تیاریاں مکمل ہوتی ہیں۔ مہمانوں کے بیٹھنے کے لیے محلّے بھر کے گھروں سے کرسیاں جمع کر لی جاتی ہیں۔ مہمانوں کو کھانا کھلانے کے لیے محلّے کے قریبی گھروں سے برتن وغیرہ بھی جمع کر لیے جاتے ہیں۔ اس طرح باقی ضرورت کی چیزیں مثلاً دیگیں، پانی کے ڈرم وغیرہ سب اکٹھے کر لیے جاتے ہیں۔

ڈاکٹر صغیر خان لکھتے ہیں:

"شادی کے کام بھی باہمی طور پر مل کر کیے جاتے ہیں اور سامان بھی محلّے سے اپنی مدد آپ کے تحت اکٹھا کر لیا جاتا ہے۔ بستر چارپائیاں، دیگیں، تھالیاں .......... سب کچھ لوگ خود جمع کرتے ہیں .......... کھانا بھی خود پکاتے ہیں۔ کھلاتے بھی خود ہیں۔ اسے "برتانا" کہتے ہیں۔ بعض علاقوں میں "نائی کھانا پکاتے ہیں۔ اب سامان اگرچہ ٹینٹ سروس سے آتا ہے اور کھانا پکانا "کیٹرنگ والے" کرتے ہیں۔ لیکن مقامی لوگ اس سارے عمل میں برابر کے شریک رہتے ہیں"[1]

## چراغاں:

اکثر لوگ مہندی والی شام گھر کو خوبصورت قمقموں سے سجاتے ہیں۔ پورے گھر میں چراغاں کیا جاتا ہے اور ہر شادی والوں کا گھر اِن رنگ برنگے قمقموں میں نمایاں نظر آتا ہے۔

## مہندی بھگونا:

دن کے وقت محلّے کی کچھ عورتیں جمع ہوتی ہیں۔ عموماً دو بجے کا وقت ہوتا ہے۔ ساری عورتیں مل کر ایک بڑے برتن میں مہندی بھگوتی ہیں۔ اس وقت گولے چھوڑے جاتے ہیں اور عورتیں مہندی کے گیت گاتی ہیں۔

مہندی کولنے نے ویلا گن گن آیاں دے ویرا
اک خالاں دی اے اپنی باقی سب پرائیاں دی یرا

لڑکی کے لیے اس طرح گیت گاتی ہیں:

مہندی کولنے نے ویلا گن گن آیا دے تاجو
دوستانیاں اپنیاں اور لوک پرائے دیں تاجو
مہندی لاول پیرا میں چلی آں
اگیں لائی وہ گیا ملیار مہندی اَج ڈہ بنی

---

۱۔　صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۳۲،۱۲۲

مہندی رنگیائے بوٹی معراج مہندی اج ڈہ بنی

مہندی رنگیائے سارا پہاڑ مہندی اج ڈہ بنی

### کُرسی سجانا:

مہندی والے دن دولہا اور دُلہن کے لیے کُرسی سجائی جاتی ہے۔بعض لوگ بازار سے کُرسی خرید لاتے ہیں۔لیکن کچھ لوگ گھروں میں ہی کُرسی سجاتے ہیں۔اُس کی آرائش کے لیے مختلف قسم کے تِلّے 'لڑیاں' اور پھول استعمال ہوتے ہیں اور کرسی کو پیلے رنگ کا 'کور' کیا جاتا ہے۔

### مہندی سجانا:

گُندھی ہوئی مہندی کو مختلف تھالوں میں، یا مہندی خوانوں میں رکھ کر اس میں شمعیں لگائی جاتی ہیں اور مختلف رنگ کے تِلّوں اور دھاریوں سے اس کو سجایا جاتا ہے۔

### دعوتِ طعام:

مہندی والے دن حسبِ استطاعت مہمانوں کی خاطر مدارت کی جاتی ہے۔جو پہلے وقتوں میں گندم کی روٹی، دال، سبزی، لسّی وغیرہ پر مشتمل کھانے سے کی جاتی تھی۔وقت کے ساتھ کھانا بدلتا رہا ہے۔اب متوسط لوگ مہندی والے دن گوشت چاول کھلاتے ہیں۔لیکن امیر لوگ اس دن بھی مختلف ڈِشز تیار کرواتے ہیں۔دُلہن والے گھر میں برادری ورشتہ داروں کی عام دعوت عموماً مہندی والے دِن ہوتی ہے۔

### دُلہن کے گھر مہندی لے جانا:

مہندی والے دن یہاں پیلے رنگ کا استعمال زیادہ ہوتا ہے۔دُلہن کو اُس کی سہیلیاں سنوارتی ہیں اور پیلے رنگ کے کپڑے پہناتی ہیں۔اس طرح پیلے رنگ کی چوڑیاں، گجرے وغیرہ استعمال ہوتے ہیں۔مہندی میں شریک عورتیں بھی زیادہ پیلے رنگ کا لباس استعمال کرتی ہیں۔دولہا کے رشتہ دار گُندھی ہوئی مہندی خوانوں میں رکھ کر بڑی دھوم دھام سے دُلہن کے گھر جاتے ہیں۔دُلہن کو کرسی پہ بٹھایا جاتا ہے۔سہیلیاں ساتھ بیٹھتی ہیں۔دُلہن کے سامنے مہندی اور تیل رکھا جاتا ہے۔باری باری رشتہ دار آتے ہیں۔دُلہن کے پاس بیٹھتے ہیں۔دُلہن کے سر پر تھوڑا سا تیل ملتے ہیں اور اُس کے ہاتھ پر تھوڑی سے مہندی لگاتے ہیں۔دُلہن کو سلامی دی جاتی ہے۔اس موقع پر تصویریں بنائی جاتی ہیں۔تمام رشتہ دار باری باری دُلہن کے پاس بیٹھتے ہیں اور فوٹو گرافی ہوتی ہے۔اب اکثر لوگ شادی کی مووی/فلم بھی بنانے لگے ہیں۔ شادی کی مووی بنانے کے لیے پیشہ ور کیمرہ مین بلوائے جاتے ہیں جو شادی کی تمام اہم رسوم کو کیمرہ میں قید کرتے ہیں۔حتّی کہ کھانا کھانے کے دوران بھی اکثر لوگ مووی بنواتے ہیں۔یہی تمام رسمیں دولہا کے ہاں بھی ہوتی ہیں۔

### گانا باندھنا:

مہندی والے دن مہندی کی رسم ہوتی ہے۔جس میں اپنے اپنے گھر دولہا، دُلہن کو مہندی لگائی جاتی ہے۔اس وقت خصوصی گیت گائے جاتے ہیں۔اس تقریب میں دولہا کا ''شہہ بالا'' ''موتیوں'' ''ریشم'' اور تِلّے سے بنی ہوئی خوبصورت پٹی جسے ''گانا'' کہتے ہیں۔دولہا کی کلائی پر باندھتا ہے۔اس دوران عورتیں اس طرح کے گیت گاتی ہیں [1]

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۳، ۱۲۴

مدد کریاں مدد کریاں ذاتی والے نا بیڑا پار کریاں

اب ''چُوری'' بانٹی جاتی ہے۔اور ''تِل چاولی'' تقسیم ہوتی ہے۔لوگ گیت کا انداز یوں ہوتا ہے۔

تِل چاولی مہاڑی
تِل چاولی مہاڑی
کنی کنی بنڈھی
تِل چاولی مہاڑی
بڑیا ماتا بنڈھی
تِل چاولی مہاڑی

مہندی والی رات دُلہن کو اس کی ''دوستانی'' اور دوسری سکھی، سہیلیاں مہندی لگاتی، گانا باندھتی اور گیت گاتی ہیں۔

## ٹورنا:

اس رات کو ایک اہم رسم ''ٹورنا'' ہے۔اس میں خواتین دولہا کو رات کی تاریکی میں کچھ دور تک آہستہ آہستہ چلاتی ہوئی لے جاتی ہیں۔اس موقع پر بھی خوبصورت گیت گائے جاتے ہیں۔۔جیسے:

ٹُرنا ای تے ٹُر معراجا کیڑے ویلے نی آں کھلیاں
کھلیے کھلیے رات گزاری سڑن پیرا دی یاں تلیاں

دُلہن کے لیے بھی اس طرح گیت گائے جاتے ہیں:

مِھروی مِھروی بول معراجی نیمی نیمی ٹوری آ
تیرے سورے سڑک کھڈائی سونی گڈی لے کہ آ
تیرے پائیاں باغ لاوائے مِھرے میوے کھانی آ
مِھرے میوے کھانی آ کہ ڈولدے موتی چُننی آ
ڈولدے موتی چُننی آ ماتا دے سُخن سُنانی آ
ماتا دے سخن سنانی آ کہ بادل دی گلیاں سوانی آ

## کیک کٹوانا:

اب ''چُوری'' کی جگہ کیک نے لے لی ہے۔سپیشل آرڈر پر شادی مبارک کے کیک تیار کروائے جاتے ہیں۔مہندی والے دن جب دولہا دُلہن کو تیار کر کے سٹیج پر بٹھایا جاتا ہے۔اُس کے سامنے کیک رکھا جاتا ہے۔مہندی والے دن کا کیک [illegible] ''سہیلیاں'' لاتے ہیں۔پہلے دولہا، دُلہن سے کیک کٹوایا جاتا ہے۔پھر باری باری رشتہ دار اور دوست جب آتے ہیں [illegible] کیک کھلاتے ہیں اور سلامی دیتے ہیں۔اس موقع پر کیک اور مٹھائی وغیرہ حاضرین میں تقسیم کی جاتی ہے۔

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۳، ۱۲۴

**پانی کپنا:**

بعض علاقوں میں مہندی والی رات کی ایک اور دلچسپ رسم، "پانی کپنا" بھی ہوتی ہے۔ دولہا کو [illegible] کر پانی کے چشمے پر لے جایا جاتا ہے اور اس سے پانی میں تلوار پانی کاٹنے کے انداز میں چلوائی جاتی ہے[1]

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۴

**خلاصہ بحث:**

۱۔ آزاد کشمیر کے بعض اضلاع میں دنوں کے تقرر کے موقع پر منگنی والی ساری رسومات دہرائی جاتی ہیں۔

۲۔ اس موقع پر لڑکی والے آئے ہوئے مہمانوں پر رنگ انڈیلتے ہیں۔

۳۔ آزاد کشمیر کے اکثر علاقوں میں لڑکی والے ''زیور'' کا خود مطالبہ کرتے ہیں کہ زیور اتنے تولے ہونا چاہیے۔ بعض علاقوں میں لڑکے والے اپنی مرضی سے زیور اور دوسری اشیاء کی خریداری کرتے ہیں۔

۴۔ کچھ علاقوں میں شادی کے کپڑے سینے کے لیے درزی کو گھر بٹھایا جاتا ہے۔

۵۔ میرپور اور کچھ دوسرے ضلعوں میں دولہا کا ''جوڑا'' اُس کی شادی شدہ بہنیں تیار کرتی ہیں۔

۶۔ آزاد کشمیر میں شادی کے موقع پر دولہا اور دُلہن اپنے لیے باقاعدہ دوست نامزد کرتے ہیں۔

۷۔ دنوں کے تقرر کے بعد ''مانی آئی'' کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ اس کے بعد رشتہ دار اور دوست احباب دولہا، دُلہن کو دعوتیں کھلاتے ہیں۔

۸۔ آزاد کشمیر میں دنوں کے تقرر کے بعد ''مٹی لانے'' کی رسم ادا کی جاتی ہے۔ عورتیں زور سے مٹی کھود کر لاتی ہیں۔ اور گھر بھر کی صفائی اور لپائی کی جاتی ہے۔

۹۔ جب شادی کا خرچہ (اشیائے خوردنی) آجاتا ہے تو پھر چاول چھٹنے کی رسم کی جاتی ہے۔

۱۰۔ کچھ لوگ شادی کے آغاز پر گھروں میں لاؤڈ سپیکر نصب کر دیتے ہیں اور اونچی آواز میں گانے بجائے جاتے ہیں۔

۱۱۔ آزاد کشمیر میں ''سدّا'' (دعوت) دینے کے لیے گھر گھر جاتے ہیں۔ عورتیں، عورتوں کے لیے ''سدّا'' دیتی ہیں۔ جبکہ مرد مردوں کو شادی کی دعوت دیتے ہیں۔

۱۲۔ کچھ علاقوں میں ''نائی'' یا ''موچی'' کے ذریعے یہ کام کروایا جاتا ہے۔

۱۳۔ آزاد کشمیر میں شادی سے کچھ دن قبل لڑکی اور لڑکے کو کلائی پر دھاگہ باندھ دیا جاتا ہے۔ اس کو ''تندا'' کی رسم کہتے ہیں۔

۱۴۔ امیر لوگ شادی کے موقع پر گھر میں چراغاں کرتے ہیں اور گھر کو رنگ برنگے قمقموں سے سجاتے ہیں۔

۱۵۔ مہندی والے دن لڑکے والے لڑکی کے گھر مہندی لے جاتے ہیں اور دولہا اور دُلہن کو مہندی لگائی جاتی ہے۔

۱۶۔ مہندی کی رات'' کی ایک اہم رسم ''ٹورنا'' ہے۔ گانا باندھا جاتا ہے اور آئے ہوئے مہمانوں کی خاطر تواضع کی جاتی ہے۔

# فصل پنجم: بارات اور [illegible] کی رسومات

## مبحث اوّل: بارات والے دن کی رسومات

### دوستی لانا:

مہندی کا دوسرا دن بارات کا دن ہوتا ہے۔ شادی کے لیے جو دوست نامزد ہوتے ہیں وہ بارات والے دن باقاعدہ دوستی لے کر آتے ہیں۔ ڈاکٹر صغیر لکھتے ہیں:

''اس دن دو پہر سے پہلے دُلہن کی ''دوستانی'' اپنے گھر سے عورتوں کی معیت میں دوستی لاتی ہے۔ ساتھ دُلہن کے لیے کپڑے، جوتا اور دوسرے تحائف بھی ............ اس طرح ''شہہ بالا'' بھی اپنے گھر سے بیسیوں لوگوں کے ساتھ ''دوستی'' لاتا ہے۔ جنہیں خصوصی طور پر اس کے لیے وہ مدعو کرتا ہے۔ جتنی بڑی ''دوستی'' ہوتی ہے۔ اتنا اچھا تاثر لیا جاتا ہے۔ دوستوں کی بھرپور خدمت کی جاتی ہے۔ دوستوں کی تعداد ایک سے زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔''[1]

### کڑھولی:

''کڑھولی'' ایک خاص رسم ہے جس میں شادی والے گھر سے عورتیں اکٹھی ہو کر ایک خاص گھڑا اُٹھا کر چشمے پر لے جاتی ہیں۔ کڑھولی کے لیے شیشوں اور مختلف قسم کی نقش و نگاری سے مزیّن مٹی کا گھڑا دولہے کی بہن اور دُلہن کی سہیلی سر پر اُٹھاتی ہے۔ گھڑے کو سُرخ کام دار دوپٹے سے ڈھانپا جاتا ہے۔ یہ گھڑا ایک خاص قسم کے ''اِنُّو'' پر اُٹھایا جاتا ہے۔ جو گھریلو عورتیں بڑی محنت سے تیار کرتی ہیں۔ خالی گھڑا جب اُٹھایا جاتا ہے تو اس میں ''تِلّو چاولی'' ڈال دی جاتی ہے۔ گھڑا اُٹھانے والی جب چلتی ہے تو باقی عورتیں جو زرق برق لباس میں ملبوس ہوتی ہیں ساتھ ساتھ چلتی ہیں اور گیت گاتی ہیں۔ اس طرح وہ کسی چشمے پر پہنچ جاتی ہیں۔ وہاں جا کر گھڑا سر سے اُتارا جاتا ہے اور تھوڑی سے تِلّو چاولی پہلے پانی میں پھینکی جاتی ہے۔ پھر باقی عورتوں میں تقسیم کر دی جاتی ہے۔ گھڑے میں پانی بھرنے سے پہلے ہاتھ سے پانی کاٹا جاتا ہے۔ گھڑے میں پانی بھرا جاتا ہے اور تین عورتیں مل کر گھڑا اُٹھاتی ہیں اور کڑھولی اٹھانے والی کے سر پر رکھتی ہیں۔ جب کڑھولی گھر کے نزدیک پہنچتی ہے تو عورتیں یہ گیت گاتی ہیں۔

''جاگ ''معراجی'' جاگ کہ پانی آیا اے''

''جاگ ''معراجا'' جاگ کہ پانی آیا اے''

گھر پہنچ کر کڑھولی اُٹھانے والی دولہا سے نیگ وصول کرتی ہے اور پھر گھڑا سر سے اُتارا جاتا ہے۔ اب اس پانی سے دولہا/ دُلہن غسل کرتے ہیں۔ دولہا جب غسل سے فارغ ہوتا ہے تو اُس کا دوست اُس کو وہاں سے اُٹھا کر لاتا ہے۔

### سہرابندی:

بارات والے دن دولہا اور اُس کا دوست ایک جیسے لباس پہنتے ہیں۔ جو سفید شلوار قمیض ہوتا ہے۔ یا ٹیٹی، پینی قمیض اور سفید شلوار یا کوئی اور سفیدی مائل ہلکا رنگ ایک جیسے جوتے ایک جیسی جرابیں، رومال ایک طرح کی ٹوپی، صافہ یا پگڑی، ایک جیسے سب کچھ

---

ا۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۴

اب کہیں کہیں بارات والے دن دولہا شیروانی، پہننے لگا ہے۔ جب دولہا تیار ہوتا ہے تو اس کے سر پر سفید اور سہرا ... ہوا ''سہرا'' باندھا جاتا ہے۔ جب دولہا مکمل تیار ہوتا ہے تو دولہے کی بہنیں اور دیگر رشتہ دار عورتیں دولہے کو نوٹوں کے ہار پہناتی ہیں ... باری باری ''ملتی'' ہیں اور سلامی دیتی ہیں۔ اب تو روانگی بارات سے قبل تمام رشتہ دار دولہا کے ساتھ تصاویر اور مووی بنواتے ہیں۔

## بارات کی روانگی:

بارات کی روانگی سے قبل دولہے اور بارات میں شامل لوگوں کو دہی چاول کھلائے جاتے ہیں۔ باراتیوں کی تعداد مختلف ہوتی ہے۔ بارات روانہ ہونے سے قبل دولہا کی بہنیں اُس سے ''لاگ'' وصول کرتی ہیں۔ ڈاکٹر صغیر بارات کی روانگی سے قبل کے منظر کو یوں بیان کرتے ہیں:

''بارات جس کو جنج '' کہتے ہیں کی روانگی سے قبل دولہا اور دوست کو ایک خاص اہتمام سے ایک جگہ بٹھایا جاتا ہے۔ ساتھ بزرگ بیٹھتے ہیں۔ عورتیں چاروں طرف سے گھیر لیتی ہیں۔ سامنے چُوری آتی ہے اور پھر ''نیوندرا'' ''بھاجی'' چھوڑی جاتی ہے .......... پہلے اپنے گھر کی عورتیں .......... ماں بہن بھتیجی، بھابی، چاچی ...... ساری عورتیں حسبِ استطاعت وخواہش ''نیوندرہ'' چھوڑتی ہیں۔ اب دُعا ہوتی ہے۔ اور بارات روانہ ہو جاتی ہے۔ دعاؤں کے زیرِ سایہ بڑوں کی زیرِ نگرانی بارات جاتے وقت بزرگ آگے ہوتے ہیں۔ دولہا اور اس کے شہ بالا ساتھ ساتھ چلتے ہیں .......... جتنی بڑی بارات جاتی، اتنا ہی دولہا کے خاندان کے متعلق مضبوطی کا ... ہے۔ گولے داغے جاتے ہیں اور بعض اوقات کچھ علاقوں میں ڈھول باجا اور سرنائی وغیرہ بھی بجتے ہیں''[۲]

راجہ خضر اقبال روانگی بارات کے متعلق لکھتے ہیں:

''مقررہ تاریخ کو دولہے والے اپنے قریبی رشتہ داروں اور اہلِ محلّہ کے ہمراہ لڑکی کے گھر روانہ ہوتے ہیں ... بارات کہتے ہیں۔ اکثر اوقات لڑکے کے عزیز دوست مختلف جگہوں یا گھروں میں بارات کو چائے پانی پلاتے ہیں۔ پہلے پہل دولہا دوستوں رشتہ داروں کے ہمراہ پیدل سفر کر کے لڑکی والوں کے گھر جاتا تھا۔ پھر ... گھوڑی پر بٹھایا جانے لگا اور اب بارات کاروں، بسوں اور ویگنوں پر جاتی ہے۔ اب دولہا کو ایک سجی ہوئی کار میں بٹھایا جاتا ہے دولہا کی گاڑی سب سے آگے ہوتی ہے۔ جب بارات دُلہن کے گاؤں میں پہنچتی ہے تو گاؤں کی عورتیں دولہے کو دودھ یا شربت کے گلاس پلاتی ہیں۔ اس موقع پر دولہا یا دولہے کے دوست دودھ یا شربت پلانے والوں کو روپے دیتے ہیں۔ بارات کے ساتھ نائی اور اس کی بیوی موجود ہوتی ہے۔ نائن کے پاس ... یا صندوق ہوتا ہے جس میں دُلہن کا مکمل لباس اور زیوارت ہوتے ہیں''[۳]

## بارات کا منظر:

پرانے زمانوں میں بارات بہت سادگی سے روانہ ہوتی تھی۔ باراتیوں کا اصل مقصد اور مدعا لڑکی والوں کے گھر ... سے ...

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۵

۲۔ ایضاً، ص: ۱۲۶

۳۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی، تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۴

کہ لوگ غریب ہوتے تھے۔ اُن کے پاس دُھوم دھام کے لیے روپے نہیں ہوتے تھے۔ جب سے علاقہ کے لوگ خوشحال ہوئے ہیں پُر تکلف اور فضول رسومات میں بندھ گئے ہیں، موجودہ دور میں بارات گولوں، شہنائیوں اور بارود کی بارش میں روانہ ہوتی ہے۔ گاڑیوں کی لامتناہی قطاریں رواں دواں ہوتی ہیں۔ ڈھول باجوں کی آواز میں کچھ سنائی نہیں دیتا۔ دولت کو پانی کی طرح بہایا جاتا ہے۔ اسلامی اور شریفانہ رسومات کو پاؤں تلے روندا جاتا ہے۔ ناچ ڈانس کرنے والے مردوں اور عورتوں کی سرکردگی میں بڑے بڑے شرفا اور سید زادگان کے گھر کا رُخ کرتے ہیں۔ دولہا اور اس کے والدین رشتہ دار اِن غیر شرعی رسومات پر بڑے فخر اور خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔

## استقبال بارات:

دولہا جب دُلہن کے گھر پہنچتا ہے تو باراتیوں کا پرتپاک استقبال کیا جاتا ہے۔ عورتیں باراتیوں پر پانی پھینکتی ہیں پھر پھول وغیرہ بعض اوقات ٹافیاں اور نوٹ بھی پھینکے جاتے ہیں اور چھوٹے بچے بچیاں ٹافیاں اور نوٹ وغیرہ چننے میں چھینا جھپٹی کرتے ہیں۔

## پلو پکڑائی:

کچھ علاقوں میں جب دولہا گھر پہنچتا ہے تو دُلہن کی بہنیں دولہا کو ہار پہناتی ہیں اور پھر قمیض کا پلّو پکڑ لیتی ہیں۔ دولہا جب ان کو منہ مانگے پیسے دیتا ہے تب وہ اس کا پلّو چھوڑتی ہیں۔ بارات جب گھر پہنچتی ہے تو عورتیں گیت گاتی ہیں۔

سجن سو یلا منگائے سجن چرکا کیوں آئے
سجناں نی خاطر کریل لیف تلائیاں بچھا کریں
سجن کوڑیاں منگائے سجن پیدل کیوں آئے
سجن چٹرے منگائے سجن میلے کیوں آئے
سجن ہوری ہوری لنگ، معرا جانیا پیا دروازے وے
بکریاں من معراجا نیا پیا دروازے وے

## قریبی مزار کو سلام کرنا:

بعض علاقوں میں دولہا بارات لے کر جب روانہ ہوتا ہے تو دُلہن کے گھر پہنچنے سے قبل قریبی کسی مزار پر جاتا ہے۔ اس کے بعد دُلہن کے گھر جاتا ہے۔

## بارات کا گھر میں داخل ہونا:

دولہا جب گھر پہنچتا ہے۔ تو سب سے پہلے دُعا مانگی جاتی ہے۔ اس کے بعد دولہے کے خاندان میں سے ایک معتبر شخص دلہن والوں کے کسی بزرگ شخص سے ملتا ہے اور دولہے والوں کی طرف سے لائی ہوئی مٹھائی ایک دوسرے کو کھلاتے ہیں۔ پھر اس کے بعد دلہن کے قریبی رشتہ دار دولہے والوں سے ملتے ہیں۔ اُس کے بعد انہیں گھر میں داخل ہونے کے لیے راستہ دیا جاتا ہے۔ پھر بچیاں اور دولہے کی سالیاں وغیرہ دولہے کو دودھ پلاتی ہیں۔ دولہا دودھ پلانے والیوں کو کچھ رقم دیتا ہے۔ پھر دولہا کو مخصوص جگہ پر جو اس کے لیے تیار کی گئی ہوئی ہے۔ بٹھایا جاتا ہے۔ دولہا کے ساتھ اُس کا دوست بھی ہوتا ہے۔

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۵

### باراتیوں کو کھانا کھلانا:

بارات کے استقبال کے بعد تمام باراتیوں کو کھانا کھلایا جاتا ہے ماضی میں کھانا سادہ دیا جاتا تھا اور چٹائیوں پر بٹھا کر کھلایا جاتا تھا۔لیکن اب اس کا انداز تبدیل ہو گیا ہے۔اب پرتکلف ضیافت کا اہتمام ہوتا ہے۔کھانا کرسیوں پر بٹھا کر کھلایا جاتا ہے۔چند سالوں سے بڑی بڑی میزوں پر کھڑے ہو کر کھانے کا رواج بھی عام ہو رہا ہے۔[1]

### دُلہن کو سجانا:

پہلے وقتوں میں جب بارات دُلہن کے گھر پہنچتی تھی اُس کے بعد دُلہن کو زیورات کپڑے وغیرہ پہنائے جاتے تھے۔دُلہن کو اُس کی سہیلیاں ہی سجاتی سنوارتی ہیں۔اب کچھ علاقوں میں بیوٹی پارلر کا رواج عام ہو رہا ہے۔شہروں کے نزدیک والی دُلہنیں بیوٹی پارلر سے تیار ہو کر آتی ہیں اور بعض جگہوں پہ بیوٹی پارلر والی عورتیں دُلہن کو تیار کرنے اُس کے گھر جاتی ہیں اور پھر اس کام کا معاوضہ وصول کرتی ہیں۔اب زیادہ تر لہنگے کا رواج چل پڑا ہے۔دُلہن لہنگا پہنتی ہیں اور رنگ اپنی مرضی کا۔ساتھ میچنگ جیولری جبکہ پہلے وقتوں کے لباس اور زیور کے بارے میں ڈاکٹر صغیر خان یُوں لکھتے ہیں:

> ''پہلے وقتوں میں دُلہن کا لباس ''سوسی کی سُرخ'' (ستھن، بلوچی طرز کے بڑے کپڑے کی خاص شلوار نما پہناوا ہے۔جو ۲۰، ۲۳ گز کپڑے سے بنتا ہے اور ہاتھوں سے سیا جاتا ہے) چھینٹ کی کالی پُھلدار قمیض اور سفید ''بلماں'' والی چادر جس کا گوٹہ سُرخ ہوتا اور نوکدار جوڑے یا ''گرگابی'' پر مشتمل ہوتا تھا۔جبکہ اس کے زیورات میں ''ہنس''، ''دھسری''، ''کنڈی''، ''دولاڑا''، ''مریدے''، ''چوڑے''، ''بُندے''، ''چھلے''، ''زنجیری''، ''چمکلیلی''، ''نہلی''، ''لانگ'' وغیرہ شامل ہوتے تھے۔یہ سب زیوارت چاندی کے ہوتے تھے۔لباس اور زیورات میں وقت کے ساتھ تبدیلی آتی گئی ہے''۔[2]

### نکاح:

کھانا کھانے سے قبل یا بعد نکاح کی رسم ادا کی جاتی ہے۔نکاح گاؤں کا مولوی یا پیش امام پڑھاتا ہے۔اس موقع پر بعض علاقوں میں دولہا اور دُلہن سے چھے کلمے پڑھوائے جاتے ہیں اور مہر کا تعین ہوتا ہے۔یہاں پہلے تو مہر کی رقم بہت معمولی ہوتی تھی۔اکثر ۳۲ یا ۲۵ روپے کا رواج تھا اب مہر کی رقم میں اضافہ ہو گیا ہے۔دو اڑھائی لاکھ سے اوپر بھی مہر باندھا جاتا ہے۔بہر حال مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں لوگ اپنی مرضی سے مہر باندھتے ہیں۔نکاح کے بعد گولے داغے جاتے ہیں۔جو اس بات کا اعلان ہے کہ رسم نکاح انجام پا چکی ہے۔نکاح پڑھانے والے کو ''نکاح پڑھوائی'' دی جاتی ہے۔اب بارات سے دو چار دن قبل نکاح کا رواج عام ہو رہا ہے۔

### دولہے کو چُوری کھلانا:

نکاح کے بعد دُلہن کی بہنیں دولہے کو چُوری کھلاتی ہیں۔سالیاں ایک پلیٹ میں چُوری رکھ کر دوسری تھالی سے ڈھانپ دیتی ہیں اور اُس کو دبائے رکھتی ہیں۔اب دولہے کو چُوری کھولنے کے لیے کہا جاتا ہے۔دولہا کافی تگ و دو کے بعد تھالی ہٹاتا ہے۔پھر چوری کھاتے ہوئے دولہے کے ہاتھ نوالہ گرایا جاتا ہے۔اس کو ''دوگاہ سٹھانا'' کہتے ہیں۔سالیاں اس کے بعد پیسے وصول کرتی ہیں۔

---

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۴

۲۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۷

رپ ڈالنا۔

بعض علاقوں میں سالیاں دولہے کے ہاتھ کے انگوٹھے یا بازو میں سونے کی زنجیر ڈالتی ہیں۔ یہ زنجیر وہ بارات عورتوں میں سے کسی سے لیتی ہیں۔ یہ اکثر دولہے کی بہن یا بھابی کی ہوتی ہے۔ زنجیر ڈال کر وہ اُسے اس وقت تک پکڑے رکھتی ہیں جب تک وہ انہیں منہ مانگے پیسے نہیں دیتا۔

## دولہا دُلہن سے کیک کٹوانا:

آج کل دولہا دُلہن کے لیے ایک سٹیج تیار کیا جاتا ہے۔ نکاح کے بعد دونوں کو وہاں بٹھایا جاتا ہے۔ پہلے دُلہن کو وہاں بٹھایا جاتا ہے۔ اور اُس کے ساتھ والی کرسی پر اُس کی کوئی بہن وغیرہ بیٹھ جاتی ہے۔ پھر دولہے کو بلایا جاتا ہے۔ اب دولہے کو بیٹھنے کے لیے کرسی نہیں دی جاتی۔ بلکہ اُس کرسی پر جو لڑکی بیٹھتی ہے وہ دولہے سے ایک بڑی رقم کا مطالبہ کرتی ہے۔ دولہا اُسے کم رقم پر منانے کی کوشش کرتا ہے اور کافی لے دے ہوتی ہے۔ اس موقع پر دیکھنے والے اس ''تماشا'' سے محظوظ ہوتے ہیں۔ آخر کار وہ کچھ رقم لے کر دولہا کے لیے کرسی چھوڑتی ہے۔ اب دولہا دُلہن کے سامنے کیک رکھا جاتا ہے۔ دولہا دُلہن ایک ساتھ کیک کاٹتے ہیں۔ اور اس کے بعد باری باری ایک دوسرے کو کھلاتے ہیں۔ اس کے بعد سلامی کا سلسلہ شروع ہوتا ہے۔ تمام رشتہ دار عورتیں دولہا اور دُلہن دونوں کو سلامی دیتی ہیں۔ آج کل سلامی لفافوں میں بند کر کے دینے کا رواج پڑ رہا ہے۔ دولہے کے ساس دولہے کو گھڑی یا سونے کی انگوٹھی پہناتی ہے بعض اوقات دو تین انگوٹھیاں سسرال کی طرف سے دولہے کو پہنائی جاتی ہیں۔ اس موقع پر لوگ دولہے اور دُلہن کو تحائف پیش کرتے ہیں۔ تصویریں اُتاری جاتی ہیں۔ اور کیمرہ مین تمام مناظر کی مووی بناتا ہے۔ تمام رشتہ دار باری باری دولہا، دُلہن کے پاس آ کر بیٹھتے ہیں اور کیک کھلاتے ہیں۔ پہلے کیک کی جگہ مٹھائی سے منہ میٹھا کروایا جاتا تھا۔ جب دولہا ساری کارروائی کے بعد وہاں سے اُٹھنے لگتا ہے تو کچھ رقم کیک میں چھوڑ جاتا ہے۔

## میرج ہال:

پہلے یہاں ہر شادی کی تقریب گھر میں منعقد کی جاتی تھی اور ضرورت کی چیزیں اہلِ محلّہ امدادِ باہمی کے جذبے کے تحت جمع کرتے تھے۔ اب امیر لوگ ہوٹلوں اور میرج ہالز کا رُخ کر رہے ہیں۔ اس مقصد کے لیے کئی روز پہلے ہی ہوٹلز اور میرج ہال ایک خطیر رقم کے عوض ''بک'' کروا لیے جاتے ہیں۔ پھر اُن کو سجایا جاتا ہے۔ اور مہمانوں کی وہاں دعوت ہوتی ہے۔ بعض لوگ صرف ولیمہ کی دعوت کسی ہوٹل پر کرتے ہیں۔ جبکہ باقی رسومات گھر پر ہی انجام دی جاتی ہیں۔ کچھ لوگ مہندی، بارات، ولیمہ سب کا اہتمام ہوٹل پر ہی کرتے ہیں۔ کھانے کا انتظام بھی ہوٹل کی انتظامیہ کے سپرد ہوتا ہے اور کھانے کی میزوں کو رنگ برنگے کھانوں سے سجایا جاتا ہے اور مہمانوں کی بیٹھنے کے لیے بھی نشست گاہیں ترتیب دی جاتی ہیں۔ وی آئی پیز کے لیے مخصوص نشستیں لگائی جاتی ہیں۔ رسم نکاح وہاں ہی انجام پاتی ہے اور دُلہن کی رخصتی بھی وہاں سے ہی ہوتی ہے۔

## ڈولی:

دُلہن کو عموماً پالکی نما ''ڈولی'' میں بٹھا کر بلکہ اٹھا کر لایا جاتا ہے۔ ''ڈولی کو'' ''چھاپھان'' بھی کہا جاتا ہے۔ یہ ڈولی گاؤں کی مشترکہ ملکیت بھی ہوتی ہے۔ اور بعض جگہوں پر کچھ مخصوص لوگ بھی رکھتے ہیں ........... اور ان سے لے کر استعمال کی جاتی ہے۔ دُلہن کو اس کا بھائی یا کوئی قریبی عزیز اٹھا کر ڈولی میں بٹھاتا ہے۔ اس کے اوپر وہ تمام دوپٹے جو ''پوچھن'' کے طور پر ملے، ڈالے جاتے ہیں۔ ان کے اوپر سُرخ ''اوڑھنی'' ڈالی جاتی ........... بہت پہلے ڈولی جانے سے قبل ''مانیاں'' پکا کر دُلہن کو برتن میں ڈال کر دی جاتی تھیں کہ سسرال پہنچ کر ملنے والی عورتوں کا منہ میٹھا کرنے کے لیے ان کو نوالہ نوالہ دے سکے ۱

یہاں دُلہن کو عموماً ڈولی میں بٹھا کر ہی رخصت کیا جاتا ہے۔ شہروں میں سڑکیں اور گاڑیوں کی سہولت کے باعث ڈولی کا رواج کم ہو رہا ہے۔ دُلہن کو سجی سجائی گاڑی ''جو کہ اکثر ''کار'' ہی ہوتی ہے بٹھا کر رخصت کیا جاتا ہے۔ کچھ علاقوں میں ڈولی مسجد میں رکھی ہوتی ہے۔ جبکہ بعض علاقوں میں ڈولی کرائے پر لی جاتی ہے۔ جو ڈولیاں مسجد میں رکھی ہوتی ہیں ان کا بھی مخصوص کرایہ ہوتا ہے جو مسجد کے چندے کے طور پر استعمال ہوتا ہے۔

## رُخصتی:

ڈولی میں بیٹھنے سے قبل دُلہن اپنے گھر والوں سے ملتی ہے کچھ علاقوں میں جب دُلہن اپنے کمرے سے نکلتی ہے تو مٹی کے دانے اپنے پیچھے کمرے میں پھینکتی ہے۔ کمرے میں جو چیز جل رہی ہو (بلب، موم بتی، لال ٹین وغیرہ) بجھاتی ہے۔ اور پھر لڑکی کو قرآن پاک کے سائے تلے ڈولی تک لایا جاتا ہے۔ کچھ جگہوں پر دُلہن کا باپ یا بھائی دُلہن کو اٹھا کر ڈولی میں بٹھاتا ہے۔ کچھ علاقوں میں رُخصتی سے قبل کچھ اناج دُلہن کی گود میں ڈال دیا جاتا ہے۔ اور جب وہ دروازے سے باہر نکلتی ہے تو وہ اناج اپنے بھائی کی جھولی میں ڈال دیتی ہے۔ کچھ مقامات پر دُلہن کو کچھ اناج اکثر ''چاول'' دے دیئے جاتے ہیں اور جب دُلہن کی ڈولی اُٹھتی ہے تو وہ اناج پیچھے پھینکتی ہے۔

## ڈولی اُٹھانا:

گھر سے ڈولی، دُلہن کے قریبی تعلق دار، (بھائی، چچے، مامے) اُٹھاتے ہیں۔ بعد میں محلّے برادری کے لوگ اٹھا کر لے جاتے ہیں۔ دُلہن کو عموماً آہوں، سسکیوں بلکہ چیخوں میں رُخصت کیا جاتا ہے جس گھر سے ڈولی نکلتی وہ گھر بہت اُجڑا اُجڑا لگتا۔ اسی لیے کہتے ہیں ڈولی کی شام، جنازے کی شام اور عید کی شام بہت بُری ہوتی ہے'' اوپر نیچے پُرخطر راستوں سے ڈولی اُٹھا کر لے جانا کوئی آسان کام نہیں ہوتا۔ لیکن برادری کے لوگ یہ کام ذمہ داری اور خوش دِلی سے کرتے ہیں کہ شاید ''بہنیں بیٹیاں'' سب کی ہوتی ہیں اور اُن کی عزت سانجھی

---

۱۔ صغیر خان، ڈاکٹر محمد، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۷

۲۔ ایضاً

چُن سریاں ناں ساگ مہندی کُل گئی اے
تیاں بیگانا مال ڈولی ٹُر گئی اے

اُڈر چڑیئے چڑوییے کنی اڈریا پوٹھا
بگاجے ری سائی باول راجے ناں کوٹھا

اُڈر چڑو چڑوییے کنی اڈریا پونی
تیاں اٹھی ٹوریاں ماتا گُھنبے بجی رونی

بعض لوگ بیٹی کی رُخصتی پر اپنے جذبات کا اظہار یُوں کرتے ہیں:

بابل دے گھر رونق لائی ...... چاسی پاسی ساری چائی
بہن بھراواں، لاڈر چائے ...... راج دلای کرماں پائی
ہیں تو اپنی نال پرائی ......سکھ سکھ جی تو لاج سجائی

امّی بابل، بہناں بھائیاں...... شہر گراں تے جمن جائیاں
آنڈ گمانڈ نے سنگناں پکیاں ......دتیاں سہناں آپ دعائیاں
تھم تھم رکھیں دل دی باہی ......سکھ سکھ جی تو لاج سجائی

میکے پیکے دی دی جانی...... دوپا سے ریت نبھانی
راج کریسی دھی نمانی ...... اڈرے، ڈاروں پیکے جانی
دل وچ تیری یاد سوائی ......سکھ سکھ جی تو لاج سجائی

متھے جھومر ہتھیاں ونگاں ...... زیور ساراں رنگاں رنگاں
مکھڑا چانن اکھیاں ساون ...... اماں واری وانگ پتنگاں
بابل دے دل چمک ہے لائی ......سکھ سکھ جی لاج سجائی

سنگناں آکھن پھل نہ جائیں......اسیں آساں تو بھی آئیں
ستیاں تینوں چہ نہ لگے ...... نین کٹورے نہ چھلکائیں
من وچ من دی گل چھپائی......سکھ سکھ جی تو لاج سجائی

ماں پیو، بہناں بھائیاں...... چانن چانن آساں لائیاں
ہر ناںھیالی، کل دادھیالی...... دو دو تھمدے ڈولی بھائیاں
سیرت صورت بجی سجائی ...... جا سکھ جی تو لاج سجائی

چڑیئے چڑیئے بول گھنیرا......خالی لگی اندر بیڑا
تو ٹُرچلیں نیر وگاندی ...... گل وچ بھاہ اکھیاں نہیرا
اتھروں ہاسیاں واری چائی ...... جا سکھ جی تو لاج سجائی

پیکے، میکے سب پھل کھیلی ...... لاڈاں، بھاگاں دی اے جائی
ناصر بلبل آپ اڈائی ...... جا سکھ جی تو لاج سجائی۔

### ڈولی کا استقبال:

ڈولی لے جاتے وقت دولہا کوشش کرتا ہے کہ وہ پہلے گھر پہنچے اور ڈولی والوں کی کوشش ہوتی ہے کہ وہ پہلے پہنچیں۔ کہا جاتا ہے کہ جو پہلے پہنچے گا، ساری زندگی وہ دوسرے پر حاوی رہے گا۔ جب ڈولی گھر پہنچتی ہے تو خصوصی استقبال ہوتا ہے۔ گیت گائے جاتے ہیں، گولے پھینکے جاتے ہیں۔ جب ڈولی دروازے کے قریب پہنچ جاتی ہے تو دولہا کی قریبی رشتہ دار عورتیں ڈولی پر تبرک کے طور پر تھوڑا سا پانی پھینکتی ہیں۔ اس کو "پونیاتر" کہتے ہیں۔ اس طرح "تِل چاولی" مٹھائی چھوارے اور سکے بھی پھینکے جاتے ہیں۔

بعض علاقوں میں ڈولی جب گھر پہنچتی ہے تو اُسے گھر کے نزدیک جو درخت ہوتا ہے اُس کے نیچے اتارتے ہیں جہاں اس کے پتے ڈولی پر جھاڑتے ہیں۔ اتارنے سے قبل ڈولی پر پھول چاول، ٹافیاں، سکے وغیرہ پھینکے جاتے ہیں۔ پٹاخے چھوڑے جاتے ہیں۔ خوب آتش بازی کی جاتی ہے۔ غرض یہ کہ ڈولی کا استقبال بڑے جوش وخروش سے کیا جاتا ہے اور ہر طرف خوشی کا سماں ہوتا ہے۔ عورتیں اس طرح کے گیت گاتی ہیں۔

جی آیا جی آیا معراج ساڑا جی آیا
جی آیا جی آیا راجے نی بیٹی کنی آیا
جی آیا جی آیا اَن مُلیا ڈولا کنی آیا

### پانی وارنا:

ڈولی جب دروازے کے پاس پہنچتی ہے تو لوٹے کی رسم ادا ہوتی ہے۔ دولہے کی ماں پانی سے بھرے ہوئے لوٹے کو دولہے کے اوپر سے لگاتی ہے اور دولہا لوٹا پکڑنے کی کوشش کرتا ہے پھیرا لگاتے ہوئے ماں پانی پینے کی کوشش کرتی ہے تو دولہا لوٹا پکڑ لیتا ہے۔ اس طرح چھینا چھپٹی کرتے ہوئے وہ پانی پی لیتی ہے۔

### در پوڑائی:

دُلہن کو جب ڈولی سے نکالا جاتا ہے تو ایک دفعہ پھر دُلہن کا بھائی اور قریبی عزیز دُلہن کو کلائیوں پر دونوں سے اُٹھاتے ہیں اور اندر لے جاتا ہے دروازے سے گزرتے وقت کبھی کبھی دُلہن چوکھٹ پکڑ لیتی ہے۔ اس کو "در پوڑائی" کہتے ہیں۔ پھر جب تک دولہے کی ماں اسے کچھ دینے کا اعلان نہیں کرتی وہ دروازہ نہیں چھوڑتی۔ اس "اعلان" میں کبھی گائے کبھی بھینس، کبھی زمین، کبھی مکان اور کبھی کسی سے کچھ دُلہن کو دینے کا اعلان ہو جاتا ہے۔

### قرآن مجید پڑھوانا:

دُلہن کو جب آراستہ بستر پر بٹھا دیا جاتا ہے تو تب دُلہن کی ساس قرآن پاک لاتی ہے۔ دُلہن سے قرآن پاک پڑھوایا جاتا ہے۔ اور پھر دُلہن کچھ پیسے قرآن مجید میں رکھ دیتی ہے اور پھر یہ پیسے بعد میں مسجد میں دے دیئے جاتے ہیں۔

---

۱۔ روزنامہ نوائے وقت، ۱۶ر دسمبر ۲۰۰۹ء

۲۔ صغیر خان، محمد، ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۷

ڈیرہ ڈریں بیٹھا۔

جب دُلہن قرآن مجید پڑھ چکتی ہے تو اس کے بعد دیور آ کر دُلہن کی گود میں بیٹھتا ہے اور دُلہن سے رقم وصول کرتا ہے اگر دیور کی عمر زیادہ ہو تو کسی رشتہ دار چھوٹے بچے کو گود میں بٹھایا جاتا ہے۔

**انگوٹھی کی تلاش:**

کچھ اضلاع میں ''انگوٹھی کی تلاش'' کی رسم بھی ادا کی جاتی ہے کسی کھلے برتن میں لسّی یا دودھ ڈال کر ایک سونے اور باقی دوسری انگوٹھیاں ڈال دی جاتی ہیں اور پھر دولہا اور دُلہن کو سونے کی انگوٹھی تلاش کرنے کے لیے کہا جاتا ہے اور جو پہلے ڈھونڈ لیتا ہے۔ اس کی جیت مانی جاتی ہے۔ پھر جس کو انگوٹھی ملتی ہے وہ انگوٹھی اپنی مٹھی میں بند کر لیتا ہے اور دوسرا فریق اُسے کھولتا ہے اور پھر وہ انگوٹھی دُلہن کو پہنائی جاتی ہے۔

**گانا کھڈائی:**

کہیں کہیں ''گانا کھڈائی'' کی رسم بھی ادا ہوتی ہے۔ پہلے دولہا دُلہن ایک دوسرے کا گانا کھولتے ہیں۔ پھر ایک عورت ان دونوں کے درمیان گانا پھینکتی ہے۔ اب دونوں گانا پکڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ ایسا کئی مرتبہ ہوتا ہے۔ جو فریق زیادہ مرتبہ گانا پکڑنے میں کامیاب ہو جاتا ہے۔ وہ جیت جاتا ہے۔

**سٹھنا:**

دُلہن گھونگھٹ نکالے بیٹھی رہتی ہے۔ اس دوران ملنا ملانا اور دوسری رسمیں ہوتی ہیں۔ گیت گائے جاتے ہیں۔ خوب شغل رہتا ہے۔ لڑکے والی عورتیں اپنے لڑکے کی تعریف میں گیت گاتی ہیں اور لڑکی والوں کو ستاتی ہیں۔ یہ گیت ''سٹھونی'' کہلاتے ہیں۔ اگر لڑکی کی متعلقین وہاں ہوتی ہیں تو وہ ''جوابی حملہ'' کرتی ہیں، یوں ''سٹھنے'' کا خوبصورت مقابلہ ہوتا ہے۔

**ڈولی والوں کو کھانا کھلانا:**

ڈولی والوں کی بھرپور خاطر مدارت کی جاتی ہے۔ ہر ایک سے پوچھ پوچھ کر کھانا کھلایا جاتا ہے۔ انواع و اقسام کے کھانے پیش کیے جاتے ہیں۔ کھانا کھانے کے بعد کچھ قریبی رشتہ دار وہاں ٹھہرتے ہیں اور باقی لوگ واپس آ جاتے ہیں۔

**چُوری کھلانا:**

دُلہن کو ''چُوری'' کھلائی جاتی ہے۔ اب چُوری کا رواج کم ہو رہا ہے۔ اس جگہ دُلہن کو بھی وہی کھانا کھلایا جاتا ہے جو دوسرے مہمانوں کے لیے تیار کیا جاتا ہے۔ چُوری کھلانے کے موقع پر عورتیں اس طرح گیت گاتی ہیں۔

**جاگ معراجی جاگ چُوری آئی اے**
**جاگ لگے نی اے جاگ چُوری آئی اے**

واہ واہ سسوں سمائیے
**کھا سسوں نے ماسی کے چُوری آئی اے**

**معراجی اکھلی روٹھا جات ، معراجی کولی روٹھا پیٹ**
**معراجی تھوڑا تھوڑا اکھا سنگے پھاسی جاسی**

ماتا بنی ی اے ون ی ون لاو

جاگ معراجی جاگ چوری آئی ے

### بتھ پھیرا:

ڈولی کی صبح دُلہن اپنے میکے واپس چلی جاتی ہے۔اس کے ساتھ ''دولہا'' اس کا ''شہہ بالا'' اور دو تین اور رشتہ دار ہوتے وہ اگلی رات دُلہن کے میکے قیام کرتے۔اب چند دنوں بعد دولہا اپنے دوست کے ساتھ دُلہن کے گھر جاتا ہے اور دُلہن کو واپس لاتا ہے۔ اس کے ساتھ بیس تیس دُلہن کے رشتہ دار بھی ہوتے ہیں۔اُن کی دولہا کے گھر بھرپور دعوت ہوتی ہے۔اُسے ''بتھ پھیرا'' کہا جاتا ہے۔ اس دن دُلہن جہیز ''داج'' بھی لاتی ہے۔جو گائے یا بھینس اور دوسری چھوٹی بڑی چیزوں پر مشتمل ہوتا ہے۔''داج'' کے علاوہ پہلے دُلہن کے ساتھ بڑی مقدار میں میٹھی روٹیاں ہلدی والی روٹیاں، خمیری روٹیاں سرے، اور ازاں بعد بند وغیرہ آتے اسے ''کرن'' کہتے۔ یہ کرن محلے میں تقسیم کیا جاتا، اب مٹھائی وغیرہ بھیجی جاتی ہے۔کچھ علاقوں میں یہ رواج بھی تھا کہ ''بتھ پھیرا'' ہوتا تو دُلہن ایک خوبصورت ''ونسوں'' اور ''چنگیر'' ہاتھ میں لے کر سسرال جاتی۔اس طرح اس کے داج میں ''کھیٹرا'' بھی شامل ہوتا تھا[۱]

### دُلہن کی آزمائش:

پہلے دنوں میں دُلہن کی سلیقہ شعاری کا اندازہ کرنے کے لیے اگلی صبح اس کے راستے میں بہاری یعنی ''گواری'' پھینک دی جاتی اگر وہ ''گواری'' لے کر جھاڑو دینے لگے تو سمجھا جاتا وہ سلیقہ شعار یعنی ''سجوڑ'' ہے۔اگر وہ ایسا نہ کرتی تو اسے ''بجوڑ'' کہا جاتا۔اسی طرح وہ پانی لانے جاتی تو اس کے گھڑے میں سوئی ڈال دی جاتی۔اگر وہ گھڑا دھو کر بھرتی تو سوئی نکل آتی۔اسے اس کے ''سجوڑ پنے'' کی نشانی کہا جاتا۔اس طرح بوڑھی عورتیں دیکھتیں کہ جب وہ روٹی پکانے یا چکی پیسنے بیٹھتی ہے تو اپنے ساتھ چھوٹا جھاڑو جس کو ''ساں وردیا'' یا ''ساں ورویا'' کہتے ہیں۔ساتھ لے کر بیٹھتی ہے یا نہیں۔اگر وہ ساتھ لے کر بیٹھتی تو اسے سلیقہ شعار مانا جاتا[۲]

### رم:

یہاں کے لوگ انتہائی تنگ دستی میں بھی شادی وغیرہ کے اخراجات خود ہی مہیا کرتے ہیں۔اگر کوئی لڑکے والوں سے کچھ لے تو معیوب سمجھا جاتا ہے۔کہیں کہیں بعض گھرانوں میں یہ رواج رہا ہے کہ لڑکی کا رشتہ دیتے وقت کچھ مال لے لیتے تھے۔اس کو ''رم'' کہا جاتا ہے۔اسے بہت ہی ناپسندیدہ عمل گردانا جاتا ہے۔اب یہ رسم تقریباً ختم ہو چکی ہے[۳]

### میٹھی چیز کی پکائی:

دُلہن سے سسرال میں پہلی مرتبہ کوئی میٹھی چیز پکوائی جاتی ہے۔جیسے کھیر، رس ملائی یا چائے وغیرہ۔اکثر عورتیں دُلہن کو نصیحت کرتی ہیں کہ وہ سسرال جا کر پہلے چولھے کا کام نہ کرے۔کیونکہ اس سے ان کا گمان یہ ہوتا ہے کہ وہ ساری عمر آگ یعنی چولھے پر ہی رہے گی۔دُلہن کو پہلے کپڑے دھونے یا اس طرح کا کوئی کام کرنے کے لیے کہا جاتا ہے۔

### شادی کے حوالے سے بعض روایات:

شادی بیاہ کے حوالے سے اس علاقے میں بعض دلچسپ روائتیں بہت عام ہیں۔مثلاً اگر شادی والے دن بارش ہو جائے تو کہا

---

۱۔ صغیر خان، محمد، ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت، ص: ۱۲۸، ۱۲۹

۲۔ ایضاً، ۱۲۹

۳۔ ایضاً

جاتا ہے کہ ''دولہا'' دیگچی میں کھاتا رہا ہے۔ اسی طرح ایک اور روایت ہے کہ بارش کی صورت میں دولہا، دلہن کو ... کی ... دیا جاتا ہے تاکہ وہ اسے زمین میں گاڑھے کہ بارش تھمے۔ اسی طرح اسے موسلا یعنی ''مولہا'' دیا جاتا تا کہ وہ سانس روک کر باہر پھینکے اس سے بارش رک جاتی ہے۔[1]

## جہیز:

پہلے وقتوں میں یہاں جہیز کا زیادہ رواج نہیں تھا۔ اکثر شادیاں اس کے بغیر ہی انجام پاتی تھیں۔ گذشتہ چند برسوں میں سے یہ رواج پڑ رہا ہے۔ اور اب اس میں شدت آتی جا رہی ہے۔ پہلے جہیز میں دیا جانے والا سامان انتہائی مختصر ہوتا تھا۔ لیکن اب اس میں بھی وسعت آتی جا رہی ہے۔ اور اپنی حیثیت سے بڑھ کر جہیز دینے کی کوشش کی جاتی ہے تاکہ لڑکی سسرال جا کر کسی پریشانی کا شکار نہ ہو۔ جہاں جہیز کی نمائش کا رواج نہیں، جہیز کا سامان پہلے وقتوں میں ڈولی کے ساتھ بھیجا جاتا تھا۔ اب کچھ علاقوں میں شادی کی تاریخ سے قبل ہی جہیز کا سامان دُلہن کے سُسرال پہنچا دیا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پر ولیمہ کے دن جہیز بھیجا جاتا ہے۔ راجہ خضر اقبال جہیز کے متعلق لکھتے ہیں:

> ''شادی کا دن طے ہونے کے بعد لڑکی کے والدین اور بہن بھائی جہیز کا سامان اکٹھا کرنے میں مصروف ہو جاتے ہیں۔ کچھ عرصہ قبل علاقہ میں جہیز کا مختصر سامان جس میں عام طور پر چند ملبوسات روزمرہ استعمال کے برتن، کرسیاں، میز، جائے نماز قرآن پاک اور بستر شامل ہوتے تھے۔ لڑکی کے والدین لڑکی کو دے کر گھر سے رخصت کرتے تھے۔ لیکن اب دولت کی فراوانی کے باعث جہیز میں انواع و اقسام کی اشیاء شامل کی جاتی ہیں۔ امیر گھرانے اپنی بیٹیوں کو سونے کے زیورات، گاڑیاں، (کار) بیڈ، صوفے، قالین درجنوں ملبوسات، فریج، واشنگ مشین، گیس سلنڈر، گیس کے چولہے مختلف قیمتی دھاتوں کے بے شمار برتنوں کے سیٹ، بجلی کے پنکھے، ایئر کنڈیشن، ہیٹر اور لاکھوں روپے نقدی دے کر رخصت کرتے ہیں۔ اب جہیز میں مکان اور کوٹھیاں دینے کا رواج بھی ہو رہا ہے۔
>
> پہلے پہل لڑکی والے اپنی بساط کے مطابق جو کچھ دیتے لڑکے والے اسے ہنسی خوشی قبول کر لیتے لیکن اب لڑکے والے جہیز میں بڑی بڑی قیمتی اشیاء مانگنے میں قطعاً ہچکچاہٹ محسوس نہیں کرتے، جہیز کی اس لعنت نے غریب گھروں کی لڑکیوں اور لڑکوں کو احساس محرومی میں مبتلا کر دیا ہے۔ بلکہ غریب ہونے کی وجہ سے لڑکیوں کی شادیوں میں رکاوٹیں پیدا ہو رہی ہیں''[2]

## ولیمہ:

یہاں شادی کے تیسرے دن یعنی بارات کے اگلے دن ولیمہ ہوتا ہے۔ ولیمہ لڑکے والوں کی طرف سے ہوتا ہے۔ ولیمہ میں دُلہن کے رشتہ دار لڑکے عزیز و اقارب، اہلِ محلّہ وغیرہ مدعو ہوتے ہیں۔ ولیمہ والے دن دُلہن کو پھر سجایا جاتا ہے۔ ولیمہ کا سوٹ پہنایا جاتا ہے۔ اور پھر دولہا دُلہن سے کیک کٹوایا جاتا ہے۔ کیک کٹوانے کا رواج ضلع پونچھ میں زیادہ پایا جاتا ہے۔ ولیمہ میں آنے والے مہمان دولہا دُلہن کو سلامی دیتے ہیں۔ راجہ خضر میر پور اور کھڑی وغیرہ میں دعوت ولیمہ کے طریقہ کار کی تفاصیل یُوں بیان کرتے ہیں:

> ''شادی کے موقع پر شادی کی خوشی میں لڑکے اور لڑکی والے اپنے عزیز و اقارب اور اہلِ محلّہ یا علاقہ کو اپنے ہاں

---

۱۔ صغیر خان، محمد، ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب و ثقافت، ص: ۱۲۹، ۱۳۰۔

۲۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی، تہذیب و ثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۵، ۱۴۶۔

[illegible]
اس کے اقدار اور فیشن بدلتے رہے ہیں۔ اس دعوت کا اہتمام لوگ اپنی حیثیت اور بساط کے مطابق کرتے رہتے ہیں بیس پچیس سال قبل لوگ اس سلسلہ میں بہت سادگی کا مظاہرہ کرتے تھے۔ امیر لوگ گوشت اور روٹی سے مہمانوں کی تواضع کرتے تھے۔ جبکہ غریب اور کم حیثیت لوگ چاولوں سے مہمانوں کی خاطر کرتے تھے۔

دعوت ولیمہ کی اطلاع نائی کے ذریعے لوگوں کے گھروں تک پہنچائی جاتی تھی۔ لوگ نائی کو زمانے اور دور کی مناسبت سے روپے پیسے دے کر فارغ کرتے تھے۔ علاقہ کھڑی میں نائی کے اس کام کو "سدا" کہتے ہیں۔ موجودہ دور میں لوگ آسودہ اور خوشحال ہیں۔ بہت سے لوگ بیرونی ممالک میں مقیم ہیں۔ اب ولیموں اور دعوتوں پر بے دریغ خرچ کرتے ہیں۔ اب دعوت کے لیے دعوتی کارڈ بنوائے جاتے ہیں۔ انہیں لفافوں میں بند کر کے لوگوں تک پہنچایا جاتا ہے۔ دعوت نامہ پر پورا پروگرام درج ہوتا ہے۔ بڑے لوگ ایسی تقریبات پر پورے خاندانوں کو مدعو کرتے ہیں۔ کھانا بھی پُر تکلف اور وافر دیا جاتا ہے۔ اب تو متوسط اور غریب طبقہ کے لوگ بھی کئی ایک کھانوں کا اہتمام کرتے ہیں۔ امیروں کے ہاں تو کھانے کی ڈشوں کی گنتی کرنا مشکل ہو جاتا ہے۔ ساتھ کولڈ ڈرنک اور سبز چائے کا اہتمام بھی ہوتا ہے۔ کھانا تناول کرنے کے بعد لوگ نیندرا اور سلامی دیتے ہیں اور اپنا نام درج کرواتے ہیں۔ چند سالوں سے بڑے لوگ اپنے بچوں کی شادیاں اور ولیمے میرپور شہر میں تمام شادی ہالوں میں کر رہے ہیں۔ یہ رواج بھی بہت جلد عام ہو رہا ہے"۔[1]

۱۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی، تہذیب وثقافت کے تناظر میں، ص: ۱۴۶، ۱۴۷

## خلاصہ بحث:

۱۔ بارات والے دن نامزد دوست ''دوستی'' لاتے ہیں۔

۲۔ بارات والے دن کڑہولی کی رسم ادا کی جاتی ہے۔عورتیں ایک مخصوص گھڑے میں دور کسی چشمے سے پانی بھر کر لاتی ہیں۔

۳۔ سہرابندی کی رسم ہوتی ہے۔

۴۔ بارات کی روانگی سے قبل بارات میں شامل لوگوں اور دولہے کو دھی چاول کھلائے جاتے ہیں۔

۵۔ یہاں بارات کے لیے ''جنج'' کا لفظ استعمال ہوتا ہے۔اکثر باراتیں ڈھول اور باجوں کے ہمراہ روانہ ہوتی ہیں۔

۶۔ بارات کی روانگی سے قبل دولہا کسی قریبی مزار کو سلام کرتا ہے۔

۷۔ بارات کا پُر تپاک خیر مقدم کیا جاتا ہے۔گولے داغے جاتے ہیں۔''پونیاتر'' وغیرہ پھینکا جاتا ہے اور مختلف رسمیں ادا ہوتی ہیں۔

۸۔ بارات کے استقبال پر عورتیں مختلف لوک گیت گاتی ہیں۔

۹۔ باراتیوں کی خوب آؤ بھگت کی جاتی ہے۔اور استطاعت سے بڑھ کر دعوت کا انتظام کیا جاتا ہے۔

۱۰۔ کھانے کے بعد نکاح کی رسم ادا کی جاتی ہے۔اب کچھ علاقوں میں نکاح شادی سے دو تین دن قبل ہی کر لیا جاتا ہے۔

۱۱۔ نکاح کے بعد دولہے کو چُوری کھلائی جاتی ہے۔بعض جگہوں پر کیک کٹوایا جاتا ہے اور دوسری چھوٹی موٹی رسمیں کی جاتی ہیں۔

۱۲۔ آزاد کشمیر میں اب شادی گھروں کے علاوہ ''شادی ہال'' میں بھی منعقد ہونے لگی ہے۔

۱۳۔ یہاں دُلہن کو ''ڈولی'' میں بٹھا کر رخصت کیا جاتا ہے۔

۱۴۔ رخصتی کے وقت دُلہن کچھ اناج پیچھے پھینک جاتی ہے۔

۱۵۔ ڈولی اکثر دُلہن کے چچے، ماموں اور بھائی اٹھاتے ہیں۔

۱۶۔ عورتیں اس موقع پر جدائی کے گیت گاتی ہیں۔

۱۷۔ ڈولی کا پر تپاک استقبال ہوتا ہے۔اور بہت سی رسمیں نبھائی جاتی ہیں۔

۱۸۔ یہاں شادی کے دوسرے دن ''ولیمہ'' ہوتا ہے۔اور بعض علاقوں میں شادی کے کچھ روز بعد ہتھ پھیرے کی رسم ہوتی ہے۔

۱۹۔ دُلہن کو جہیز اور ''داج'' دے کر رخصت کیا جاتا ہے۔

# ﴿ باب سوم ﴾

# معاشرے پر غیر شرعی رسوم کے اثرات

## فصل اوّل: مذہبی و اخلاقی اثرات

مبحث اوّل: مذہبی اثرات

مبحث دوم: اخلاقی اثرات

## فصل دوم: معاشرتی و معاشی اثرات

مبحث اوّل: معاشرتی اثرات

مبحث دوم: معاشی اثرات

## فصل اوّل: مذہبی واخلاقی اثرات

### مبحث اوّل: مذہبی اثرات

انسان جب اس دنیا کی زندگی میں اپنی آنکھ کھولتا ہے تو وہ اپنے اردگرد ایک آباد دنیا پاتا ہے۔ اسے قدم قدم پر بہت سے معاملات سے واسطہ پڑتا ہے۔ وہ اپنے معاملات نمٹانے اور اپنے امور کی انجام دہی کے لیے کسی طریقہ کار کا محتاج ہوتا ہے۔ شریعت الٰہیہ انسان کی اسی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے نازل ہوتی ہے۔ شریعت کے مقرر کردہ حدود اور طریقہ کار انسانی فطرت کے عین مطابق اور تمام ضرورتوں اور احتیاج کے لیے کافی ہوتے ہیں۔ جہاں شریعت طریقہ کار کا واضح تعین کر دیتی ہے وہاں انسانی سوچ بچار اور عقل دوڑانے کی ضرورت نہیں ہوتی۔ شریعت کا وہ فیصلہ بالکل قطعی ہوتا ہے۔ البتہ جہاں شریعت نے کچھ گنجائش رکھ چھوڑی ہے وہاں انسانوں کو اجازت ہے کہ وہ کوئی مناسب طریقہ اختیار کرے۔ اور حالات اور وقت کے تقاضوں کے مطابق اس میں ردوبدل کی گنجائش موجود ہے۔ البتہ شریعت کے عمومی احکام اس گنجائش کے موقع پر بھی ایسی حدود متعیّن کر دیتے ہیں جن کو عبور کرنے اور توڑنے سے انسان قوانینِ الٰہیہ کی مخالفت کا مرتکب ہو جاتا ہے۔

تمام معاملات میں شریعت کے احکام کو پیش نظر نہ رکھنے کے سبب بعض اوقات انسان حدوداللہ سے تجاوز کر جاتا ہے۔ ایسے کرنے کے سبب نئے طریقے وجود میں آتے ہیں۔ جو عمومی انسانی فلاح کو پیش نظر نہیں رکھتے۔ یوں آسان کام بھی مشکل بن جاتا ہے۔ اور پھر انسانی طبیعت بھی اس طرح مائل ہے کہ رواج پا جانے والی چیز کو چھوڑنا اُس کے لیے بہت دشوار ہے۔ اس کے نتیجہ میں بعض اوقات طریقہ کار اصل مقصد سے بھی زیادہ اہمیت اختیار کر جاتا ہے اور انسان اپنے ہاتھوں کھڑی کی ہوئی مصیبتوں کا شکار ہو جاتا ہے۔ جہالت کی وجہ سے یا بدنامی کے خوف سے اس مصیبت سے چھٹکارہ پانا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔

شریعت سے رُوگردانی کی صورت میں رواج پا جانے والے غلط رسوم ورواج مالی اور عقلی دونوں طرح کے وسائل کے ضیاع کا سبب بنتے ہیں پھر اگر یہ رسم ورواج معاشرے میں عزت وشرافت کا نشان بھی بن جائیں تو جو لوگ مالی وسائل پر دسترس نہیں رکھتے وہ ہری مشکل میں گرفتار ہو جاتے ہیں۔ کوئی بھی شخص آسانی سے اپنی عزت اور شرافت پر آنچ آنے نہیں دیتا۔ لہٰذا اپنی برتری برقرار رکھنے کے لیے وہ ہر طرح کی جائز اور ناجائز کوششیں کرتے ہیں۔ اس طرح ایک غیر ضروری اور غیر مفید چیز کی خاطر پورے معاشرے میں بے چینی اور ظلم وفساد کی لہر دوڑ جاتی ہے۔

حضرت علاّمہ شاہ محمد اسماعیل لکھتے ہیں کہ جو چیز عوام وخواص میں رائج ہو جائے اور اس میں شریعت کا نہیں بلکہ زمانے کے رواج کا لحاظ رکھا جائے تو ایسے کام رسم ورواج کے زمرہ میں آتے ہیں۔ پھر ایسے کام اگرچہ اصل شرع کے لحاظ سے جائز ہوں مگر جب ان کاموں کو شرعی کاموں کی طرح کیا جانے لگے اور کرنے والوں کی تعریف اور نہ کرنے والوں کی برائی ہونے لگے اور ایسے کاموں میں رفتہ رفتہ یہ نوبت آ جائے کہ مکروہ، حرام بلکہ کفروشرک ان کی وجہ سے ہونے لگے تو ایسے سارے کام مکروہ یا حرام یا شرک یا کفر میں شمار ہو کر از روئے شرع منع ہو جاتے ہیں۔ مثلاً ذالحجہ کی دسویں، گیارہویں اور بارہویں تاریخ کو قربانی جائز ہے۔ اکثر لوگ عید ہی کے روز قربانی کرتے ہیں، خواہ جانور کتنا ہی مہنگا اور مشکل سے ملے۔ اس روز دوستوں کو، فقراء اور مساکین کو گوشت کی چنداں حاجت نہیں ہوتی

حالانکہ دور دور تک اور بھی قربانی کا حکم ہے۔ یا جس روز کوئی مر جائے اسی روز کھانا پکوا کر ضروری بانٹا جائے خواہ اس روز رنج و غم سے فرصت ملے یا نہ ملے اور گھر والے محتاج ہی کیوں نہ ہوں، گھر میں کوئی بیمار ہی کیوں نہ ہو، خواہ سودی روپیہ لیا جائے یا قرض اور بھیک مانگنی پڑ جائے مگر اس رسم میں خلل نہ آئے۔ اس طرح تیجا، دسویں دن، چالیسویں دن ششماہی، برسی کے روز ضرور مردے کے لیے کھانا پکانا۔ حالانکہ ان دنوں کے علاوہ بھی مردے کی طرف سے خیرات کی جا سکتی ہے۔ مگر رسم و رواج کے سبب ان ہی تاریخوں میں کیا جاتا ہے۔ یہ نہ کریں تو لوگ بُرا کہیں یا کوئی عورت بیوہ ہو جائے اور وہ از روئے شرع نکاح ثانی جائز جانتی بھی ہو مگر وہ اگر رسم و رواج کی وجہ سے دوسرا شوہر نہ کرے گی تو لوگ اس کی تعریف کریں گے اور اگر کرے گی تو لوگ اسے بُرا بھلا کہیں گے اور ملنا جلنا بھی ترک کریں گے۔ اس طرح رسم نکاح ختنہ وغیرہ کے موقع پر افلاس کے باوجود کوئی خاندانی یا برادری کی رسم نہ چھوٹنے پائے۔ اگرچہ ان رسموں کو لوگ فرض یا واجب یا سُنّت یا مستحب نہیں جانتے مگر رواج کی وجہ سے کی جاتی ہیں۔ اگر نہ کی جائیں تو دنیا تھو تھو کرے اور جگ ہنسائی ہو۔[۱]

عصرِ حاضر میں اگر روزمرہ کے معاملات اور ان کی ادائیگی کے طریقہ کار کا اگر بغور مشاہدہ کیا جائے تو حقیقت منکشف ہوتی ہے کہ شریعت کے اصل احکام اور رہنمائی کو چھوڑ کر رسم و رواج کی طرف رجحان بڑھتا جا رہا ہے۔ بلکہ یہ رجحان ایک خطرناک حد تک پہنچ چکا ہے۔ نماز روزہ اور دوسری اہم عبادات میں تساہل اور غفلت کے باوجود جن لوگوں کے کانوں پر جوں تک نہیں رینگتی وہ لوگ رسوم کی پیروی میں اس قدر مستحکم ہیں اور ان کا اس قدر اہتمام کرتے ہیں کہ جسمانی تکلیف اور راتوں کی نیند قربان کرنا ان کے لیے معمول بات ہے۔ شریعت سے دُوری اس قدر ہو چکی ہے کہ بہت سوں کے سامنے یہ امتیاز بھی باقی نہیں رہا کہ کون سے کام شریعت اور سُنّت کے مطابق ہیں اور کون سے کام خلافِ شرع اور خلافِ سُنّت ہیں بلکہ بہت سے غیر شرعی اُمور کو محض رسم و رواج کی وجہ سے شریعت کا حصہ گردانا جاتا ہے۔

اس وقت ہمارے معاشرے میں جتنی بھی رسمیں رائج ہیں چاہے خوشی کے موقع پر ہوں یا غمی کے موقع پر، ان میں اکثریت رسوم کی ایسی ہے جن کی ادائیگی میں قرآن و سُنّت کے احکامات پر عمل درآمد نہیں ہوتا۔ اسی وجہ سے ان میں گناہ کا عنصر زیادہ ہوتا ہے اور کم علمی کی وجہ سے لوگ ان اجتماعات اور تقاریب میں شرکت کو گناہ نہیں سمجھتے بلکہ ان کا حسنِ گمان یہ ہوتا ہے کہ ان رسموں کے بہانے ایک دوسرے سے ملاقات ہو جاتی ہے۔ باہمی تعلقات بڑھتے ہیں کچھ بِلا گلا اور تفریح ہو جاتی ہے۔

اِن رسوم نے آج کل کچھ ایسا رواج پایا ہے کہ کوئی تقریب چاہے وہ خوشی کے موقع پر ہو یا دوسرا کوئی اور موقع ان کے بغیر تقریب مکمل نہیں ہوتی۔ بلکہ ان کے بغیر تقریب کا تصور ہی بے کار ہے اور ان رسموں کے بغیر کسی تقریب میں لطف و مزہ ہی نہیں۔ غرض یہ رسوم معاشرے کا حصہ بن گئی ہیں اور معاشرے پر ان کے اثرات دن بہ دن نمایاں ہو رہے ہیں۔ اس فصل میں ان رسومات کے مذہبی و اخلاقی اثرات کا جائزہ لیا جا رہا ہے۔

پہلے مذہبی اثرات کے ضمن میں بحث کی جاتی ہے۔

### ۱۔ شرک میں مبتلا ہونا:

مسلمانوں نے عقیدۃً اور عملاً ایسے افعال و رسوم اختیار کر لیے ہیں۔ جن سے شریعت محمدیہ ﷺ کی تنقیص لازم آتی ہے۔ بہت سی رسمیں ہندوؤں کی سی ہیں اور کچھ اس تواتر سے ان پر عمل ہو رہا ہے کہ عام لوگ یہ سمجھ رہے ہیں کہ یہ بھی اسلام کا حصہ ہیں کچھ رسمیں ایسی ہیں جو ابتدا میں تو محض معمولی باتیں تھیں مگر ان پر اس طرح عمل کیا جائے گا کہ گویا فرائض و واجبات کم علمی، لاعلمی کی بدولت ایسی رسوم بھی رواج پا گئی ہیں جن میں شرکیہ پہلو پایا جاتا ہے، یہ رسمیں اَن پڑھ دیہاتیوں میں زیادہ پائی جاتی ہیں۔ اور افسوس کی بات یہ ہے کہ بہت سے لوگ

---

۱۔ شاہ محمد اسماعیل شہید، تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، ص: ۲۳۹، ۲۴۰

شرک کی اصل حقیقت سے بے بہرہ ہیں اور روزمرہ کے بے شمار معاملات میں شرک ملوث نظر آتا ہے۔ سطور ذیل میں شرک کی وضاحت سے یہ بات بخوبی واضح ہوجاتی ہے کہ ان رسوم کی انجام دہی میں ہم لوگ بے خبری میں شرک کے کس قدر نزدیک پہنچ جاتے ہیں۔

## شرک کے لغوی معنی:

لسان العرب میں شرک کی تعریف یوں کی گئی ہے:

شرک: والشركة والشَركة سواء : مخالطة الشريكين يقال : اشركنا بمعنى تشاركنا وقد اشترك الرجلان وتشاركا وشارك أحد هما الاخر[1]

('شِرکة' اور 'شَرکة' دونوں لفظ ایک ہی معنی میں استعمال ہوتے ہیں۔ دونوں کا مطلب ہے دو شریکین کا باہم ملنا۔ عرب میں کہا جاتا ہے۔'اَشرکنا' بمعنی 'تشارکنا'، 'اشرک'، 'تشارکا اور تشارک' تینوں کلمات کا معنی ہے، دو آدمیوں میں سے ایک دوسرے سے مل گیا یا مل کر کام کیا)۔

## اصطلاحی معنی:

واشرک بالله :جعل له شريكا فى ملكه تعالىٰ الله عن ذالک ، والاسم الشرک قال الله تعالىٰ حكاية عن عبده لقمان أنه قال لابنه : يا بنى لا تشرک بالله ان الشرک لظلم عظيم والشرک أن يجعل الله شريكا فى ربوبية [2]

(اصطلاح میں شرک سے مراد اللہ تعالیٰ کی بادشاہت میں کسی کو شریک بنا دینا۔ اس کا اسم شرک کا کلمہ آتا ہے۔ جیسے اللہ تعالیٰ نے اپنے بندے حضرت لقمان علیہ السلام کے قول کو حکایتاً ذکر کیا ہے۔ جو انہوں نے اپنے بیٹے کو نصیحت کرتے ہوئے کی۔ یا بنی لا تشرک...... عظیم اللہ تعالیٰ کی ربوبیت میں شریک ٹھہرانا بھی شرک ہے)

## شرک کی اقسام و مراتب:

شرک کے کچھ مراتب اور درجات ہیں۔

الاشراک بالله تعالىٰ جنس تحته انواع، وكله مذموم، وان كان بعضه اكبر من بعض والشرک له مراتب ، فمنه الشرک الاكبر ، ومنه الاصغر وهوشرک الخفى [3]

(اشراک باللہ تعالیٰ ایک جنس کی مانند ہے جس کے تحت بہت سی انواع ہیں جو سب کی سب مذموم ہیں۔ اگرچہ ان میں سے بعض دیگر بعض سے بڑی ہیں۔ اور شرک کے بہت سے مراتب ہیں۔ ان میں سے ایک شرک اکبر ہے اور ایک شرک اصغر ہے اسے شرک خفی بھی کہتے ہیں)

### (۱) شرک اکبر:

وهُو اتخاذ الشريک الله تعالىٰ فى الوهية أوعبادته [4]

(اللہ تعالیٰ کی الوہیت اور عبادات میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرکِ اکبر ہے)

---

۱۔ لسان العرب، ج:۱۰، ص:۴۴۸

۲۔ ایضاً، ص:۴۴۹

۳۔ موسوعۃ الفقہیۃ، جز: الخامس، ص:۶

۴۔ ایضاً

وھو المراد بقوله تعالیٰ "إِنَّ الشِرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ" [۱]

(اور اللہ تعالیٰ کے اس قول "إِنَّ الشِرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ سے یہی شرک مراد ہے)

حدیث مبارکہ میں شرک اکبر کی وضاحت یوں آئی ہے:

"عن ابن مسعودؓ قال: سئل رسول اللهﷺ أی ذنب عندالله اكبر؟ قال أن تجعل الله ندا و هو خلقک" [۲]

(ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا گیا کہ کونسا گناہ اللہ کے نزدیک سب سے بڑا ہے؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تو اللہ کے ساتھ کسی کو ہمسر ٹھہرائے حالانکہ اُس نے تجھے پیدا کیا ہے)

(۲) **شرکِ اصغر:**

الشرک الاصغر و ھوالشرک الخفی: وھو مراعاة غیر الله فی العبادة مثل الریا والنفاق [۳]

(شرک اصغر شرک خفی ہے کہ عبادت میں غیر اللہ کا خیال رکھنا مثال کے طور پر ریا اور نفاق وغیرہ)

اللہ تعالیٰ کا ارشاد پاک ہے:

وَلَا يُشْرِكُ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖٓ أَحَدًا [۴]

قال ابن حجر: نزلت فیمن یطلب الحمد والاجر بعباداته واعماله [۵]

(ابن حجر کہتے ہیں کہ یہ آیت اُس کے بارے میں نازل ہوئی جو اپنی عبادات اور اعمال کر کے اُن پر تعریف اور اُجرت کا طلب گار ہو)

حدیث پاک میں شرک اصغر کے بارے میں یوں خبردار کیا گیا ہے:

عن معاذبن جبلؓ: أنه سمع النبیؐ یقول: یسیر الریاء شرک إن الله عزو جل یحب الاتقیاء الاخفیاء الابریا الذین إذا غابولم یفتقدوا وإذا حضروا لم یعرفوا [۶]

(معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ میں نے نبی اکرم ﷺ کو کہتے ہوئے سنا کہ ادنیٰ ریا بھی شرک ہے بے شک اللہ تعالیٰ اُن پرہیزگاروں کو پسند کرتا ہے جو خفیہ عبادات کرتے ہیں اور ایسے نیکوکار ہوتے ہیں کہ جب غائب ہوں تو مفقود نہ پائے جائیں اور جب حاضر ہوں تو پہچانے نہ جائیں)

جس طرح صفات الٰہی کے تفصیلی تصور کے ساتھ ایمان باللہ اگر انسان کے دل میں راسخ ہو جائے تو وہ اپنے اندر بہت سے غیر معمولی فوائد و ثمرات رکھتا ہے اور روزمرہ معمولات اور معاشرے پر اس عقیدے کی گہری چھاپ نظر

---

۱۔ موسوعۃ الفقہیۃ، ص: ۶/۵

۲۔ ابویعلی، احمد بن علی بن المثنی، مسند أبی یعلی، (دمشق: دارالمأمون للتراث، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۴م) باب مسند عبداللہ بن مسعود، حدیث نمبر: ۵۰۹۸، ص: ۳۲/۹

۳۔ موسوعۃ الفقہیۃ، ص: ۶/۵، ۷

۴۔ الکہف: ۱۱۰

۵۔ موسوعۃ الفقہیۃ، ص: ۷/۵

۶۔ طبرانی، المعجم الصغیر، (بیروت، عمان: المکتب الاسلامی، دارعمار، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵م) باب المیم من اسمہ محمد، حدیث نمبر: ۸۹۲، ص: ۲/۱

آتی ہے۔اس طرح جب عقیدہ توحید انسان کے دل میں مکمل طور پر راسخ نہ ہو اور دین و شریعت سے عمل کا بھی نہ ہو تو عقیدہ متزلزل ہونے کے باعث انسان سے ایسے افعال کا ظہور ہوتا ہے۔جس میں غیر اللہ کا خوف پایا جاتا ہے اور نہ صرف وہ شخص بلکہ دوسرے افراد بھی اس سے متاثر ہوتے ہیں۔

### ۲۔ غلط توقعات کی ابتدا:

ان رسوم کی بدولت بہت سے لوگ اللہ کو چھوڑ کر مخلوق کی اطاعت اور خوشنودی کے طالب ہو جاتے ہیں جب خالق و مخلوق کے تعلق کی صحیح معرفت نہ ہو تو انسان بہت سی غلط توقعات اور جھوٹے بھروسوں کا شکار ہو جاتا ہے۔جو عدم معرفت کا نتیجہ ہیں۔جو لوگ اس معرفت سے محروم ہیں وہ یہ سمجھتے ہیں کہ خدا کے کاموں میں بہت سے اور چھوٹے چھوٹے خدا بھی شریک ہیں اور کچھ اور لوگ بھی ہیں جو خدا کے ہاں ہماری سفارش کریں گے یا پھر یہ عقیدہ ہوتا ہے کہ ہم خود اس قابل نہیں ہیں کہ خدا سے براہ راست کوئی چیز طلب کریں بلکہ وہ اس کے لیے وسیلہ ڈھونڈتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَيَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَآءِ شُفَعَاءُ نَاعِنْدَاللّٰهِ [1]

(وہ کہتے ہیں کہ یہ وہ ہیں جو اللہ کے ہاں ہماری سفارش کریں گے)

ایسی ہی اور بہت سے غلط توقعات جو لوگوں کو ہمیشہ گناہ کے چکر میں پھنسائے رکھتی ہیں کیونکہ وہ ان کے بھروسہ پر اپنے نفس کی پاکیزگی اور اپنے عمل کی اصلاح سے غافل ہو جاتے ہیں۔

### ۳۔ اطمینان قلب کا فقدان:

ان رسموں کے دھندوں میں پھنس کر انسان اللہ کی یاد سے غافل ہو جاتا ہے اور پھر نتیجے کے طور پر وہ قلب کا چین کھو دیتا ہے کیونکہ:

" اَلَابِذِكْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبُ " [2]

(بے شک اللہ کی یاد سے دلوں کو سکون ملتا ہے)

جب انسان ایک اللہ پر یقین کامل نہ رکھے اور شرک خفی کا مرتکب ہو جائے تو وہ اکثر مایوس اور شکستہ دل رہتا ہے۔اس کا دل سکون اور رجائیت سے خالی رہتا ہے۔کیونکہ وہ صرف ایک اللہ سے لو لگانے کے بجائے دوسرے اسباب سے بھی رشتہ جوڑے رکھتا ہے اور بعض اوقات سارے وسائل ایک ایک کر کے اُس کا ساتھ چھوڑنے لگتے ہیں اور وہ نا اُمید ہونے لگتا ہے کیونکہ اللہ کو چھوڑ کر وہ جن لوگوں سے لو لگائے رکھتا ہے وہ تو خود اُس کی طرح کے بندے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ [3]

(اللہ کو چھوڑ کر جن کو یہ پکارتے ہیں وہ انہی کی طرح کے بندے ہیں)

---

۱۔ یونس:۱۸

۲۔ الرعد:۲۸

۳۔ الاعراف:۱۹۴

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے:

لَا يَسْتَطِيعُونَ نَصْرَكُمْ وَلَآ أَنفُسَهُمْ يَنصُرُونَ [1]

(وہ جن سے مدد کی امیدیں رکھتے ہیں وہ اس کی مدد تو کیا آپ اپنی مدد ہی نہیں کر سکتے)

### ۴۔ بُزدلی:

جو لوگ رسومات پر کار بند ہو جاتے ہیں وہ دوسروں کے دباؤ کا شکار ہو کر رہ جاتے ہیں۔ وہ غیر شعوری طور پر یہ گمان کیے ہوتے ہیں اگر فلاں موقعہ کی فلاں رسم پوری نہ کی گئی تو انہیں کوئی نقصان پہنچ سکتا ہے۔ رسوم پرستی میں مبتلا لوگ شجاعت جیسی صفت سے ہاتھ دھو بیٹھتے ہیں۔ مولانا مودودی کہتے ہیں کہ انسان کو دو چیزیں بزدل بناتی ہیں ایک محبت جو وہ اپنے اہل و عیال اور اپنے مال سے رکھتا ہے دوسرے خوف جو کہ نتیجہ ہے اس غلط اعتقاد کا۔ نقصان پہنچانے اور ہلاک کر دینے کی قوت دراصل اُن اشیاء میں ہے جو محض آلہ کے طور پر استعمال ہوتی ہیں [2]

### ۵۔ حرص وہوس:

پھر یہی رسومات انسان کے دل میں حرص ہوس اور رشک وحسد کے وہ جذبات پیدا کر دیتی ہیں جو اس کو جلب منفعت کے لیے ذلیل اور ناجائز ذرائع اختیار کرنے پر اُبھارتے اور بنی نوع انسان کے درمیان فساد برپا کراتے ہیں۔ وہ ہر وقت دوسروں سے مقابلہ منافست کے لیے تیار رہتا ہے اور ظلم وعدوان کی وادیوں میں دوڑ دھوپ کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ کا یہ قول بھول جاتا ہے۔

قُلْ إِنَّ الْفَضْلَ بِيَدِ اللّٰهِ يُؤْتِيهِ مَنْ يَّشَاءُ [3]

(کہہ دیجیے فضیلت اللہ کے ہاتھ میں ہے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے)

ایک دوسرے مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

اللّٰهُ يَبْسُطُ الرِّزْقَ لِمَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَيَقْدِرُ [4]

(رزق اللہ کے ہاتھ میں ہے اپنے بندوں میں سے جس کو جتنا چاہتا ہے عطا کرتا ہے)

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

إِنَّ الْاَرْضَ لِلّٰهِ يُوْرِثُهَا مَنْ يَّشَاءُ مِنْ عِبَادِهٖ [5]

(حکومت اللہ کے ہاتھ میں ہے (زمین اللہ کی ہے) وہ اپنے بندوں جسے چاہے حکمران بنا دے)

ایسے انسان کے دل میں دوسروں کے لیے حسد پیدا ہوتا ہے اور وہ ظلم پر اتر آتا ہے۔

### ۶۔ ریاکاری:

رسوم میں مبتلا لوگ اپنے اعمال کی ادائیگی میں اللہ کی رضا کو کم اور غیروں کی خوشنودی کو زیادہ ملحوظ رکھتے ہیں اور شہرت کی غرض سے اعمال کو خوب مزین کر کے انجام دیتے ہیں۔

---

۱۔ الاعراف: ۱۹۷

۲۔ مودودی، سید ابوالاعلیٰ، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی، (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، اپریل ۱۹۶۶ء) ص: ۱۷۱، ۱۷۲

۳۔ آل عمران: ۷۳

۴۔ العنکبوت: ۶۲

۵۔ الاعراف: ۱۲۸

نبی پاک ﷺ کی حدیث ہے:

عن شداد بن أوس قال. قال رسول اللّٰہ ﷺ إن أخوف ما أتحوف علی امتی الإشرک باللہ أماانی لست أقول یعبدون شمسا ولا قمرا ولاوثنا . ولکن أعمالا ص بغیر اللّٰہ وشھوۃ خفیۃ [1]

شداد بن اَوس سے روایت ہے کہ رسول اکرم ﷺ نے فرمایا مجھے سب سے زیادہ اپنی اُمت پر اشراک باللہ کا خوف ہے اور میں یہ نہیں کہتا کہ وہ سورج، چاند یا بت کی پوجا کریں گے لیکن اعمال صالح غیر اللہ کے لیے اور خفیہ شہوت کا خوف ہے۔

ریا کار شخص اپنے نیک اعمال صرف دکھاوے کے لیے انجام دیتا ہے اور وہ یہ ریا کاری صرف دوسرے اعمال میں ہی نہیں بلکہ عبادت وغیرہ بھی دکھاوے کی ہی کرتا ہے تاکہ دوسرے لوگ یہ سمجھیں کہ فلاں شخص بڑا متقی ہے۔ جب وہ دوسروں کے سامنے نماز پڑھتا ہے تو اپنی نماز میں خشوع وخضوع کا مظاہرہ کرتا ہے حالانکہ اُس کے دل کی کیفیات اُس کی ظاہری صورت سے مختلف ہوتی ہیں اس طرح وہ دوسروں کو دھوکہ دیتا ہے ناواقف لوگ اس کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اُسے اپنا مسیحا گردانتے ہیں۔ ایسا شخص معاشرے کے لیے بہت سی مشکلات کا باعث بنتا ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ۝ الَّذِيْنَ هُمْ يُرَآءُوْنَ [2]

(پس ایسے نمازیوں کے لیے خرابی ہے جو دکھاوا کرتے ہیں)

پس ریا کار کو چونکہ غیر اللہ کی خوشنودی مطلوب ہوتی ہے اس لیے وہ شرک خفی میں مبتلا ہو جاتا ہے۔

نبی پاک ﷺ فرماتے ہیں:

عن ابی سعیدؓ قال خرج علینا رسول اللّٰہ ﷺ ونحن نتذکر المسیح الدجال فقال (ألااخبرکُمْ بما ھوا خوف علیکم عندی من المسیح الدجال؟) قال قلنا بلی . فقال (الشرک الخفی أن یقوم الرجل یصلی فیزین صلاتہ لما یری من نظر الرجل) [3]

(ابی سعید سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ ﷺ ہمارے پاس سے گزرے اور ہم مسیح دجال کا باہم تذکرہ کر رہے تھے تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ کیا میں تمہیں اس چیز کی خبر نہ دے دوں جو میرے نزدیک مسیح دجال سے بھی بڑھ کر خوف ناک ہے ہم نے کہا ہاں کیوں نہیں تو حضور ﷺ نے فرمایا کہ شرک خفی کہ ایک آدمی نماز کے لیے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو دیکھنے والے کے لیے مزّین کرے)

یہ بات بھی شرک خفی میں داخل ہے کہ کوئی شخص کسی دوسرے کے دل میں کوئی جگہ اور مقام بنانے کے لیے کوئی فعل سرانجام دے نبی پاک ﷺ کی یہ حدیث اس بات کی وضاحت کرتی ہے۔

عن ربیح بن عبد الرحمن ، عن ابیہ ،عن جدہٖ قال. قال رسول اللّٰہ ﷺ : الشرک الخفی ان یقول الرجل یعمل یعمل لمکان الرجل [4]

---

۱۔ ابنِ ماجہ، سنن ابنِ ماجہ، باب الریا والسمعۃ، حدیث نمبر: ۴۲۰۵، ص: ۱۴۰۶/۲

۲۔ الماعون: ۴، ۶

۳۔ ابنِ ماجہ، سنن ابنِ ماجہ، باب الریا والسمعۃ، حدیث نمبر: ۴۲۰۴، ص: ۱۴۰۶/۲

۴۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الخامس والاربعون، من شعب، حدیث نمبر: ۶۸۳۲، ص: ۳۳۴/۲

(ربیع بن عبدالرحمن اپنے والد سے اوران کے والد اپنے والد (ربیع کے دادا) سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ شرک خفی یہ ہے کہ آدمی عمل کرتا ہے اور اس لیے عمل کرتا ہے کہ آدمی کے دل میں اس کی قدر و منزلت پیدا ہو۔

ایک حدیث پاک میں ریا کو شرک اصغر کہا گیا ہے۔

عن محمود بن لبید عن النبی ﷺ قال: إن اخوف ما اخاف علیکم الشرک الاصغر قالوا یا رسول اللہ ﷺ وما الشرک الاصغر ؟ قال الریاء[1]

(محمود بن لبید نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ سب سے زیادہ مجھے آپ پر شرک اصغر کا خوف ہے۔ صحابہ نے عرض کی یا رسول اللہ ﷺ شرک اصغر کیا ہے؟ فرمایا: وہ ریاء ہے)

### ۷۔ شادی میں تاخیر اور بدکاری میں مبتلا ہونا:

رسمیں اور رواج جہاں انسان کے باطن پر اثر انداز ہوتے ہیں وہاں ان کے بے شمار ظاہری اثرات بھی ہیں کہ آج کل ہمسے معاشرے میں دوسروں کی دیکھا دیکھی جہاں زندگی کے دوسرے شعبوں میں غیروں کی نقالی کو ترجیح دی جارہی ہے وہاں شادی بیاہ کا معاملہ بھی اس سے محفوظ نہیں رہا۔ اس اہم فریضہ کی ادائیگی میں بھی اسلامی تعلیمات کو نظر انداز کیا جارہا ہے۔ موجودہ دور میں بچوں اور بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں تاخیر کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ وجوہات کچھ تعلیمی مصروفیت اور کچھ اس فرض کی ادائیگی میں لاپرواہی ہے۔

بالغ لڑکوں اور لڑکیوں کی جب وقت پر شادیاں نہیں ہوتیں تو اس کے بہت سے نتائج سامنے آتے ہیں جو کہ پورے معاشرے کو اپنی لپیٹ میں لئے ہوئے ہیں جس سے نہ صرف دنیا میں خسارے کا سامنا کرنا پڑتا ہے بلکہ اللہ کی حضور بھی شرمندگی اٹھانا پڑتی ہے۔ وقت پر شادی نہ ہونے کے باعث غیر لڑکوں اور لڑکیوں کے محاسن اوران کے اعضائے صنفی پر غلط نگاہ ڈالنے کی لت پڑ جاتی ہے جس سے دماغ میں ہیجانی کیفیت اور اعضائے صنفی میں انتشار پیدا ہوتا ہے۔ حالانکہ اس انتشار و کیفیت اور غلط نگاہی کی لت کو شریعت میں عضو کا زنا قرار دیا گیا ہے۔ آنحضور ﷺ نے اجنبی کے حسن و جمال کا آنکھوں سے لطف لینا اس کی آواز سے کانوں کا لذت حاصل کرنا اس کی باتوں سے لطف اٹھانا اس کی طرف ہاتھ کا لپکانا در دراز ہونا اور اس سے ملاقات کے لیے دلوں کا خواہش اور آرزو کرنا سب کو زنا فرمایا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

قال ابوھریرۃؓ: عن النبی ﷺ (إن اللہ کتب علی ابن آدم حظه من الزناء أدرک ذالک لا محالة فزنا العین النظر وزنا اللسان المنطق، والنفس تتمنی و تشتهی والفرج یصدق ذالک کله أو یکذبه)[2]

(ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ بے شک اللہ تعالیٰ نے بنی آدم پر اس کے زنا کا حصہ لکھ دیا ہے وہ اسے ضرور پائے گا پس آنکھ کا زنا دیکھنا ہے زبان کا زنا بولنا ہے نفس تمنا رکھتا ہے اور خواہش کرتا ہے اور شرم گاہ یا اس کی تصدیق کرتی ہے یا جھٹلا دیتی ہے)

اب زنا ایک ایسا جرم عظیم اور فعل مردود ہے جسے معاشرہ نے کبھی بخشا ہے اور نہ ہی شریعت اسلام نے اور نہ ہی کسی اور مذہب

---

۱۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الخامس والاربعون، من شعب، حدیث نمبر:۶۸۳۱، ص: ۵/۳۳۴

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب زنا الجوارح دون الفرج حدیث نمبر:۵۸۸۹، ص: ۵/۲۳۰۴

اور قانون نے برداشت کیا ہے۔ زنا صالح معاشرہ اور صالح خاندان کی عزت و آبرو کو مجروح کر دیتا ہے۔ اس سے انسانیت کے عفیف دامن پر بدکاری کا سیاہ داغ لگ جاتا ہے[1]

قرآن و حدیث میں اس فعل کی پاداش میں مذکور ہے کہ:

اَلزَّانِيَةُ وَالزَّانِيْ فَاجْلِدُوْ كُلَّ وَاحِدٍ مِنْهُمَا مِائَةَ جَلْدَةٍ[2]

(بدکار مرد اور بدکار عورت دونوں پر سو سو کوڑے برسائے جائیں)

آنحضور ﷺ کا ارشاد ہے:

البكر بالبكر جلدمائة ونفى سنة والثيب بالثيب جلد مائة والرجم[3]

(کنوار لڑکا کنواری لڑکی اگر بدکاری کریں تو سو سو کوڑے لگائے جائیں اور ایک سال کے لیے جلا وطن کیا جائے اور اگر شادی شدہ مرد و عورت زنا کریں تو سو سو درّے مارے جائیں اور ان پر پتھراؤ کیا جائے)

آنحضور ﷺ کا ایک اور فرمان یوں منقول ہے:

عن سمره بن جندب رض عن النبى ﷺ فى رؤيا قال، فانطلقنا فأتينا على مثل التّنّور قال أحسب أنه كان يقول. فاذا منه لغط وأصوات. قال فاطلعنا فيه فاذا فيه رجال ونساء عراة وإذاهم ياتيهم لهب من اسفل منهم فاذا اتاهم ذالک اللهب ضو ضوا قال قلت لهم ما هؤلاء قال :فانهم الزناةِ والزوانى[4]

(حضرت سمرہ بن جندب نبی اکرم ﷺ سے ان کے خواب کے حوالے سے روایت کرتے ہیں کہ ہم چلے اور تنور کی مثل ایک جگہ آئے سمرہ بن جندب کہتے ہیں کہ مجھے گمان ہے کہ وہ یہ فرما رہے تھے کہ اچانک وہاں سے الفاظ اور آوازیں آ رہی تھیں فرمایا کہ ہم نے اس میں جھانکا تو کیا دیکھا کہ اس میں مرد اور عورتیں ہیں جو ننگے ہیں اور وہ ایسے ہیں کہ جنہیں اُن کے نیچے سے لھب (بھڑک) پس جب بھی انہیں نیچے سے وہ بھڑک آتی ہے۔ تو وہ شور و غوغا مچاتے ہیں۔ میں نے عرض کی وہ کون ہیں فرمایا کہ وہ زانی مرد اور عورتیں ہیں)

## ۸۔ ایمان کا رُخصت ہونا:

آج کل شادی بیاہ کی تقریبات میں رسم و رواج کو نبھاتے ہوئے موسیقی، ناچ اور گانے بجانے کا پرزور اہتمام کیا جاتا ہے اور شادی کے شروعات ہوئیں اور ادھر لاؤڈ سپیکر نصب کر دیا گیا۔ اونچی آواز میں گانے چلائے جاتے ہیں۔ مسلمانوں میں یہ عادت سی ہو چکی ہے۔ اس طرح کئی روز پہلے ہی ڈھول باجوں کا اہتمام کیا جاتا ہے۔ بعض جگہوں پہ خواتین خود ہی ناچ گانا کرتی ہیں۔

اس قسم کی محفل جہاں موسیقی، گانے بجانے اور اس قسم کی دوسری رسومات ادا کی جاتی ہیں۔ گناہ کو گناہ نہیں سمجھا جاتا بلکہ اس کو خوشی سے برداشت کیا جاتا ہے۔ جبکہ اس قسم کے کاموں سے ایمان کے رخصت ہو جانے کا خطرہ موجود ہے۔

---

۱۔ قاسمی علی احمد، مولانا، شادی اور شریعت، ص: ۳۲

۲۔ النور: ۲

۳۔ مسلم، الجامع الصحیح، حدیث نمبر: ۲۵۰۹، ص: ۵/۱۱۵

۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب تعبیر الرویاء بعد صلاۃ الصبح، حدیث نمبر: ۶۶۴۰، ص: ۶/۲۵۸۳

### ۶۔ بے پردگی:

آج کل شادی بیاہ کی تقریب میں پردے کا کوئی خاطر خواہ انتظام نہیں ہوتا۔ کیونکہ رسوم کی ادائیگی میں پردہ حائل ہوتا ہے۔ اگر پردہ ہو تو پھر رسمیں کیسے انجام پائیں۔ اس محفل میں بے پردگی کی انتہا ہوتی ہے مردوں اور عورتوں کا آپس میں کھلا اختلاط ہوتا ہے۔ بعض عورتیں جو عام حالت میں تو پردے میں ہوتی ہیں شادی کی اس تقریب میں بن سنور کر دوسروں کے سامنے آنے سے گریز نہیں کرتیں (Mix gathering) ہوتی ہے جو کہ شرعاً غلط اور ناجائز ہے۔

ارشاد نبوی ﷺ ہے:

عن علی بن ابی طالب قال قال رسول اللّٰہ ﷺ لیس للنساء نصیب فی سراۃ الطریق فلیلتمسن حافتها ولا یحققنها[1]

(علی بن ابی طالب سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ عورتوں کے لیے راستے کے درمیان چلنے کا حصہ نہیں ہے انہیں چاہیے کہ کنارے کو تلاش کریں اور رستے کے واضح حصے کو اپنا راستہ نہ بنائیں)

ایک حدیث میں اس طرح انتباہ کیا گیا ہے:

عن جابرؓ أن رسول اللّٰہ ﷺ قال: إن المرأۃ تقبل فی صورۃ شیطان وتدبر فی صورۃ شیطان[2]

(حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت شیطان کی صورت میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی صورت میں واپس جاتی ہے)

پھر فرمایا:

عن ابی موسیٰ: أیما امرأۃ استعطرت ثم خرجت فیوجد ریحها فهی زانیة وکل عین زانیة[3]

(حضرت ابوموسیٰ اشعریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو عورت عطر و خوشبو لگا کر مردوں کے پاس سے گزرے تاکہ وہ اس کی خوشبو سونگھیں وہ عورت زناکار ہے اور ہر آنکھ جو اس کو دیکھے زناکار ہے)

عورتوں کو گھر میں رہنے کی ترغیب دیتے ہوئے فرمایا:

عن عبداللّٰہ عن النبی ﷺ قال. المرأۃ عورۃ فاذا خرجت استشرفها الشیطان[4]

(حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ عورت سراپا پوشیدہ رہنے کے قابل ہے جب وہ باہر نکلتی ہے تو شیطان اس کی تاک میں لگ جاتا ہے)

مندرجہ بالا احادیث عورتوں کے بلاضرورت گھر سے باہر نکلنے کی تحدید کرتی ہیں اور خوشبو لگا کر گھر سے باہر نکلنے اور راستے کے درمیان میں چلنے سے منع کیا گیا ہے۔ اگر بامر مجبوری ایسا کرنا ناگزیر ہو تو راستوں کے کنارے پر چلیں تاکہ غیر مردوں سے سامنا نہ ہو جبکہ آج کل تو تقریبات میں اس طرف دھیان بالکل نہیں ہے۔ حتیٰ کہ عورتوں کو کھانا بھی اکثر مرد پیش کرتے ہیں اور شادی سے ہٹ کر بھی

---

۱۔ الطبرانی، المعجم الاوسط، (قاہرہ: دارالحرمین، ۱۴۱۵ھ)، باب من اسمہ علی، حدیث نمبر: ۴۰۳۸، ص: ۲۲۶/۴

۲۔ مسلم، الصحیح المسلم، باب ندب من رأی امرأۃ فوقعت فی نفسہ، حدیث نمبر: ۳۴۷۳، ص: ۱۲۹/۴

۳۔ الدارمی، عبداللہ بن عبدالرحمن، ابومحمد، سنن الدارمی، (بیروت: دارالکتاب العربی، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۷ھ)، باب فی کراھۃ اظہار الزینۃ، حدیث نمبر: ۲۶۴۳، ص: ۳۶۲/۲

۴۔ الترمذی، سنن الترمذی، باب کراھۃ خروج النساء فی الزینۃ، حدیث نمبر: ۱۱۷۳، ص: ۴۷۶/۳

سے لاعلم نہیں اور یہ نتائج معاشرے کو روبہ زوال کیے ہوئے ہیں۔

### ۱۰۔ عبادت میں گناہ کی آمیزش:

نبی ﷺ کا یہ ارشاد پہلے نقل کیا جا چکا ہے کہ نکاح میری سنت ہے۔ اس کے ذریعہ اس بات کی طرف اشارہ فرما دیا کہ یہ محض دنیا داری کا کام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ نے اس کو ثواب کا کام بنا دیا ہے۔ اس سے یہ بات پتہ چل رہی ہے کہ دنیا کے کام جن کو ہم دنیا سمجھتے ہیں اگر ان سب کاموں میں ہماری نیت اللہ کو راضی کرنا ہو اور اللہ کی خوشنودی حاصل کرنا ہو تو پھر کھانا پینا، تجارت وصنعت سب دین بن جاتی ہے۔

لہٰذا جب نکاح عبادت ہے تو عبادت کو گناہ کی آمیزش سے پاک ہونا چاہیے۔ یہ عجیب بات ہے کہ عبادت بھی ہو رہی ہے اور ساتھ ساتھ حرام کام بھی ہو رہا ہے۔ گناہ بھی ہو رہا ہے۔ مثلاً اگر کوئی شخص نماز بھی پڑھے اور نماز کے دوران ریکارڈنگ بھی لگا دے۔ اب نماز بھی ہو رہی ہے۔ اور فلمی گانے بھی چل رہے ہیں کوئی شخص کیسا ہی گیا گزرا کیوں نہ ہو نماز کے وقت گناہ سے پرہیز کرنے کی کوشش کرے گا لیکن آج کل کچھ ایسا ہے کہ نکاح کی محفل جو عبادت کی محفل ہے جو سُنت کی ادائیگی کی محفل ہے اور جس محفل پر اللہ کی رحمتیں اور برکتیں نازل ہو رہی ہیں اس کو غیر شرعی رسوم کی بدولت ہر طرح کے گناہوں کا مجموعہ بنا دیا گیا ہے۔ مرد و عورت کا آزادانہ میل ہو رہا ہے۔ عورتیں بن سنور کر محفل کے اندر آ رہی ہیں اور ساتھ میں نکاح کی عبادت بھی ہو رہی ہے۔ اور بعض جگہوں پہ تو یہ طریقہ نکاح بھی سنت کے مطابق نہیں ہوتا۔ کہیں دولہا اور دلہن سے چھ کلمے، ایمان مفصل ایمان مجمل وغیرہ اس موقع پر پڑھائے جاتے ہیں جو سُنت سے ثابت نہیں۔ مفتی عبدالرؤف اس پر روشنی ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں:

کہ اس موقع پر گناہوں کا ارتکاب بہت ہوتا ہے۔ جس طرح ہمارے اور کاموں میں بگاڑ آ گیا ہے جس طرح اور صورتیں ہمارے خراب اور بگڑ گئے ہیں۔ جس طرح ہماری نمازوں میں طرح طرح کی کوتاہیاں بھر گئی ہیں اور حج اور زکوٰۃ میں طرح طرح کی خامیاں اور خرابیاں آ گئی ہیں۔ اس طرح نکاح کے موقع پر بھی ایسی ایسی کوتاہیاں اور کمزوریاں اور ایسی ایسی خامیاں اور ایسے ایسے گناہ وجود میں آ گئے ہیں کہ " الامان والحفیظ"[۱]

### ۱۱۔ نمازوں کا غارت ہونا:

شادی بیاہ کے موقع پر رسم و رواج نبھانے کے جہاں اور بہت سے ثمرات دیکھنے کو ملتے ہیں وہاں یہ بھی مشاہدہ کیا گیا ہے کہ بہت سے مرد اور عورتیں اس دوران نماز سے غافل ہو جاتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ شریعت نے انہیں اس موقع پر نماز کی رخصت دی ہوئی ہے۔ وہ ان فضول رسومات، راتوں کو دیر تک رت جگا اور دوسری مصروفیات کی بنا پر نوافل تو کیا فرض نمازیں بھی ادا کرنے سے قاصر رہتے ہیں اور یوں کفر کے نزدیک پہنچ کے رہ جاتے ہیں۔ ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

عن ابی سفیان قال سمعت جابراً یقول سمعت النبی ﷺ . یقول إن بین الرجل و بین الشرک والکفر ترک الصلاۃ[۲]

(ابوسفیان سے روایت ہے کہ میں نے جابر رضی اللہ عنہ سے یہ کہتے سُنا کہ انہوں نے نبیٔ اکرم ﷺ سے سنا کہ آدمی اور شرک کفر کے درمیان نماز کا ترک کرنا ہے)

---

۱۔ سکھروی، عبدالرؤف، مفتی، شادی بیاہ کے اسلامی احکام، ص:۱/۵۴، ۵۵

۲۔ المسلم، الصحیح مسلم، باب، بیان اطلاق اسم الکفر علی من ترک الصلاۃ، نمبر:۲۵۶، ص:۱/۶۱

عن ابی الدردا قال قال رسول اللہ ﷺ فمن ترکھا متعمدًا فقد کفر۔[1]

(ابی دردا رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ نبی اکرم ﷺ نے فرمایا جس نے جان بوجھ کر نماز ترک کی اس نے کفر کیا)

اگر یہ لوگ نماز کا اہتمام کرتے تو بہت قریب تھا کہ وہ ان فواحش اور فضولیات میں ہی نہ پڑتے کیونکہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

إِنَّ الصَّلٰوةَ تَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَاءِ وَالْمُنْكَرِ [2]

(بے شک نماز بے حیائی اور بُری باتوں سے روکتی ہے)

## ۱۲۔ توہم پرستی:

شادی بیاہ کے موقع پر بعض امور ایسے انجام دیے جاتے ہیں جو توہم پرستی کی علامت ہیں صرف شادی بیاہ کا موقع ہی نہیں بلکہ دوسرے مواقعوں پر بھی جیسے بچے کی پیدائش کے موقع پر کچھ لوگ گھر کے دروازوں پر پتے لٹکا دیتے ہیں کچھ لوگ بچے کے سرہانے لوہے کی کوئی چیز رکھ دیتے ہیں۔ بعض لوگ مختلف ایام اور تواریخ میں شادی وغیرہ پسند نہیں کرتے۔ چنانچہ فتاویٰ دارالعلوم میں ہے۔

☆ اکثر لوگ ۳،۱۳،۲۳،۸،۲۸ وغیرہ تواریخ اور پنجشنبہ و یکشنبہ و چہارشنبہ وغیرہ ایام کی شادی پسند نہیں کرتے اعتقاد یہ ہے کہ سخت نقصان پہنچے گا۔ اس بارے میں کیا حکم ہے؟

ج۔ یہ اعتقاد غلط اور باطل ہے اس قسم کے رواج کو توڑا جائے [3]

☆ اس طرح بعض لوگ کچھ مہینوں میں شادی کرنا بھی اچھا تصور نہیں کرتے۔ جیسا کہ بہت سے لوگوں کا کہنا ہے کہ ''صفر'' کے مہینہ میں شادی کرنا ٹھیک نہیں کیونکہ اس کے پہلے تیرہ دنوں میں تمام جنات آزاد کر دیئے جاتے ہیں شرعاً اس کی کیا حقیقت ہے؟

ج۔ یہ بات بالکل بے اصل ہے۔ اللہ تعالیٰ کے بنائے ہوئے دنوں اور مہینوں میں سے کوئی دن اور کوئی مہینہ منحوس نہیں، کسی دن یا مہینے کے بارے میں ایسا عقیدہ رکھنا بہت سخت گناہ اور جہالت کی بات ہے [4]

نبی کریم ﷺ کی مندرجہ ذیل حدیث ان تمام عقیدوں کی تردید کرتی ہے:

عن ابی ہریرہؓ قال قال رسول اللہ ﷺ لا عدوی ولاطیرۃ ولا ھامّۃ ولا صفر [5]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا نہ چھوت چھات ہے نہ الو ہے نہ صفر ہے)

## ۱۳۔ حدوداللہ سے انحراف:

شادی کے موقع پر بہت سے کام رسم و روایت سمجھ کر ادا کیے جاتے ہیں۔ انہی رسموں میں ایک یہ رسم ہے کہ لڑکی والے یہ جانتے ہوئے بھی کہ مرد کے لیے سونا حرام ہے۔ شادی پر لڑکے کو سونے کی انگوٹھی پہناتے ہیں۔ اس طرح بعض دولہا کو مہندی بھی لگاتے ہیں بعض شادی والے دن دولہا کو ریشمی لباس پہناتے ہیں۔

---

۱۔ مسند البزار،(http://www.alsunnah.com)، باب ماروی......عن ابی الدرداحدیث نمبر ۴۱۴۸، ص: ۱۰/۷۲

۲۔ العنکبوت: ۴۵

۳۔ عزیز الرحمٰن، مولانا مفتی، فتاویٰ دارالعلوم دیو بند، ص: ۱/۴۶۴

۴۔ ہفت روزہ ضرب مومن، شمارہ نمبر ۲۱۰، ۲۳ تا ۲۹ صفر ۱۴۲۲ھ

۵۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب الجذام حدیث نمبر: ۵۳۸۰، ص: ۵/۲۱۸۵

مولانا یوسف لدھیانوی اس ضمن میں لکھتے ہیں کہ:

''شادی کی یہ رسمیں جائز نہیں بلکہ بہت سے گناہوں کا مجموعہ ہیں اور ''خوشی میں سب کچھ جائز ہے'' کا نظریہ بہت ہی جاہلانہ ہے۔ قطعی حرام کو حلال اور جائز کہنے سے کفر کا اندیشہ ہے۔ گویا شیطان صرف ہماری گناہ گاری پر راضی نہیں بلکہ اس کی خواہش یہ ہے کہ مسلمان گناہ کو گناہ ہی نہ سمجھیں دین کے حلال کو حلال اور حرام کو حرام نہ جانیں۔ تاکہ صرف گناہ گار ہی نہیں بلکہ کافر ہو کر مریں، مرد کو سونا پہننا اور مہندی لگانا نہ خوشی میں جائز ہے نہ غم میں۔ ہم لوگ شادی بیاہ کے موقع پر اللہ تعالیٰ کے احکام کو بڑی جرأت سے توڑتے ہیں۔ اسی کا نتیجہ ہے کہ ہماری شادی آخر کار خانہ بربادی بن جاتی ہے''[1]

نبی پاک ﷺ نے اپنی احادیث میں مردوں پر سونا اور ریشم حرام قرار دیا ہے۔

عن علی ان النبی ﷺ اخذ حریرًا فجعله فی یمینه واخذ ذهبا فجعله فی شماله ثم قال ان هذین حرام علی ذکورِ اُمتی[2]

(حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے سیدھے ہاتھ میں ریشم اور بائیں ہاتھ میں سونا لے کر فرمایا کہ یہ دونوں میری امت کے مردوں پر حرام ہیں)

اسی طرح شادی بیاہ کے موقع پر ناچ گانے اور موسیقی کی محفلیں سجا کر حدود اللہ سے انحراف اور اللہ کی معصیت کا ارتکاب کیا جاتا ہے آج مسلمانوں میں یہ گناہ کبیرہ بہت عام ہو چکا ہے اور کوئی اس کو برا خیال ہی نہیں کرتا حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے راگ اور باجوں کو مٹانا اپنی بعثت کا مقصد بتایا ہے اور قرآن و حدیث میں گانے بجانے کے متعلق بہت سخت وعیدیں آتی ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَشْتَرِي لَهْوَ الْحَدِيثِ لِيُضِلَّ عَنْ سَبِيلِ اللَّهِ بِغَيْرِ عِلْمٍ ۝ وَيَتَّخِذَهَا هُزُوًا أُولَٰئِكَ لَهُمْ عَذَابٌ مُّهِينٌ[3]

(اور لوگوں میں سے وہ ہیں کہ خریدار ہیں کھیل کی باتوں کے تاکہ بچائیں اللہ کی راہ سے بن سمجھے اور ٹھہرائیں اس کو ہنسی وہ جو ہیں ان کو ذلت کا عذاب ہے)

امام ابن کثیر اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں:

فقال عبداللہؓ: الغناء، واللّٰه الذی لا اله الا هو، یرددها ثلاث مرّاتٍ، وكذا قال ابن عباسؓ وجابرؓ، عكرمةؒ، وسعید بن جبیرؒ، ومجاهد، وعمر بن شعیب. وقال الحسن البصری أنزلت هذه الایة: فی الغناء، والمزامیر[4]

(حضرت عبداللہ ابن مسعود نے تین بار قسم اٹھا کر فرمایا کہ ''لھوالحدیث'' سے مراد گانا بجانا ہے۔ حضرت ابن

---

۱۔ لدھیانوی، مولانا یوسف، آپ کے مسائل اور اُن کا حل، ص: ۵/۱۹۹، ۲۰۰

۲۔ النسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن، سنن النسائی الکبریٰ، (بیروت: دار الکتب العلمیة، الطبعة الاولیٰ ۱۴۱۱ھ۔۱۹۹۱م) باب تحریم الذهب علی الرجال، حدیث نمبر: ۹۴۴۵، ص: ۵/۴۳۶

۳۔ لقمان: ۶

۴۔ ابن کثیر، ابوالفداء اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، (دارطیبة للنشر والتوزیع، الطبعة الثانیة ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹م) ص: ۶/۳۳۰

عباس اور حضرت عکرمہ سعید بن جبیر مجاہد اور عمرو بن شعیب سے بھی اس آیت کی یہی تفسیر منقول ہے۔ حضرت حسن بصریؒ فرماتے ہیں کہ یہ آیت گانے اور راگ باجوں سے متعلق اُتری ہے)

احادیث مبارکہ میں بھی ایسی باتوں کو حرام قرار دیا ہے:

عن ابن عباسؓ قال : قال رسول اللّٰه ﷺ ان اللّٰه حرم علیکم الخمر والمیسر والکوبة وقال كُل مسكر حرامٌ [1]

(حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے شراب اور جوئے اور طبلہ سارنگی کو حرام کیا ہے۔اور فرمایا کہ ہر نشہ لانے والی چیز حرام ہے)

عن جابر بن عبداللّٰه قال: قال رسول اللّٰه ﷺ الغناءُ ینبت النّفاق فی القلب کما ینبت الماءُ الزّرع [2]

(حضرت جابر بن عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔گانا دل میں اس طرح نفاق پیدا کرتا ہے جس طرح پانی کھیتی اُگاتا ہے)۔

حافظ محمد عباس کھوکھر گانا سننے، بجانے وغیرہ کے درج ذیل نقصانات گنواتے ہیں:

۱۔ گانا، حرام اشیا کو خوبصورت بنا کر پیش کرتا ہے۔

۲۔ گانا فسق وفجور کا حکم دیتا ہے جو جہنم کا راستہ ہے۔

۳۔ گانا، انسانی شہوت کی ترویج میں اضافہ کرتا ہے اور شہوت کو ابھارتا ہے۔

۴۔ گانا، انسان کے دل سے مرّوت، عدالت اور شرافت کو ختم کر دیتا ہے۔

۵۔ گانا، دل کو اللہ کے ذکر سے روکتا ہے۔

۶۔ گانا، دل سے ایمانی غیرت کو ختم کر دیتا ہے۔نیکی اچھی نہیں لگتی، برائی بری نہیں لگتی۔

۷۔ گانا، شیطان کے احوال اور اس کی قوت اس کے حملے کو مضبوط بناتا ہے [3]

امام ابن تیمیہ نے لکھا ہے کہ:

ومن أعظم ما یقوی الا حوال الشیطانیة سماع الغناء [4]

(سب سے بڑی چیز جو شیطان کی طاقت کو مضبوط کرتی ہے وہ گانا کا سننا ہے)

## ۱۴۔ اسلام کے وقار کو ٹھیس پہنچانے کا موجب:

دنیا کا ہمیشہ یہ قاعدہ رہا کہ کسی قوم کے دینی اعتقادات واصول کا اندازہ اس کے ان اعمال وافعال سے لگاتی ہے۔جو اس میں بطور مراسم مذہبی رواج پائے ہوئے ہوں اور اعتقادات اور اصول ہوتے بھی دراصل اس لیے ہیں کہ اعمال وافعال میں ان کا ظہور ہو۔غیر نے جب عرسوں، قوالیوں، قبر پرستوں، درگاہ سازیوں اور اس نوع کی متعدد چیزوں کو مسلمانوں میں دینی حیثیت سے رواج پاتے دیکھا تو گمان کیا کہ یہ سب اسلام ہی کے احکام واصول کا ظہور ہے اور اس گمان کو غلط تقویت اس صورت حال نے دی کہ جو لوگ ان چیزوں میں

---

۱۔ احمد بن حنبل، مسند احمد، باب مسند عبداللہ بن عباس حدیث نمبر ۳۲۴۷، ص: ۱/۳۵۰

۲۔ بیہقی، شعب الایمان بیہقی، باب فضل وما ینبغی للمرء المسلم أن حدیث نمبر: ۵۱۰۰، ص: ۴/۲۷۹

۳۔ کھوکھر، حافظ محمد عباس صدیق، اصلاح البیوت (م۔ن ۲۰۰۶ء) ص: ۱۹۶

۴۔ ابن تیمیۃ، تقی الدین، مجموع الفتاوی (دار الوفاء الطبعۃ الثالثۃ ۱۴۲۶ھ۔۲۰۰۵ء)، ص: ۱۱/۲۹۵

خالص اور تعلیم مصفا جو اسلام میں وجہ کشش تھی، شرک و بدعت کی بدنمائی اور کثافت میں دب گئی۔ اسلام کا وقار اور جاذبیت مجروح ہوگئی ہے۔

اس سے واضح ہوتا ہے کہ رسوم ورواج کی پابندی اور بالخصوص غیر شرعی رسوم کی پابندی کے اثرات کس قدر دوررس ہیں اس سے مسلمان قوم نہ صرف خود بلکہ اپنے سچے اور پیارے مذہب اسلام کی پستی اور ذلت کا باعث بنتی ہے۔ اور بجائے باقی اقوام عالم پر غالب ہونے کے مقہور و مغلوب بن جاتی ہے اور غیر مسلم اسلام کے بارے میں غلط فہمیوں میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ کیونکہ پیروان اسلام کو جس طریقے اور ڈگر پر چلتے دیکھتے ہیں۔ اس کو عین اسلام سمجھ لیتے ہیں اور اسلام اور اہل اسلام کو کمزور جان کر اس پر کیچڑ اچھالنے میں شیر ہو جاتے ہیں۔

## ۱۵۔ قرآنی ہدایت سے صرفِ نظر اور ماضی پرستی:

قرآن حکیم چونکہ نسل انسانی کی ہدایت کے لیے آخری کتاب ہے اس لیے جب تک اس دنیا میں انسان باقی ہیں یہ ان کی بڑھتی ہوئی ضروریات کے مطابق سامان ہدایت دیتی چلی جائے گی۔ قرآن کسی خاص ماحول میں مقید نہیں ہوسکتا۔ لیکن ماضی پرستی ہمیں ایسے کرنے (رسم ورواج کی پابندی) پر مجبور کرتی ہے۔ یہی وہ چیز ہے جس سے دماغ پر سخت بیڑیاں پڑ جاتی ہیں۔ عقلیں معطل ہو جاتی ہیں۔ قوائے عمل مضمحل ہو جاتے ہیں۔ فکر و نظر کی قوتیں سلب ہو جاتی ہیں کبھی قدم اٹھتے بھی ہیں تو منہ کا رخ چونکہ پیچھے کی جانب ہوتا ہے۔ اس لیے ہر قدم پر منزل سے اور دُوری ہو جاتی ہے۔ قومیں آگے بڑھتی ہیں اور قوموں کے یہ امام پیچھے جاتے ہیں دنیا اُوپر کو ابھرتی ہے اور یہ دنیا کے پیشوا پیچھے رہ جاتے ہیں۔ ماضی پرستی کی بوجھل زنجیریں ان کے پاؤں میں پڑی ہوتی ہیں۔ ان کی دین پرستی رسوم پرستی سے بدل گئی ہے [۲]

## ۱۶۔ سودی قرض:

شادی بیاہ کے موقع کی مختلف رسومات کی انجام دہی کو لوگ اس قدر ضروری خیال کرنے لگے ہیں کہ اکثر لوگ جو کہ مالی طاقت سے محروم ہوتے ہیں وہ بھی ان رسوم کے ترک کرنے کا خیال بھی دل میں نہیں لاتے اور انہیں فرض عین سمجھتے ہیں۔ نتیجے کے طور پر دکان بیچ دی، مکان بیچ دیا، سودی قرض لے لیا اور پورے گھر میں جھاڑو پھیر دیا یعنی اگر کوئی قابل فروخت چیز ہے تو وہ بھی دے دی۔ آج کل سودی قرضے کا رواج ہو رہا ہے۔ لوگ بنکوں سے بھی سود پر رقوم نکلوانے لگے ہیں اور پھر اس دلدل سے نکلنا محال ہو رہا ہے۔ حالانکہ سود کو اللہ تعالیٰ نے حرام قرار دیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاَحَلَّ اللّٰهُ الْبَيْعَ وَحَرَّمَ الرِّبٰوا [۳]

(اور اللہ تجارت حلال کرتا ہے اور سود حرام کرتا ہے)

## ۱۷۔ حج وزکوٰۃ کی عدم ادائیگی:

ان رسموں کی ایک خرابی یہ ہے کہ ان رسموں کو پورا کرنے کے لیے غریب لوگ لڑکی کے پیدا ہوتے ہی فکر کرنے لگتے ہیں۔ جوں جوں اولاد جوان ہوتی ہے ان کی فکریں بڑھتی جاتی ہیں۔ اب نہ روٹی اچھی معلوم ہوتی ہے نہ پانی کی فکر ہوتی ہے کہ کسی صورت روپیہ جمع کرو کہ یہ رسمیں پوری ہوں۔ اب روپیہ جمع کر رہے ہیں۔ اس روپیہ میں زکوٰۃ بھی واجب ہو جاتی ہے اور حج بھی فرض ہو جاتا ہے۔ وہ

---

۱۔ عثمانی، مولانا عامر، بدعت کیا ہے؟ ص: ۲۹۸

۲۔ راجپوت، منشی جلال الدین، اصلاح الرسوم، (جالندھر: انجمن خادمان اسلام ایجوکیشن الیکٹرک پریس) ص: ۷۔

۳۔ البقرۃ: ۲۷۵

نہیں ادا کرتے کیونکہ ان عبادات میں یہ روپیہ خرچ ہو گیا تو شیطانی رئیس کس طرح پوری ہوں گی[1]

**۱۸۔ مہر کی عدم ادائیگی اور بدکاری کا اندیشہ:**

فخر اور دکھاوے کے طور پر، نمائش کے طور پر بڑی بڑی رقمیں جو مہر کے اندر مقرر کی جاتی ہیں۔ مہر کرنے سے [illegible] جاتی ہیں۔ ریا کاری کا گناہ الگ ہوتا ہے اور ادا نہ کرنے کی نیت کا گناہ الگ ہوتا ہے۔ اس طرح اگر کوئی شخص مہر کی ایک بڑی [illegible] ہے لیکن نیت نہ دینے کی ہے کہ کون دیتا ہے اور کون مانگتا ہے وغیرہ تو اس کے بعد از دواجی تعلقات بدکاری کے زمرے میں [illegible] کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

عن صیھبؓ قال قال رسول اللہ ﷺ ایما رجل تزوج امرأة، فنوی أن لا یعطیھا من صداقھا شیاءً مات یوم یموت و ھوزان[2]

(صہیبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جو شخص کسی عورت سے نکاح کرے اور اس کا کچھ مہر ٹھہرائے، پھر یہ نیت کرے کہ اس کے مہر میں سے کچھ اس کو نہ دے گا یا اس کو پورا نہ دے گا تو وہ زانی ہو کر مرے گا اور اللہ تعالیٰ سے زانی ہو کر ملے گا)

---

۱۔ نعیمی، مفتی، احمد یار خان، اسلامی زندگی، (لاہور: ضیاء القرآن پبلی کیشنز، اکتوبر ۲۰۰۳ء) ص: ۴۰

۲۔ حسام الدین، علاء الدین علی بن محمد المتقی، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال (موسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الخامسۃ ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱م) [illegible] الثالث فی الصداق، حدیث نمبر: ۴۴۷۰۶، ص: ۳۲۰/۱۶

## مبحث دوم: اخلاقی اثرات

ہماری بعض رسمیں ایسی ہیں جن میں دینی اور اخلاقی خرابیاں پائی جاتی ہیں جن سے معاشرتی، اخلاقی اور تمدنی برائیاں پیدا ہوتی ہیں اور نتائج کے لحاظ سے بھی نقصان دہ ہوتی ہیں۔ اکثر لوگ ان رسموں کی شروعات اور ادائیگی کر کے دوسرے لوگوں کے لیے نمونہ بنتے ہیں اور اس طرح دوسروں کو گناہ کی ترغیب اور برائی پھیلانے کا ذریعہ بن جاتے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد گرامی ہے

عن ابی هريرةؓ انَّ رسول الله ﷺ قال: من دعا إلى هدى كان له من الاجر مثل اجور من تبعه لاينقص ذلک من أجورهم شياءً و من دعا إلى ضلالة كان عليه من الاثم مثل اثام من تبعه لا ينقص ذالک من آثامهم شياءً[1]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا جو شخص راہ ہدایت کی طرف بلائے جتنے آدمی اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو ثواب ملے گا اسی قدر اس کو بھی ثواب ہوگا اور ان کے ثواب میں سے کچھ کم نہ ہوگا اور جو شخص کسی گمراہی کے طریقے کی طرف بلائے جتنے اس کی پیروی کریں گے جس قدر ان سب کو گناہ ہوگا اتنا اس اکیلے کو ہوگا۔ اور ان کے گناہ میں کچھ کمی نہ ہوگی)۔

سطور ذیل میں رسومات کے اخلاقی اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے:

### ا۔ غفلت و بے حسی:

"رواج پرستی کی عادت سے انسانی عقل پر ایک غفلت طاری ہو جاتی ہے، وہ اس طرح چلتی ہے جس طرح ایک نابینا دوسرے کا ہاتھ پکڑ کر چلتا ہے۔ فرق یہ ہے کہ نابینا کی قیادت بینا کرتا ہے مگر رواج خود نابینا ہے جو اس نابینا عقل کی قیادت کرتا ہے۔ پھر اس نابینا قائد سے آپ کیا توقع کر سکتے ہیں۔ کہ وہ انسانی ترقی کو زوال سے نہ بدلے گا۔ اور عقل کو سفاہت کے گڑھے میں نہ گرا دے گا۔ فطرت اس امر سے ابا کرتی ہے کہ انسان محض اس بنا پر کسی شئے کو حق سمجھ لے کہ دوسرے لوگ اس پر عامل ہیں۔ اس بہمی چیز کو، خدا نے کا نتیجہ وہ ظلم و ستم ہے جو آج دنیا میں رائج ہو رہا ہے۔ ہمارے ہاں کتنی بیوہ عورتیں مظلومانہ موت سے بدتر زندگی بسر کر رہی ہیں اور کئی لڑکیاں ترکہ پدری سے محروم فقر و فاقہ میں بسر کر رہی ہیں یہ سب کیوں ہے محض رواج پرستی کی بنا پر"[2]

خلاف شرع رسوم غیر اسلامی اثرات جہالت اور کج فہمی کا نتیجہ ہوتی ہیں اور ان رسوم کی پابندی سے اخلاقی اور دینی اعتبار سے ہمارے معاشرے پر نہایت بُرے اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ سچ تو یہ ہے کہ غیر شرعی رسومات بداخلاقی سکھاتی ہیں۔ بے حیائی بتاتی ہیں بدنام کراتی ہیں۔ مفلس و نادار بناتی ہیں، عاقبت کو گندا کرتی ہیں۔ شریعت سے جدا کرتی ہیں، جہنم کا مزہ چکھاتی ہیں۔ غیر شرعی رسوم کے عاملین اور متعلقین کو بے خانماں کرتی ہیں رسول ﷺ سے جدائی اور شیطان سے دوستی کا سبق سکھاتی ہیں[3]

---

ا۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب من سن سنة أو سيئة و من دعا، حدیث نمبر ۶۹۸۰، ص: ۶۲/۸

۲۔ سندھیلوی، مولانا محمد اسحاق، اسلام کا سیاسی نظام، ص: ۲۳

۳۔ راجپوت، منشی جلال الدین، اصلاح الرسوم، ص: ۴۷

آج کل نکاح کا مقصد مالی منفعت بن چکا ہے۔ آپس میں قرابت داری کا مقصد کم ہی پیش نظر ہوتا ہے۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں کہ ''نکاح سے مقصود ہوتا ہے دو قوموں کا مل جانا۔ تو یہ نکاح قبیلوں اور جماعتوں کو ملانے والی چیز ہے۔ مثل مشہور ہے کہ نکاح میں لڑکی دے کر لڑکا لیتے ہیں اور لڑکا دے کر لڑکی حاصل کرتے ہیں۔ مگر اب مسلمانوں نے سمجھ لیا ہے کہ نکاح مال حاصل کرنے کا ذریعہ ہے۔ جس کے چار فرزند ہوئے وہ سمجھا کہ میری چار جائیدادیں ہوگئیں کہ ان کو بیاہوں گا۔ جہیز سے گھر بھرلوں گا۔ اب جب دلہن حسبِ خواہش جہیز نہ لائی، لڑائی قائم ہوگئی۔ اب نکاح عام طور پر فساد کی جڑ بن کر رہ گیا ہے۔ کہ اپنے عزیزوں میں لڑکی دو تو آپ کا پرانہ رشتہ بھی ختم ہو جاتا ہے کیوں؟ اس لیے کہ نکاح کو ایک مالی کاروبار سمجھ لیا گیا ہے[۱]

## ۳۔ والدین اور اولاد کے درمیان ناچاقی:

بعض اوقات یوں بھی ہوتا ہے کہ والدین بڑے بچوں یعنی شروع والے بچوں کی شادی تو بڑے دُھوم دھام سے کرتے ہیں لیکن جب باقیوں کی باری آتی ہے تو والدین اتنی مالی استطاعت نہ ہونے کی باعث ان بچوں کی نکاح وشادی پر اتنی شان وشوکت کا مظاہرہ کرنے سے باز رہتے ہیں۔ نتیجتاً یہ بچے اس ناانصافی پر والدین سے شاکی رہتے ہیں اور باہم تناؤ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ مفتی احمد یار خان کہتے ہیں کہ ان رسموں کی ایک خرابی یہ ہے کہ ''اگر ایک شخص کے ہاں چند اولاد ہیں۔ پہلے کا نکاح تو بہت دھوم دھام سے کیا۔ پھر ایک نکاح میں اس کا مصالحہ ختم ہوگیا۔ باقی اولاد کے فقط نکاح ہی ہوئے، کوئی رسم ادا نہ ہوئی کیونکہ روپیہ نہ تھا تو اب اس اولاد کو ماں باپ سے شکایت پیدا ہو جاتی ہے کہ ہمارے بڑے بھائی میں کیا خوبی تھی جو ہم میں نہ تھی تو باپ اور اولاد میں ایسی بگڑتی ہے کہ خدا کی پناہ[۲]

## ۴۔ حرام ذرائع آمدن:

امیر لوگ ان تقریبات میں دل کھول کر روپیہ برباد کرتے ہیں اور اپنی اس مادی ترقی کی بے جا نمود ونمائش کرتے ہیں۔ سب اس ظاہری نمود ونمائش سے غریب محروم اور تنگ دست لوگوں کی دل شکنی ہوتی ہے۔ جس سے مایوسی، حسد اور بغض جیسے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔ بعض اوقات غریب طبقہ کی مایوسی اس حد تک بڑھ جاتی ہے کہ وہ ناجائز طریقوں مثلاً چوری، ڈاکہ زنی اور لوٹ مار سے امیر طبقے سے دولت چھین کر اپنی ضرریات زندگی کو پورا کرتے ہیں[۳]

یعنی ہمارے ہاں شادی بیاہ اور جہیز کے اخراجات کا معیار کچھ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اس کا قائم رکھنے کے لیے حصول دولت کے ناجائز ذریعوں (رشوت، چور بازاری، سمگلنگ، گداگری) وغیرہ کو بھی استعمال میں لانے سے گریز نہیں کیا جاتا۔ اب حالت یہ ہے کہ متعدی مرض سارے معاشرے کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔

## ۵۔ غریب والدین پر لعن طعن:

غریب لوگ لڑکی کے لیے بچپن ہی سے کپڑے جمع کرنا شروع کر دیتے ہیں کیونکہ اتنے جوڑے وہ ایک دم نہیں بنا سکتے۔ جب تک لڑکی جوان ہوتی ہے کپڑے گل جاتے ہیں۔ انہی گلے ہوئے کپڑوں کے جوڑے بنا کر دیتے ہیں۔ جب وہ پہنے جاتے ہیں تو وہ دن

---

۱۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص:۳۹

۲۔ ایضاً، ص:۳۹،۴۰

۳۔ نوائے وقت، سنڈے میگزین، (۲۱ر دسمبر ۲۰۰۸ء) ص:۲۱

کے مستحق ٹھہرتے ہیں۔[1]

اس طرح ہمارے معاشرے میں جہیز اب لڑکیوں کے والدین کی ساکھ کا مسئلہ بن چکا ہے۔ وہ شخص جو گھر کے اخراجات بھی آسانی سے نہیں چلا سکتا لڑکی پیدا ہوتے ہی اُسے یہ فکر دامن گیر ہو جاتی ہے کہ جہیز کی تیاری کے لیے خواہ قرض ہی لینا پڑے لیکن بچی کی شادی کے موقع پر ساکھ قائم رہے اور برداری میں ناک رہ جائے۔

### ۶۔ بدنامی:

شادی کے موقع پر بے جا اسراف اور دوسرے کام اپنے نام کے لیے کیے جاتے ہیں۔ مگر سوائے بدنامی کے کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ کھانے والے تو کھانے میں عیب نکالتے ہوئے جاتے ہیں کہ اس میں گھی ولایتی تھا۔ نمک زیادہ تھا، مرچ اچھی نہ تھی وغیرہ۔ حضرت مولانا تھانوی کہتے ہیں کہ جتنی نام کی کوشش کرتے ہیں اتنی بدنامی ہوتی ہے۔ پھر وہ ایک مہاجن کا قصہ بیان کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ ایک مہاجن نے بڑھی دھوم دھام سے شادی کی۔ بہت خرچ کیا، براتیوں میں سے ہر شخص کو ایک ایک اشرفی بھی دی۔ جب بارات واپس ہوئی تو آپ کو یہ خیال ہوا کہ ہر گاڑی میں میرا تذکرہ ہو گا اور تعریف ہو رہی ہو گی۔ اس کو کسی بہانے سے سننا چاہیے۔ چنانچہ وہ ایک مقام پر خفیہ طور پر کھڑے ہو گئے۔ بارات وہاں سے گزری مگر کسی گاڑی میں اپنا تذکرہ نہ پایا آخر ایک گاڑی میں انہوں نے دیکھا کہ دو شخص میرا تذکرہ کر رہے ہیں۔ انہوں نے شوق سے کان لگائے۔ ایک نے کہا دیکھو کیا کام کیا ہے۔ ایک ایک اشرفی سب کو دی ہے یہ کام کسی نے نہیں کیا۔ دوسرے نے کہا کہ سسرے نے ایک ایک دی ہے۔ دو دو دیتا تو مر جاتا۔ غرض یہ کہ نام کے لیے مال برباد کرتے ہیں مگر وہ بھی میسر نہیں۔[2]

### ۷۔ حسد:

دھوم دھام سے شادی کرنے کا ایک نقصان یہ بھی ہوتا ہے کہ اس سے دوسرے مالداروں کے دل میں اس شخص کے لیے حسد پیدا ہوتا ہے کہ یہ تو ہم سے بھی بڑھنے لگا۔ اب وہ اس کی کوشش کرتے ہیں کہ کسی طرح انتظام میں کوئی عیب نکالیں۔ اگر کچھ تھوڑی بھی انتظام میں کمی رہ گئی ہے تو پھر ہر طرف اس کا چرچا ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ میاں صاحب کیا ہمیں تو حقہ بھی نصیب نہیں ہوا۔ دوسرا کہتا ہے میاں بھوکے مر گئے۔ رات کو دو بجے کھانا نصیب ہوا۔ جب انتظام نہیں ہو سکتا تھا تو اتنے آدمیوں کو بلایا ہی کیوں تھا۔ اس کم بخت کا تو روپیہ برباد ہوا اور ان کی ناک بھی سیدھی نہ ہوئی۔ بعض دفعہ حسد میں کوئی یہ حرکت کرتا ہے کہ پکتی دیگ میں ایسی چیز ڈال دیتا ہے کہ جس سے کھانا خراب ہو جائے۔ پھر اس کا ہر محفل میں چرچا ہے اور اچھی طرح ناک کٹتی ہے۔[3]

### ۸۔ وقت کا ضیاع:

شادی کی تقریب آج کل بے شمار رسومات کی بدولت ایک لمبے عرصے پر محیط ہوتی ہے۔ شادی بیاہ کے رسم و رواج کی سیریز کا آغاز جس کارروائی سے ہوتا ہے وہ رسم منگنی کہلاتی ہے۔ سب سے پہلے منگنی کے ذریعہ یہ پیغام دیا جاتا ہے کہ دو فلاں فلاں خاندان آپس میں جڑ گئے ہیں اور رشتہ داروں میں جنہیں عرفِ عام میں شریکا کہا جاتا ہے۔ قربتیں پیدا ہونی شروع ہو جاتی ہیں اور رسم و رواج کا سلسلہ بھی اپنے عروج کی طرف بڑھنے لگتا ہے۔ اور بہت سا قیمتی وقت ان رسومات کی نذر ہو جاتا ہے۔ شادی کی جس تقریب کے لیے

---

۱۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص: ۴۱

۲۔ تھانوی، اشرف علی، اسلامی شادی، ص: ۱۸۳

۳۔ ایضاً، ص: ۱۸۴

ایک دن یا چند سکے کافی ہوتے ہیں وہ ان برسوں اور کم از کم ان ماہ میں انجام پاتی ہے [1]

### ۹۔ دشمنی اور بغض:

شادی بیاہ کی تقاریب میں جہاں بے جا خرچ ہوتا ہے اور اسراف اور تبذیر کا مظاہرہ عروج پر ہوتا ہے۔ یہی تقاریب دشمنی اور بغض پیدا کرنے کا نہایت مؤثر ذریعہ ہیں۔ کیونکہ جس سیٹھ کے محل میں اس کی بیٹی کی شادی ہو رہی ہے تو اس کا کوئی ڈرائیور بھی ہوگا۔ کوئی باورچی بھی ہوگا۔ کوئی پہرے دار بھی ہوگا۔ ان کے گھروں میں بچیاں بوڑھی ہو رہی ہوں گی، جن کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے ان کے پاس کچھ نہیں۔ جب وہ دولت کو پانی کی طرح بہتے ہوئے دیکھیں گے تو ان کے دل کی کیفیات کیا ہوں گی؟۔ انہیں موقع ملے گا تو اس سیٹھ کا پیٹ نہیں پھاڑیں گے؟ یہ فطری نتیجہ ہے۔ اس سے یقیناً دشمنی اور بغض پیدا ہوگا [2]

### ۱۰۔ زیب و زینت میں حد سے تجاوز:

آج کل شادی بیاہ کے موقع پر زیب و زینت اور آرائش و زیبائش میں لوگ ایک دوسرے کو پیچھے چھوڑنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اور یہی وہ سنہری موقع ہوتا ہے جب دوسروں پر اپنی امارت و دولت، حسن کا رعب جما سکیں۔ مختلف وضع قطع کے لوگ دیکھنے کو ملتے ہیں۔ کوئی کسی ہیرو کا سٹائل اپنائے ہوئے ہوتا ہے اور کوئی کسی انگریز کی صورت میں اپنے آپ کو پیش کر کے فخر محسوس کر رہا ہوتا ہے۔ اس دوڑ میں عورتیں سب سے آگے ہیں۔ جو اس موقع پر ملبوسات اور جیولری کی نمائش کرتی دکھائی دیتی ہیں۔ گویا کہ ماڈلنگ شو پیش کیا جا رہا ہے۔ اور غیر مردان تمام نظاروں سے محظوظ ہوتے ہیں۔ مولانا شاہ اسماعیل شہید کہتے ہیں۔

کہ دیکھو زیادہ بناؤ سنگھار سے کافروں سے مشابہت ہو جاتی ہے۔ کبھی مرد ریشمی کپڑے پہننے لگتا ہے، کبھی رنگا ہوا کپڑا استعمال کرتا ہے..... کبھی ٹخنوں سے نیچے پاجامہ استعمال کرتا ہے۔ کبھی لمبی لمبی آستینیں اور نیچی نیچی قبائیں پہنتا ہے..... کبھی سونے کی انگوٹھیاں اور چھلے پہن لیتا ہے۔ کبھی سونے، چاندی کے برتنوں میں کھا لیتا ہے کوئی عورت کا سا رنگ ڈھنگ بناتا ہے۔ کوئی ہتھیاروں کو خوب سجاتا ہے، کوئی سواری کا خوب اہتمام کرتا ہے کوئی مکان انتہائی خوبصورت بناتا ہے، کوئی خوشبو میں بسا رہتا ہے۔ کوئی بالوں کے بنانے میں مصروف رہتا ہے [3]

آپ ﷺ نے ان باتوں سے منع فرمایا کہ یہ سب کام فضول، زینت، اظہار شان و شوکت اور غرور کے ہیں اور دنیا میں مشغول کر کے اللہ سے غافل کرنے والے ہیں۔ حضور ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

عن ابن مسعود قال کان النبی ﷺ یکرہ ......العفرۃ...... یعنی الخلوق وتغیر الشیب وجر الازار والتختم بالذھب والتبرج بالزینۃ لغیر محلھا. [4]

حضرت ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ نبی ﷺ زردی یعنی زعفران وغیرہ کی خوشبو سفید بالوں میں تبدیلی تہبند لٹکانا، سونے کی انگوٹھی پہننا اور عورت کا غیر مرد کے لیے بناؤ سنگھار کرنا ان سب کو مکروہ سمجھتے تھے

بعض ایسے کام ہوتے ہیں کہ انسان اپنی زینت کے واسطے کرتا ہے مگر اس سے کافروں کے ساتھ مشابہت ہو جاتی ہے اور

---

۱۔ ماہنامہ تحریکِ اصلاحِ معاشرہ پاکستان، (اپریل: ۱۹۹۴ء) ج:۱، شمارہ نمبر ۱۰، ص: ۱۰

۲۔ ماہنامہ میثاق، (لاہور: اپریل ۲۰۰۵ء) ج: ۵۴، شمارہ: ۴، ص: ۱۷

۳۔ شہید، شاہ محمد اسماعیل، تقویۃ الایمان مع تذکیر الاخوان، (لاہور: امجد اکیڈمی، س۔ن) ص ۳۰۲

۴۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد (بیروت، دار الکتاب، العربی س۔ن)، باب ماجاء فی خاتم الذھب، حدیث نمبر ۴۲۲۲، ص: [illegible]

مشابہت منع ہے۔شاہ اسماعیل شہید کہتے ہیں کہ کافر جو کام اپنے دین کی بات جان کر کریں اور وہ بات مسلمانوں پر فرض یا واجب نہ ہو تو اس میں مسلمان کافروں کی مشابہت سے بچیں اور وہ کام نہ کریں جو کام کافروں کے ساتھ خاص ہیں۔جس سے ان کو پہچانا جاتا ہے وہ ہم مسلمانوں کو منع ہیں۔جو کام ہمارے دین میں فرض یا واجب ہیں اگر ان کو کافر کرنے لگیں تو ہمیں ان کو نہیں چھوڑنا چاہیے اور جو کام انسانی تقاضوں کے مطابق ہیں انہیں بھی کافروں کی مشابہت کی وجہ سے نہیں چھوڑنا چاہیے، مثلاً کھانا، پینا، سونا جاگنا، نکاح کرنا وغیرہ لیکن ان کاموں میں کافروں کی کوئی مخصوص وضع ہو تو وہ مسلمانوں کو منع ہو جائے گی۔اسی طرح طعام ولباس میں، چال ڈھال اور وضع میں، مکان، سواری میں، رسوم وعادات میں اور تہواروں اور عبادات میں کافروں کی مشابہت منع ہے[۱]

جو شخص کسی دوسری قوم کی وضع قطع اپناتا ہے اور ان کی مشابہت کرتا ہے تو وہ انہی میں شمار کیا جاتا ہے۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

**عن ابن عمر قال، قال رسول اللّٰه ﷺ من تشبه بقوم فهو منهم**[۲]

(حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ جس نے کسی قوم کی مشابہت اختیار کی وہ انہی میں سے ہے)

ایک دوسری حدیث میں یوں بیان ہوا ہے:

**عن رکانة البنی ﷺ قال فرق ما بيننا و بين المشركين العمائم على القلانس**[۳]

(حضرت رکانہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہمارے اور مشرکوں کے درمیان ٹوپیوں پر پگڑیاں باندھنے سے فرق ہوتا ہے)

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ لباسوں میں فرق کرنا چاہیے خواہ ادنیٰ سا فرق ہی کیوں نہ ہو

ایک اور حدیث اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے۔ارشاد نبوی ﷺ ہے۔

**عن ابی ہریرہؓ ان النبی ﷺ قال ان اليهود والنصارىٰ لا يصبغون مخالفوهم**[۴]

(حضرت ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا یہودی اور عیسائی داڑھیاں نہیں رنگتے تم ان کی مخالفت کرو)

مذکورہ بالا تینوں احادیث سے یہ بات اخذ ہوئی کہ وضع اور ہیئت میں کافروں کی مشابہت نہیں ہونی چاہیے۔ مثلاً ہندوؤں کے تہواروں کی خوشی منانا، لڑکوں کو زیور پہنانا، شادی میں لہنگا باندھنا، مرد کا ریشمی کپڑوں کا استعمال کرنا، عورتوں کا لہنگا پہننا وغیرہ یہ سب ہندوؤں کی مشابہت ہے[۵]

حضور ﷺ نے جہاں پاک صاف رہنے کی تلقین کی وہاں ہر وقت بناؤ سنگھار میں مصروف رہنے سے بھی منع کیا ہے۔

---

۱۔ شہید، شاہ محمد اسماعیل، تقویۃ الایمان، ص: ۳۰۴

۲۔ السجستانی، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، باب لبس الشہرۃ، حدیث نمبر ۴۰۳۴، ص: ۴/۷۸

۳۔ ترمذی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، باب العمائم علی القلانس، حدیث نمبر ۱۷۸۴، ص: ۴/۲۴۷

۴۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب الخضاب، حدیث نمبر ۵۵۵۹، ص: ۵/۲۲۱۰

۵۔ شہید، شاہ محمد اسماعیل، تقویۃ الایمان، ص: ۳۰۶

عن عبداللّٰہ بن مغفل قال نھیٰ رسول اللہ ﷺ عن الترجل الا غباً[1]

(حضرت عبداللہ بن مغفل کا بیان ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے روزانہ کنگھی کرنے سے منع فرمایا مگر تیسرے روز کی اجازت دی)

اس طرح خوبصورتی کی غرض سے بالوں میں بال ملانے یا اپنے بدن کے کسی حصہ کو نیلا گدوانے وغیرہ سے بھی منع کیا گیا ہے۔درج ذیل حدیث میں ان باتوں کی ممانعت آئی ہے۔

ارشاد ہوتا ہے:

عَنْ ابن عمرؓ: انّ رسول اللہ ﷺ قال لعن اللّٰہ لواصلة والمستوصلة والواشمة والمستوشمة[2]

حضرت ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ نے بالوں میں بال ملانے والی پر، ملوانے والی پر، گودنے والی پر اور گدوانے والی پر لعنت فرمائی)

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا ایک قول یوں منقول ہے:

عن ابن مسعودؓ قال لعن اللّٰہ الواشمات والمستوشمات والمتنمّصات والمتفلّجات للحُسنِ المغيّرات خلق اللّٰہ تعالیٰ[3]

حضرت ابن مسعودؓ کا قول ہے کہ اللہ نے گودنے والی پر، گودوانے والی پر، پیشانی کے بال اکھیڑنے والی پر، دانت رتوانے والی پر اور اللہ کی پیدائش کو بدل ڈالنے والی پر لعنت فرمائی ہے)

اس طرح اگر کوئی عورت خوبصورتی کی غرض سے مردانہ لباس پہنے اور ان کی مشابہت اختیار کرے تو ایسی عورت بھی لعنت کی مستحق ہے۔

حضرت عائشہؓ فرمائی ہیں:

عن عائشةؓ قالت لعن رسول اللّٰہ ﷺ الرَّاجلة من النِّسَاءِ[4]

(حضرت عائشہؓ کا قول ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے مرد بننے والی عورت پر لعنت فرمائی ہے)

معلوم ہوا کہ جو عورت مردانہ لباس پہنے اس پر خدا کی لعنت ہے۔اس طرح عورت کو اپنی زینت اور بناؤ سنگھار نہ کرنا بھی لعنت کا سبب ہے گویا کہ وہ مردوں کی وضع اختیار کرتی ہے۔

---

۱۔ التمیمی، محمد بن حبان، بن احمد، صحیح ابن حبان، (بیروت: موسسة الرسالة، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۳م)، باب کتاب الزینة والتطیب حدیث نمبر ۵۴۸۳، ص: ۲۹۵/۱۲

۲۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب الوصل فی الشعر، حدیث نمبر: ۵۵۹۳، ص: ۲۲۱۷/۵

۳۔ ایضاً، باب المتفلجات للحسن حدیث نمبر: ۵۵۸۷، ص: ۲۲۱۶

۴۔ السجستانی، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب اللباس باب لباس النساء حدیث نمبر: ۴۱۰۱، ص: ۱۰۵/۴

## خلاصہ بحث:

غیر شرعی رسم و رواج کے معاشرے مذہبی واخلاقی اثرات کو مختصراً یوں بیان کیا جاسکتا ہے۔

۱۔ بعض لوگ رسم ورواج کو فرائض وواجبات پر ترجیح دینے لگے ہیں۔

۲۔ بعض رسوم لوگوں کو شرک کے نزدیک پہنچانے کا باعث ہیں۔

۳۔ لوگ اللہ پر توکل اور بھروسے کو چھوڑ کر دوسرے سہارے ڈھونڈنے کے چکر میں پھنس گئے ہیں۔

۴۔ لوگوں کے اندر حرص وہوس اور ریا کاری کے جذبات پیدا ہوتے ہیں۔

۵۔ رسم ورواج کی پابندی میں اکثر لوگوں کی شادیاں وقت پر ہونے سے رہ جاتی ہیں اور بدکاری میں مبتلا ہونے کا اندیشہ بڑھ جاتا ہے۔

۶۔ اکثر رسوم کی ادائیگی کرتے ہوئے غیر مردوں اور عورتوں کا اختلاط ہوتا ہے اور بے پردگی ہوتی ہے۔ ناچ گانے موسیقی اور گانے بجانے کی رسم عام ہوگئی ہے۔ جو گناہوں کا مجموعہ اور اللہ کے احکامات کی صریح نافرمانی ہے۔

۷۔ غیر ضروری رسوم میں مبتلا ہو کر اکثر لوگ دین اسلام کے وقار کو مجروح کرنے کا ذریعہ بنتے ہیں۔

۹۔ سودی قرض کو فروغ مل رہا ہے اور حقوق العباد کو غصب کیے جارہے ہیں۔

۱۰۔ لوگ رسوم کی ادائیگی کے لیے پیسہ جوڑ جوڑ کر رکھتے ہیں اور حج اور زکوۃ کی ادائیگی کی طرف توجہ نہیں دیتے۔

۱۱۔ یہ رسمیں غفلت وبے حسی، حسد وبغض، بدنامی اور وقت کے ضیاع کا باعث ہیں۔

## فصل دوم: معاشرتی و معاشی اثرات

### مبحث اوّل: معاشرتی اثرات

ہمارے ہاں امیر طبقے میں شادی بیاہ کی رسم فحاشی، بے حیائی اور اللہ کی صریح نافرمانی کا ایک ایسا مظاہرہ بن چکی ہے۔ اس میں دل کھول کر روپیہ برباد کیا جاتا ہے اور شیطان کی رضا اور خوشی کا بھرپور اہتمام کیا جاتا ہے۔ رات گئے تک شادی کی ہنگامے برپا رہتے ہیں بینڈ باجے، فائرنگ اور شور و غوغا کا ایسا طوفانِ بدتمیزی برپا ہوتا ہے کہ ساری بستی ہل جاتی ہے۔ سوئے ہوئے بچے دہشت سے جاگ اٹھتے ہیں۔ جوان لڑکے اور لڑکیاں آراستہ و پیراستہ چمکیلے، بھڑکیلے ملبوسات میں مووی کیمرہ مین کی زد میں لائے جاتے ہیں۔ مسلمان ہو کر کافروں جیسے کام ہو رہے ہوتے ہیں۔ اپنی خوشیوں کا جشن مناتے ہوئے مذہب و شریعت سے اس قدر بیگانہ ہیں کہ اللہ کے غضب کو دعوت دے رہے ہیں۔ بچے تو بچے بڑوں کی عقل پہ بھی پردہ پڑ چکا ہے۔ ہزاروں روپے برباد ہو رہے ہیں لیکن یہ سب کچھ بچوں کی خوشیوں کے نام پر جائز سمجھا جا رہا ہے۔ اگر کسی کو سمجھانے کی کوشش کی جائے تو یہ جواب ملتا ہے کہ کیا کریں اب اس دنیا کے ساتھ تو چلنا پڑتا ہے۔ زمانے کے ساتھ قدم ملا کر چلنا ہماری مجبوری ہے۔

الغرض ان رسومات کے کیا معاشرتی اثرات مرتب ہو رہے ہیں۔ آئندہ صفحات میں انہی کو زیر بحث لایا جاتا ہے۔

#### ا۔ اسراف و تبذیر:

ہماری بہت سی رسموں میں عام طور پر اسراف اور فضول خرچی پائی جاتی ہے۔ اپنی بساط سے بڑھ کر لوگوں کو بلانا، ان کی گنجائش سے زیادہ کھانے کا بندوبست کرنا، جو کام ایک ہزار میں ہو سکتا ہے اس پر دو ہزار روپیہ خرچ کرنا، طعام کا ضائع کرنا، دولہا، دلہن پر نچھاور کر کے پیسے پھینکنا، آتش بازی کرنا، حیثیت اور ضرورت سے زیادہ جہیز دینا، کپڑے بنانا، ڈیکوریشن میں فضول خرچی کرنا۔ ان تمام کاموں کو سرانجام دینے کے لیے بعض اوقات سود پر قرض لیا جاتا ہے۔ اور بعض موقعوں میں جائیداد تک بیچ دی جاتی ہے۔ جو دنیا اور آخرت کی بربادی کا سبب ہے۔ یہ سارے کام اسراف و تبذیر میں آتے ہیں۔ قرآن مجید میں اسراف و تبذیر سے منع کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

وَاٰتِ ذَا الْقُرْبٰى حَقَّهٗ وَالْمِسْكِيْنَ وَابْنَ السَّبِيْلِ وَلَا تُبَذِّرْ تَبْذِيْرًا ○ اِنَّ الْمُبَذِّرِيْنَ كَانُوْٓا اِخْوَانَ الشَّيٰطِيْنِ ؕ وَكَانَ الشَّيْطٰنُ لِرَبِّهٖ كَفُوْرًا [1]

(اور رشتہ داروں کو اپنا حق دو اور مسکینوں کو اور مسافر کو اور فضول خرچی نہ کرو۔ بے شک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں اور شیطان اپنے رب کا بڑا ناشکرا ہے)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

كُلُوْا وَاشْرَبُوْا وَلَا تُسْرِفُوْا اِنَّهٗ لَا يُحِبُّ الْمُسْرِفِيْنَ [2]

(کھاؤ پیو اور حد سے تجاوز نہ کرو۔ اللہ حد سے بڑھنے والوں کو پسند نہیں کرتا)

---

ا۔ بنی اسرائیل: ۲۶، ۲۷

۲۔ الاعراف: ۳۱

تیسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَالَّذِيْنَ اِذَآ اَنْفَقُوْا لَمْ يُسْرِفُوْا وَلَمْ يَقْتُرُوْا وَكَانَ بَيْنَ ذٰلِكَ قَوَامًا [۱]

(اور وہ لوگ جب خرچ کرنے لگیں نہ بے جا اڑائیں اور نہ تنگی کریں اور ہے اس کے بیچ ایک سیدھی گزران)

ان آیات کریمہ کی روشنی میں رسم ورواج خاص کر شادی بیاہ پر ہونے والے اخراجات کا جائزہ لیں تو یہ صورت حال سامنے آتی ہے۔ پہلے صرف ایک نظر جہیز پر ڈالیں۔ ۱۰۰ سوٹ دلہن کا ۵۰ دولہا کے، سسرالی رشتہ داروں کے سوٹ اور گولڈ کے تحائف، ۵ سے ۱۰ دلہن کے (گولڈ کے) زیورات کے سیٹ، فرنیچر، الیکٹرونکس پراڈکٹس، کراکری وغیرہ، اشیاء کا انبار ہیں۔ جو جہیز کی صورت میں دلہن کو دیا جاتا ہے۔ پھر بری میں موجود زیورات اور کپڑے وغیرہ، شادی کی مختلف رسومات، مایوں، مہندی، برات، ولیمہ، مکلاوا وغیرہ پر آرائش اور کھانے کے اخراجات، برات اور ولیمہ والے دن دولہا اور دلہن کے سپیشل ڈریسز، دلہن کا میک اپ فوٹو سیشن، مووی میکنگ کا خرچہ، سٹیج کی سجاوٹ، مختلف تحائف کا لین دین، انواع واقسام کے کھانے...... روپے پیسے کا بے دریغ ضیا ان غیر اسلامی رواجوں کا امتیازی نشان بنتا جا رہا ہے۔ بے جا اسراف کر کے کیا ہم شیطان کے بھائی بنتے جا رہے ہیں؟ لوئر اور مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی آمدنی کی سطح کم ہوتی ہے اپنی تمام عمر کی بچتیں ان غیر اسلامی روایات اور رسومات پر خرچ کر دیتے ہیں۔ جب کہ دوسری طرف اپر کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی آمدنی کی سطح زیادہ ہوتی ہے۔ وہ اپنی کلاس میں مقابلہ کی دوڑ میں شامل ہو کر اثر نمود و نمائش کے (Demonstration Effect) تحت بے دریغ ان رسومات پر خرچ کرتے ہیں۔ یعنی امیر طبقہ جس سے یہ توقع کی جاتی ہے کہ وہ اپنی بچتوں (Savings) کو سرمایہ کاری (Investment) میں لگائیں گے وہ بھی اسے بے جا خرچ کر رہے ہیں [۲]

## ۲۔ دوسروں کی تکالیف کا باعث بننا:

کئی رسمیں ایسی ہیں جن سے خود رسموں کو ادا کرنے والے افراد اور دوسرے لوگ، پڑوسی اور اہل محلہ تکلیف میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ جیسے شادی کے موقع پر لاؤڈ سپیکر لگا کر اونچی آواز سے گانے سنانا، جبکہ بعض گانے بے حیائی اور فحاشی کے ہوتے ہیں۔ اس سے کئی نمازی متاثر ہوتے ہیں اور کئی لوگوں کا علمی نقصان ہوتا ہے۔ اسی طرح آتش بازی اور فائرنگ سے بعض اوقات انسانی جانوں کا نقصان ہوتا ہے جو گناہ کبیرہ ہے اور بندوں کی حق تلفی ہے [۳]

## ۳۔ تکبر وتفاخر:

ہمارے معاشرے میں شادی بیاہ اور دوسرے مواقعوں کی بہت سی رسمیں ایسی ہیں جن کے کرنے سے تکبر و تفاخر کے پیدا ہونے کا اندیشہ ہے۔ گویا کہ ان رسوم کی ادائیگی تکبر وتفاخر کا دروازہ کھولنے کے مترادف ہے اور کچھ رسموں میں تکبر، غرور اور نسلی تفاخر پایا جاتا ہے۔ اسلام میں ہر قسم کا فخر وغرور اور تکبر ممنوع اور ناپسندیدہ ہے۔ تاہم نسلی فخر، غرور اور بھی برا ہے۔ اور برتری کا معیار صرف تقویٰ ہے۔ جیسا کہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ اِنَّا خَلَقْنٰكُمْ مِّنْ ذَكَرٍ وَّاُنْثٰى وَجَعَلْنٰكُمْ شُعُوْبًا وَّقَبَآئِلَ لِتَعَارَفُوْا اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقٰىكُمْ اِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ [۴]

---

۱۔ الفرقان: ۶۷

۲۔ نوائے وقت، سنڈے میگزین، (۲۱ دسمبر ۲۰۰۸ء)، ص: ۲۱

۳۔ ماہنامہ خطیب، (لاہور: ۲۰۰۳ء) ج: ۸، شمارہ نمبر ۱، ص: ۵

۴۔ الحجرات: ۱۳

لوگو! ہم نے تمہیں ایک مرد اور عورت سے پیدا کیا اور تمہاری قومیں اور برادریاں بنا دیں تاکہ تم ایک دوسرے کو پہچانو۔ تم میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ، عزت والا وہ ہے جو سب سے زیادہ متقی ہے۔ بے شک اللہ تعالیٰ جانے والا خبردار ہے)

عَنْ عَیَاض بن حمار المجاشعی ان رسول اللہ ﷺ قال ان اللہ اوحی الی ان تواضعوا حتی لا یفخر احد علی احد ولا یبغی احد علی احد [1]

(حضرت عیاض بن حمار سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اللہ پاک نے میرے پاس وحی بھیجی کہ فروتنی کرو کوئی کسی پر فخر نہ کرے اور نہ کوئی کسی پر بڑائی جتائے)۔

ہمارے ہاں ایسی کئی رسمیں ہیں جن میں یہ برائی پائی جاتی ہے۔ جیسے نکاح بیوگان سے روگردانی۔ اپنے خاندان سے باہر لڑکیوں کا نکاح نہ کرنا، تفاخر کی وجہ سے مہر زیادہ باندھنا، لڑکی کی ضرورت اور اپنی بساط سے زیادہ جہیز دینا وغیرہ یہ سب رسمیں معاشرتی تفاخر کا ذریعہ ہیں۔

مولانا اشرف علی تھانوی اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''میں کہتا ہوں کہ (پہلے) رسمیں بالکل لغو تھیں۔ مگر یہ ضرور تھا کہ بہت سے سمجھدار کرنے والے بھی ان کو لغو سمجھتے تھے۔ اگرچہ کرتے سب تھے اور آج کل کی جو رسمیں ہیں ان کو دانشمند لوگ بھی یہ نہیں سمجھتے کہ یہ گناہ ہے اور رسمیں آج کل کی تفاخر اور تکلف کی ہیں۔ پہلے لوگ موٹا چھوٹا پہن لیتے تھے۔ باسی تازی کھا لیتے تھے اور آج کل کوئی ادنیٰ آدمی بھی غریبانہ معیشت کو پسند نہیں کرتا اپنے ہاتھ سے کام کرنے کو عیب سمجھتے ہیں۔ بول چال میں اٹھنے بیٹھنے میں سب میں تکبر و تکلف بھرا ہوا ہے گویا ہر وقت کسی نہ کسی رسم کے پابند ہیں'' [2]

## ۴۔ ازدواجی زندگی کی تباہی:

شادی بیاہ کے موقع پر رسومات کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ جو بظاہر خوشی کے اظہار کا ذریعہ ہے لیکن یہ اپنے اندر تھوڑے دنوں سے پیچھے میں قائم ہونے والے بندھن کے لیے بہت تباہ کن اثرات رکھتا ہے اور بعض اوقات ان رسومات کی بدولت نئی زندگی کی شروعات ہی بدمزہ ہو جاتی ہیں اور آخرکار یہ مسائل بڑھتے بڑھتے اپنی انتہائی شکل اختیار کر لیتے ہیں۔ چنانچہ ڈاکٹر منظور جاوید ''رسم و رواج اور جہیز کا معاشرتی جائزہ'' کے زیرِ عنوان لکھتے ہیں:

''ہمارے معاشرے میں ازدواجی زندگی کو تباہ کرنے اور عورت کو اتھاہ گہرائیوں میں لے جانے میں رسم و رواج نے نمایاں کردار ادا کیا ہے۔ اس کے نتائج بہت خطرناک رُونما ہوئے ہیں اور رسم و رواج ہمارے اجتماعی تہواروں کی راہ میں بڑی رکاوٹ بن جاتے ہیں اور ازدواجی قدریں ازدواجی مسائل کے سلجھاؤ کی راہ میں اس قدر حائل ہیں کہ مسئلہ حل ہونے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی'' [3]

بعض لوگ رسم و رواج کو نبھاتے ہوئے زیادہ مہر مقرر کرتے ہیں۔ لیکن اس کی جو دنیوی خرابیاں ہیں وہ آنکھوں سے ظاہر ہیں

---

۱۔ المسلم، الجامع الصحیح، باب العفاف التی یعرف بھا فی ، حدیث نمبر ۷۳۸۹، ص: ۱۶۰/۸

۲۔ تھانوی، مولانا، اشرف علی، اسلامی شادی (لاہور: المیزان اُردو بازار، ۲۰۰۶ء) ص: ۱۷۳

۳۔ ماہنامہ خطیب، (اکتوبر ۲۰۰۴ء) ج، نمبر ۹، شمارہ نمبر ۱۰، ص: ۱۳

لوگ دعویٰ کر کے پریشان کریں گے۔ بس مہر کی کثرت بجائے اس کے کہ عورت کی مصلحت کا سبب ہوتا الٹا اس کی تکلیف کا سبب ہو گیا۔

کثرت مہر کی یہ خرابیاں اس وقت ہیں جب ادا نہ کیا جائے یا ادا کرنے کا ارادہ نہ ہو۔ اور اگر مرد پر خوف خدا غالب ہے اور حقوق العباد سے اس نے سبکدوش ہونا چاہا اور ادائیگی کا ارادہ کیا اس وقت یہ مصیبت پیش آتی ہے کہ اتنی مقدار کا ادا کرنا اس کے تحمل سے زیادہ ہوتا ہے تو اس پر فکر و تردد (پریشانی) کا بڑا بار پڑتا ہے اور کما کما کر ادا کرتا ہے مگر زیادہ مقدار ہونے سے وہ ادا نہیں ہوتا اور وہ طرح طرح کی تنگی برداشت کرتا ہے۔ پھر اس سے دل میں تنگی اور پریشانی ہوتی ہے اور چونکہ اس تمام تکلیف کا سبب وہ عورت ہے اس لیے اس کے نتیجہ میں اس مرد کے دل میں اس سے انقباض (کھنچاؤ) اور پھر انقباض سے نفرت پھر دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔ جس کا سبب مہر کی کثرت ہے۔[1]

نبی پاک ﷺ کی ایک حدیث مندرجہ بالا مضمون کی وضاحت کرتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

**عن ابن ابی حسین مرسلاً قال رسول اللّٰہ ﷺ تیاسروا فی الصداق، فإن الرجل لیعطی المرأۃ حتیٰ یبقی ذلک فی نفسه علیها حسیکة**[2]

(ابن ابی حسین مرسل روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا کہ مہر کے اندر آسانی اختیار کرو اس لیے کہ مرد عورت کو زیادہ مہر دے بیٹھتا ہے حتیٰ کہ اس دینے سے اس کے نفس کے اندر عورت کی طرف سے دشمنی پیدا ہو جاتی ہے۔)

شادی کے موقع پر رسومات کا بڑھتا ہوا سلسلہ ہماری معاشرت کو دیمک کی طرح چاٹ رہا ہے۔ اس مسئلہ کی وجہ سے لاکھوں شریف لڑکیاں اور لڑکے اپنی زندگی برباد کر رہے ہیں۔ ہم ہمیشہ اس قضیہ کو نظر انداز کرتے رہے ہیں۔ بلکہ اسے زندگی کے فرائض میں ضروری سمجھتے ہیں۔ جس طرح ہر انسان کے لیے فطری لحاظ سے شادی ضروری ہے۔ اس طرح ہر شادی میں آج کل غیر ضروری رسومات کی ادائیگی کو ضروری بنا دیا گیا ہے۔ اور اسے معاشرے کے لیے ضروری سمجھا جاتا ہے۔ یہ ازدواجی راہوں میں ایک بھاری رکاوٹ ہے۔ جو معاشرے میں رستا ہوا ایک ناسور بن گیا ہے۔ کئی لڑکیوں کی زندگیاں قعر مذلت میں دھکیل دی جاتی ہیں اور ان کی آہ و بکا پر آج تک کسی نے کان دھر کر نہیں سنا۔

## ۵۔ جوانی کی بربادی:

ایسے والدین جن کی مالی استطاعت اچھی نہیں ہوتی اُن کی بچیاں گھل گھل کر اپنی جوانی یونہی گزار دیتی ہیں یا پھر بعض لڑکیاں جوانی سے بے قابو ہو کر بدکاری میں ملوث ہو جاتی ہیں اور یوں اپنی جوانی تباہ کر بیٹھتی ہیں۔ آج کل تو مشکل سے اچھا رشتہ ملتا ہے اور اگر کہیں قسمت سے اچھا رشتہ مل جائے تو پھر لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کی ایک لمبی فہرست موصول ہوتی ہے۔ جس میں چھوٹی چھوٹی چیزوں سے لے کر گاڑیوں اور جائیدادوں تک کی فرمائش ہوتی ہے۔ اور بعض جگہوں سے ایسی خبریں بھی آتی ہیں کہ جہیز کی لسٹ مکمل نہ ہونے کی صورت میں باراتیں لوٹ گئیں[3]

مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں:

اِس رسم کی وجہ سے غریبوں کی لڑکیاں بیٹھی رہتی ہیں اور مالداروں کی لڑکیاں ٹھکانے لگ جاتی ہیں کیونکہ لوگ اپنے بیٹوں کا پیغام وہاں ہی لے جاتے جہاں جہیز زیادہ ملے[4]

---

۱۔ تھانوی، مولانا، اشرف علی اسلامی شادی، ص: ۱۳۵

۲۔ حسام الدین، علاء الدین علی، کنزل العمال، باب الفصل الثالث فی الصداق حدیث نمبر: ۴۴۷۳۱، ص: ۳۲۴/۱۶

۳۔ جنگ، سنڈے میگزین، ۲۲ فروری ۲۰۰۹ء

۴۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص: ۳۸، ۳۹

ناخداؤں کے نازک ترین دماغ کے پردوں کو ماؤف نہیں کرتی۔ اسلام کے دعویداروں کو کچھ نہیں ہوتا۔ کئی اُٹھتی جوانیاں خاندان کی پیشانی پر بدنما داغ ثبت کر کے اپنی قسمت کا فیصلہ خود کرتی ہیں۔ پھر خاندان کی غیرت وحمیت جگاتی ہیں۔ معاشرہ اس وقت ناک بھوں چڑاتا ہے اور پھر اسے معاشرے کا ایک علیحدہ فرد تصور کیا جاتا ہے۔[1]

شریعت کی رو سے والدین پر فرض عائد ہوتا ہے کہ جب بچی سن بلوغت کو پہنچ جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ لیکن یہ کس قدر افسوس ناک بات ہے کہ بہت سے غریب والدین ایک بڑی رقم کا انتظام نہ ہونے کی وجہ سے اپنی لڑکیوں کے ہاتھ پیلے نہیں کر سکتے اور ان لڑکیوں کی جوانیاں سسک سسک کر اپنے والدین کے گھر کی چاردیواری کے اندر ہی ختم ہو جاتی ہیں اور یہ لڑکیاں مختلف ذہنی، قلبی اور روحانی اور اخلاقی بیماریوں میں مبتلا ہو جاتی ہیں۔ کئی لڑکیاں جو شرافت کی زندگی گزارتی ہیں۔ ہسٹریا کی مریضہ بن جاتی ہیں۔[2]

## ۶۔ معاشی استحصال:

برائی کی کوکھ سے برائی جنم لیتی ہے۔ شادی کے موقع پر لڑکے اور لڑکی والوں کا ایک دوسرے سے ناجائز مطالبات (مثلاً جہیز اور زیور کی بڑی تعداد وغیرہ) باہمی استحصال کی ایک گھناؤنی شکل ہے۔ ان مطالبات کو پورا کرنے کے لیے متعلقین ناجائز ذریعہ آمدن اپنانے پر مجبور ہوتے ہیں۔ قرآن مجید میں استحصال کے بارے میں ارشاد ہوتا ہے:

يَـٰٓأَيُّهَا ٱلَّذِينَ ءَامَنُوا۟ لَا تَأْكُلُوٓا۟ أَمْوَٰلَكُم بَيْنَكُم بِٱلْبَـٰطِلِ إِلَّآ أَن تَكُونَ تِجَـٰرَةً عَن تَرَاضٍ مِّنكُمْ ۚ وَلَا تَقْتُلُوٓا۟ أَنفُسَكُمْ ۚ إِنَّ ٱللَّهَ كَانَ بِكُمْ رَحِيمًا ۝ وَمَن يَفْعَلْ ذَٰلِكَ عُدْوَٰنًا وَظُلْمًا فَسَوْفَ نُصْلِيهِ نَارًا ۚ وَكَانَ ذَٰلِكَ عَلَى ٱللَّهِ يَسِيرًا[3]

(اے ایمان والو آپس میں ایک دوسرے کا مال باطل طریقے سے نہ کھاؤ۔ آپس کی رضامندی سے لین دین ہونا چاہیے اور اپنے نفوس کو قتل نہ کرو۔ بے شک اللہ تم پر رحیم ہے۔ جو شخص ظلم وسرکشی سے ایسا کرے گا اس کو ہم آگ میں جھونک دیں گے اور یہ بات اللہ پر آسان ہے)

حدیث مبارکہ میں اس کی تہدید یوں آئی ہے:

عن ابی حرة الرقاشی عن عمه قال: رسول الله ﷺ ......ألا لا تظلموا إنه لا يحل مال امرئ الّا لطيب نفس منه[4]

(ابی حرۃ رقاشی اپنے چچا سے روایت کرتے ہیں اُنہوں نے کہا کہ رسول ﷺ نے فرمایا خبردار! ظلم مت کرو، اچھی طرح سُن لو، کسی شخص کا مال اُس کی طیب خاطر کے بغیر حلال نہیں)

یعنی لین دین کا ہر وہ طریقہ باطل ہے۔ جس میں باہمی رضامندی نہ ہو۔ یہی استحصال ہے اور اس کو باہمی معاشی قتل کہا گیا ہے اور اس کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔ استحصال بالفاظ دیگر باہمی عدم رضامندی یا دباؤ کے ذریعہ مفاد حاصل کرنا ہے جو ناجائز اور حرام ہے۔ رشوت اور سود میں بظاہر رضامندی ہوتی ہے مگر درحقیقت وہ رضامندی مجبوراً اور دباؤ کا نتیجہ ہوتی ہے۔ اس طرح جوئے اور جعل وفریب کے کاروبار میں اگر جواری کو ہارنے کا یقین ہو اور جعلی کاروبار میں خریدار کو جعل سازی کا پتہ چل جائے تو دونوں میں سے کوئی بھی حصہ لینے

---

۱۔ ماہنامہ خطیب، (اکتوبر ۲۰۰۴ء) ج:۹، شمارہ:۱۰، ص: ۱۶

۲۔ ایضاً، ص:۱۷

۳۔ النساء:۲۹، ۳۰

۴۔ الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند الامام احمد بن حنبل، باب حدیث عن ابی حرۃ الرقاشی عن عمہ، حدیث نمبر ۲۰۷۱۴، ص: ۷۲/۵

پر رضا مند نہیں ہو سکتا۔ کوئی مزدور یا کارکن بے روزگاری کے خوف سے مالک سے کم معاوضہ پر مجبوراً کام کرتا ہے۔ حقیقی رضا مندی سے ہر گز نہیں۔ حتیٰ کہ اکثر اوقات چندے اور تحائف بھی رسم و رواج کی مجبوراً پابندی یا دوسروں کی دیکھا دیکھی یا ریس میں آ کر دباؤ کے تحت دیئے جاتے ہیں۔ اس طرح ان مطالبات کی مثال ہے۔ یہ حقیقی رضا مندی سے خالی ہوتے ہیں۔ یہ معاشرہ کی رسوم اور خارجی دباؤ کے باعث پورے کیے جاتے ہیں۔ ہر قسم کے استحصال کی سزا جہنم بتائی گئی ہے۔ معاشرے کی خود پیدا کردہ جکڑ بندیوں میں گھرے ہوئے لوگ اپنی بیٹیوں اور بیٹوں کے ہاتھ پیلے کرنے کے لیے دوسروں کا استحصال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں [۱]

## ۷۔ حقوق العباد کا غصب ہونا:

بے جا رسومات کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ یہ حقوق العباد کے غصب کا باعث بنتی ہیں۔ رسومات کی ادائیگی کرنے والے عموماً قرض لیتے ہیں یا جائیدادیں فروخت کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں اور اس طرح جائز وارثوں کا حق وراثت متاثر ہوتا ہے۔ جو حقوق العباد غصب کرنے کے زمرہ میں آتا ہے۔ پھر وراثت کو حدود اللہ کہا گیا ہے۔ لہٰذا رسومات کا یہ سلسلہ حقوق العباد پر ڈاکے ڈالنے کے علاوہ حدود اللہ کی پامالی کا سبب بھی بنتا ہے [۲]

## ۹۔ جہیز دے کر وراثت سے محرومی:

آج کل یہ وبا بھی چل پڑی ہے کہ بیٹی کو شادی کے موقع پر جہیز دے دیا جاتا ہے اور جائیداد میں بیٹیوں کا حصہ کم لوگ دیتے ہیں اور وجہ یہ بتاتے ہیں کہ شادی کے موقع پر اُس کو جہیز دے دیا گیا تھا۔ یہ رسم خالصتاً غیر مسلموں کی ہے۔ جو اپنی بیٹیوں کو شادی کے موقع پر جہیز تو دیتے ہیں۔ جسے ''ودان'' کہتے ہیں۔ مگر وراثت میں ان کا حصہ انہیں نہیں دیتے۔ ویسے مائیں بہنیں بڑی عزیز ہوتی ہیں۔ بہنوں کی شادی پر دل کھول کر خرچ کیا جاتا ہے۔ ان کے بچوں کی پیدائش اور تہواروں کے مواقع پر بڑی خوشی سے تحائف دیئے جاتے ہیں۔ مگر جب وراثت کی تقسیم کا معاملہ آتا ہے تو پھر ساری محبت دشمنی میں بدل جاتی ہے۔ تعلقات انہی کے ساتھ قائم رکھے جاتے ہیں جو اپنا وراثت کا حصہ معاف کر دیں یا مطالبہ بھی نہ کریں۔ اس کام کے لیے دلیل وہ یہ دیتے ہیں کہ ان کی شادیوں پر جہیز کے لیے جو اس قدر دولت خرچ کی گئی اور بہنوں کی شادی پر بھی اس طرح جہیز دینا ہے تو وراثت میں ان کا حق نہیں بنتا [۳]

حکیم الامت مفتی احمد یار خان اس ضمن میں پنجاب کی صورت حال بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''پنجاب میں یہ قانون ہے کہ ماں باپ کے مال سے لڑکی میراث نہیں پاتی، لکھ پتی باپ کے بعد سارا مال جائیداد، مکانات سب کچھ لڑکے کا ہے۔ لڑکی ایک پائی کی حصہ دار نہیں بہانہ یہ کرتے ہیں کہ ہم لڑکی کی میراث کے بدلہ اس کی شادی دُھوم دھام سے کر دیتے ہیں'' [۴]

## ۱۰۔ بیٹی ایک بوجھ:

رسومات کی جہاں اور بہت سی خرابیاں ہیں وہاں ایک یہ بھی ہے کہ ان کی وجہ سے آج بیٹی غریب والدین کے لیے بوجھ بن گئی ہے۔ اللہ تعالیٰ نے تو بیٹی کی پیدائش کو اس کے والدین کے لیے رحمت قرار دیا ہے مگر بُرا ہو ان رسومات کا جس نے بیٹی کو رحمت کے بجائے زحمت بنا دیا ہے۔

---

۱۔ ماہنامہ تحریکِ اصلاح معاشرہ پاکستان، (جنوری، فروری ۱۹۹۴ء) شمارہ نمبر ۸، ص: ۲۷

۲۔ ایضاً

۳۔ ماہنامہ تحریکِ اصلاح معاشرہ پاکستان، (مئی ۱۹۹۴ء) شمارہ نمبر ۸، ص: ۲۴

۴۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص: ۴۲

بیٹیوں کی پیدائش پر ... گھیر رہتی ہے[1]

حکیم الامت لکھتے ہیں کہ:

''ان رسموں کی وجہ سے مسلمانوں کی اپنی اولاد وبالِ جان معلوم ہونے لگی۔ اگر کسی کے لڑکی پیدا ہوئی سمجھا کہ یا تو اب میرے مکان کی خیر نہیں یا جائیداد و دکان چلی۔ اسی لیے لوگ لڑکی کی پیدا ہونے پر گھبراتے ہیں یہ ان رسموں کی برکت ہے''[2]

## ۱۰۔ سسرال کے مظالم:

جہیز کی لعنت اور شادی بیاہ کے مسرفانہ اخراجات کا سب سے زیادہ نقصان متوسط اور غریب طبقات کو اٹھانا پڑتا ہے۔ وہ اگرچہ بڑی بڑی ضیافتوں کا اہتمام نہیں کر سکتے۔ لیکن جہیز اور معمولی ضیافت کے ساتھ بھی ان پر اس قدر مالی بوجھ پڑ جاتا ہے جو وہ کئی سال تک نہیں اُتار سکتے۔ وہ اپنی جمع پونجی بھی خرچ کرتے ہیں اور اُدھار بھی لیتے ہیں۔ یوں وہ ایک ایسے گرداب میں پھنس جاتے ہیں جو ان کے لیے بعض اوقات پاگل پن یا موت کا سبب بن جاتا ہے۔ اکثر ایسے بھی ہوتا ہے کہ کم تر جہیز لانے کی پاداش میں غریب کی بیٹی کو یا تو خودکشی پر مجبور کر دیا جاتا ہے یا اسے ساری زندگی سسرال کے مظالم برداشت کرنے ہوتے ہیں یا وہ طلاق نامہ لے کر والدین کے پاس لوٹ آتی ہے اور پھر ان کے لیے مستقل روگ بن جاتی ہے[3]

کئی ایسے واقعات بھی منظرِ عام پر آئے ہیں کہ بارات دلہن کے گھر پہنچ گئی۔ لیکن جہیز کے لین دین کے بعد بد مزگی پیدا ہوئی اور بارات واپس لوٹ گئی یا دُلہن کی ڈولی رخصت ہو کر جب نئے گھر پہنچی تو اس کا استقبال اعتراضات جیسے نقروں سے کیا گیا اور دلہن ازدواجی مسرتوں سے آشنا ہونے کے بجائے آنسوؤں اور آہوں کی تاریک وادی میں دھکیل دی گئی[4]

جہاں شادی کے لیے جہیز کی شرط لگائی جاتی ہے۔ وہاں اکثر شادیاں ناکام ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ ''رسومات'' کی مصنفہ اس بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

''پھر وہاں کوئی شادی کامیاب نہیں ہوگی۔ اس لیے کہ وہاں شادی اور نکاح مقصود ہی نہیں ہوتا پیسہ مقصود ہوتا ہے اور جب پیسہ مل گیا تو جہاں پیسہ پر شادی ہوئی ہو وہ کہاں کامیاب ہوتی ہے اور اس میں کیسے خیر ہو سکتی ہے! اور کہاں دل مل سکتے ہیں۔ اس میں تو بس طعن و تشنیع (طعنہ دینا، جلی کٹی باتیں) کی بارش ہوتی ہے۔ پہلے ہی دن سے لڑکے والے جہیز کے اندر سے عیب نکالنا شروع کر دیتے ہیں کہ اچھا تو یہ دیا ہے۔ وہ دیا ہے اور ہم تو یہ سمجھ رہے تھے کہ اتنا ملے گا۔ حالانکہ اتنا سادیا ہے، اور لاؤ، یہ دو، وہ دو، اور جو کچھ دیا ہے اس میں بھی دس عیب نکالتے ہیں کہ فرنیچر خراب ہے، یہ بہت گھٹیا ہے، یہ بہت سستا ہے اور تمہارے ماں باپ نے دیا ہی کیا ہے، رات دن طعن و تشنیع بہو پر ہوتی رہتی ہے، شوہر کی بہنیں بھی اس کی ماں بھی باپ بھی اور خاندان والے بھی اس پر لعن طعن کرتے ہیں۔ جس کی وجہ سے زندگی کا ایک دن گزارنا بھی مشکل ہو جاتا ہے''[5]

---

۱۔ ماہنامہ تحریک اصلاحِ معاشرہ پاکستان (مئی ۱۹۹۳ء)، شمارہ نمبر ۸، ص: ۱۷

۲۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص: ۳۹

۳۔ ماہنامہ تحریک اصلاحِ معاشرہ پاکستان (مئی ۱۹۹۳ء)، شمارہ نمبر ۳، ص: ۲

۴۔ ماہنامہ خطیب، (اکتوبر ۲۰۰۴ء) ج ۹، شمارہ: ۱۰، ص: ۱۷

۵۔ مدرسۃ الصفیۃ رسومات، ص: ۵۴

### ۱۱۔ رسومات مختلف خرابیوں کا پلندہ:

ہمارے زمانے کے لوگ رسومات کے معاملے میں ایسے اسراف اور فضول خرچی میں پڑ گئے ہیں۔ جن کی کوئی ضرورت نہیں اور مقصود صرف بڑائی کو ظاہر کرنا ہوتا ہے کہ فقیر اور غریب آدمی ان رسومات کی تکمیل کے لیے اپنے گھر کے سامان تک بیچ دیتا ہے اور قرض کا بارِ عظیم اٹھاتا ہے حالانکہ اس کا یہ فعل حرام ہے...... اگر ایسا نہیں کرتا تو برادری میں اس کی ناک کٹ جاتی ہے۔ برادری میں اپنا جھوٹا بھرم قائم رکھنے کے لیے، ناک کو اونچا رکھنے کے لیے، اپنے آپ کو مدّ مقابل سے زیادہ دولت مند دکھانے کے لیے سستی شہرت حاصل کرنے کے لیے اور لوگوں سے داد حاصل کرنے کے لیے کیا کچھ نہیں کیا جاتا۔ حلال حرام کی تمیز کیے بغیر دونوں ہاتھوں سے دولت کمائی جاتی ہے، بازار رشوت گرم ہوتا ہے، سود خوری کی عادت پڑتی ہے...... اشیائے خوردنی میں ملاوٹ کی جاتی ہے۔ اصل دکھا کے نقل دی جاتی ہے۔ ترازو میں ڈنڈی ماری جاتی ہے۔ میٹر ریڈنگ میں گھپلہ کیا جاتا ہے وغیرہ وغیرہ، بات یہیں تک نہیں رہتی جہیز مہیا کرنے اور دوسری رسومات کے لیے لڑکی کو ملازمت کرنا پڑتی ہے۔ وہ عورت جس کا مقام (وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ)(اپنے گھروں میں ٹھہری رہو) تھا اس کو دفاتر میں، بینکوں میں، شاپنگ سنٹرز میں غیر محرموں سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ بسوں میں دھکے کھانے پڑتے ہیں۔ آفیسرز کی جھڑکیاں کھانی پڑتی ہیں اور ان میں سے بعض بے چاری مجبور ہیں۔ اگر ایسا نہیں کرتی ہیں تو جہیز نہیں بنتا اور اگر سامان جہیز نہیں تو انہیں بطور بیوی کوئی قبول کرنے کے لیے تیار نہیں ہوتا۔ بہت سی ایسی لڑکیاں ہوتی ہیں۔ جن کے ارمانوں کا محض جہیز نہ ہونے کی وجہ سے خون ہوتا رہتا ہے[۱]

ایچ۔ ای بارنیس اپنی کتاب "سوشل انسٹی ٹیوشن" میں معاشرے پر رسم و رواج کا اثرات کا تذکرہ یوں کرتا ہے:

Social organization has been brought at the price of much soical stagnation and intolerance. This has showed down social progress, discouraged innovation and perpetuated outworn traditions and customs.

In the course of time by ways and from some motives of which we have on recorded knowledge some anonymous heroes with heart of triple bronze dared to break through the sacred bonds of customs[۲]

(معاشرتی تنظیمیں، معاشرتی بے صبری اور معاشرتی جمود کی قیمت پر وجود میں آتی ہیں۔ اس کی وجہ سے معاشی ترقی میں سست روی، اعتدال کی حوصلہ شکنی اور فرسودہ رسوم و رواج کو دوام حاصل ہوا ہے۔
وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ مختلف طریقوں اور حوصلہ افزائی سے جن کا ہمیں علم ہے، چند گمنام ہیروز نے بڑی دلیری کے ساتھ روایات کی ان مقدس حدوں کو پار کرنے کی جرأت کی ہے)

### ۱۲۔ شادی میں تاخیر:

رسم و رواج کو نبھاتے ہوئے آج کل ہمارے ہاں شادی میں تاخیر کا رجحان بڑھ رہا ہے۔ جس کی وجہ اکثر یہ بتائی جاتی ہے کہ لڑکا

---

۱۔ سہ ماہی منہاج، (جولائی ۱۹۸۶ء) ج: ۴، شمارہ: ۳، ص: ۱۸۶، ۱۸۷

۲۔ ایچ۔ ای بارنیس، سوشل انسٹیٹیوشن، (نیو یارک، پرنٹک ہال، ۱۹۴۶ء) ص: ۱۷

ڈالتے ہوئے لکھتے ہیں کہ انگریزی اداروں، سکولوں، کالجوں اور یونیورسٹیوں میں تعلیم حاصل کرنے والی بالغ لڑکیوں کی شادیاں خواہ ان کی عمریں جس قدر بھی زیادہ ہو جائیں تعلیم پوری ہونے کے بعد ہی کی جاتی ہیں۔ مغربی تہذیب سے متاثر امیر و فارغ البال خاندانوں، عصری، انگریزی تعلیم یافتہ بے دین مسلمان گھرانوں میں انگریزی تعلیم مدنظر ہوتی ہے۔ دین اور لڑکیوں کی عمر کا ذرا بھی خیال نہیں ہوتا۔ حالانکہ ایسے خانوادوں اور گھرانوں کی لڑکیوں کے رشتے اور جوڑے کی تلاش میں سخت دشواریوں کا سامنا ہوتا ہے۔ اول مناسب رشتہ ملتا بھی نہیں، اور اگر ملتا بھی ہے تو عموماً حسب ذیل صورتیں پیش آتی ہیں:

۱۔ کہیں لڑکے کی تعلیم کم ہے اور لڑکی کی زیادہ ہے۔

۲۔ کہیں لڑکے کی تعلیم زیادہ ہے۔ مگر اس کی مالی حیثیت کمزور ہے۔

۳۔ کہیں مالی حیثیت اچھی ہے مگر تعلیم نہایت ہی کم ہے۔

۴۔ کہیں مالی حیثیت اور تعلیم دونوں مناسب ہیں مگر شکل وصورت میں حد درجہ فرق ہے۔

۵۔ کہیں تعلیم، مالی حیثیت اور شکل وصورت ان سب میں ہر طرح مطابقت ہے مگر عمر میں زیادہ فرق ہے۔

۶۔ کہیں تعلیم، مالی حیثیت، شکل وصورت اور کل کے کل موافق ہیں مگر خاندان غیر ہے۔

۷۔ کہیں تعلیم، مالی حیثیت، شکل وصورت، عمر، خاندان، چال چلن، سیرت و عادات سب کچھ درست ہے مگر فرمائشوں کی بھرمار ہے وغیرہ

الغرض اس طرح کی تمام پیچیدگیاں اور پریشان کن صورتیں ایک باپ کو اپنی بی۔اے، ایم۔اے تعلیم یافتہ لڑکی کی شادی کرنے میں اور اس کے لیے رشتہ کی جستجو میں پہاڑ بن کر سامنے آجاتی ہیں اور اسی میں ہوتے ہوتے لڑکی کا قیمتی وقت اور اس کا خوشگوار اور تابناک دور ضائع جاتا ہے۔ اور اس کی نصف عمر یوں ہی بے کار گزر جاتی ہے۔ بعض کی شادیاں کسی طرح ہو بھی جاتی ہیں۔ مگر بعض بے چاریاں اسی پیچ وخم میں اور یاس واُمید میں مبتلا ہو کر کفِ افسوس مل مل کر تنہائیوں میں بیٹھی بیٹھی اپنی زندگیوں کی تلخ اور وحشت ناک گھڑیاں گزارنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔ یا کسی کے ہمراہ عزت سے بے پرواہ ہو کر گھروں کو خیرآباد کہتے ہوئے فرار ہو جاتی ہیں۔

## ۱۳۔ سماج اور معاشرہ کا نقصان:

شادی بیاہ کے موقع کے خودساختہ لوازمات اور رسم و رواج کے باعث جہاں رشتے قائم کرنے میں مشکلات کا سامنا ہے وہاں پورا سماج اور معاشرہ بھی ان کے بُرے اثرات کی لپیٹ میں ہے۔ بالغ اولاد کی شادیوں میں ڈھیل دینے اور انہیں آزادی بخشنے کا انجام آئے دن دیکھا اور سنا جا رہا ہے۔ معاشرتی بگاڑ، اخلاقی گراوٹ، رومانی لٹریچر کی فراوانی کرپشن کی گرم بازاری عام ہو رہی ہے۔ مناسب وقت پر رشتہ ازدواج میں نہ بندھنے کی بدولت نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کو مخلوط تعلیم، جاذب نظر قحبہ خانوں، میوزک ہالوں، نمائش گاہوں اور سینماؤں میں بے محابا اور بے جھجک داخلوں پر ابھارا ہے۔ جن میں عریاں لباسوں، آبرو باختہ شبیہوں، برانگیختہ کرنے والے رقص، ولولہ انگیز گانوں اور حرکت کرنے والی برہنہ تصویروں نے سونے پر سہاگے کا کام دیا ہے۔ جن کی بنا پر معاشرہ کو کپکپا دینے والے حیرت انگیز واقعات صادر ہوئے ہیں۔ عفت وحیا کے نفیس زیورات چھن چکے ہیں۔ امانتوں میں خیانتیں ہونے لگی ہیں۔ اور ان نجاستوں سے پورا گھر نہ صرف بلکہ معاشرہ تہذیب کا گہوارہ بن گیا ہے اور ان کے ہمہ گیر اثرات فرد افرداً پوری قوم، پورے سماج اور پورے ملک پر تیزی کے ساتھ مرتب ہو رہے ہیں۔

---

۱۔ قاسمی، مولانا علی احمد، شادی اور شریعت، ص: ۲۳، ۲۴

۲۔ ایضاً، ۲۷، ۲۸

## ۱۴۔ نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ:

شادی کے سلسلہ میں بے جا پابندیوں کے باعث بہت سے افراد نفسیاتی عوارض کا شکار ہو رہے ہیں۔اس طرح یہ افراد جو ان حد بندیوں کی وجہ سے شادی کرنے میں ناکام رہتے ہیں اور آسانی سے اس فریضہ کی تکمیل نہیں کر سکتے ان کی جسمانی اور ذہنی حالت قابل توجہ ہوتی ہے۔کنوارے مردوں میں یہ مسئلہ سب سے زیادہ پایا جاتا ہے۔ایک تحقیق کے مطابق ۲۵ سے ۶۵ سال کے درمیانی عمر کے کنوارے مرد شادی شدہ مردوں اور عورتوں کے مقابلہ میں ۳۰ فیصد ڈیپریشن کا زیادہ شکار ہوتے ہیں اور ان کے مقابلے میں دو گنا زیادہ ذہنی امراض کے مریض بنتے ہیں۔اس طرح عورتوں یا شادی شدہ مردوں کے مقابلے میں کنوارے مرد تین گناہ زیادہ نروس بریک ڈاؤن کا شکار ہوتے ہیں۔ تین گناہ زیادہ بے خوابی کے مرض میں مبتلا ہوتے ہیں اور اگر انہیں نیند آئے بھی تو تین گناہ زیادہ ڈراونے خواب دیکھتے ہیں۔[1]

## ۱۵۔ جرائم میں اضافہ:

شادی شدہ زندگی اور بچے ایک مرد کو مہذب بناتے ہیں اس کے برعکس جن نوجوانوں کی شادیوں میں والدین یا خاندان والے بلاوجہ تاخیر کرتے ہیں وہ کنوارے نوجوان جرائم کی دُنیا کا رُخ کر کے معاشرے کو اپنی مردانگی دکھانے کی کوشش کرتے ہیں۔امریکہ کی FBI کی شائع کردہ (uniform crime report) کے مطابق اگرچہ چودہ برس سے زیادہ عمر کے کنوارے مرد آبادی کا صرف ۱۳ فیصد ہیں۔لیکن مجرموں میں ۴۰ فیصد کنوارے مرد ہوتے ہیں اور ان میں سے ۹۰ فیصد خطرناک قسم کے جرائم (قتل ڈکیتی وغیرہ) کرتے ہیں۔ اس طرح زنا بالجبر کے جرائم میں مجرّد، شادی شدہ مردوں کے مقابلہ میں پانچ گناہ زیادہ ملوث ہوتے ہیں [2]

## ۱۶۔ امراض جسم اور صحت کا فقدان:

رسومات اور شادی بیاہ کے سلسلہ میں حد بندیوں کی بدولت اور وقت پر شادی نہ ہونے کے باعث آج کل بہت سے نوجوان لڑکے اور لڑکیاں مختلف قسم کے بیماریوں میں مبتلا ہو رہے ہیں۔چنانچہ ان امراض خبیثہ کا اثر سماجی اور قومی صحت پر بڑا تباہ کن پڑ رہا ہے۔ خاندان کے خاندان اور گھر کے گھر نوے فیصد افراد، مردوں اور عورتوں، نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں میں آتشک سوزاک، ذیابیطس، لیکوریا، مثانہ کا ضعف اور سرعت انزال، کثرت بول اور جریان اور احتلام کے امراض، رحم کی بیماریاں بکثرت پائی جانے لگی ہیں۔اعصاب کی کمزوری، قوت مردی کا فقدان، عضلات اور شریانوں کے افعال میں فساد پیدا ہو جاتا ہے۔جس کی وجہ سے آج کل نوجوان کی صحت پر برا اثر پڑ رہا ہے۔اگر ان کے ہاں شادیوں کے بعد اولاد پیدا بھی ہوتی ہے تو ناتوان، کمزور، جسم وصحت کے اعتبار سے بالکل بے کار اور نہ ہونے کے برابر ہے [3]

## ۱۷۔ خاندان میں شادیوں کی پابندی:

رسم ورواج کے زیر اثر اکثر خاندانوں میں صرف خاندان کے اندر اور قریبی رشتہ داروں (کزن میرج) کا رواج پایا جاتا ہے۔ ایسے لوگ خاندان سے باہر شادی کو معیوب سمجھتے ہیں۔اس کے جہاں دوسرے نقصانات ہیں وہاں طبی نقطہ نگاہ سے بھی ایسا کرنا مفید نہیں ہے۔چنانچہ ''اسلام اور ذات پات'' میں اس سلسلے میں یہ بحث کی گئی ہے۔

---

۱۔ ماہنامہ میثاق (لاہور: ستمبر ۲۰۰۹ء) (بحوالہ جیسی برنارڈ، دی فیوچر آف میرج) ج: ۵۸، شمارہ: ۹، ص: ۸۹

۲۔ ایضاً

۳۔ قاسمی، مولانا علی احمد، شادی اور شریعت، ص: ۳۰

اور متعدد امراض کی شدت میں کمی۔ نیز صحت منداور ذہین تر نسلوں کی تخلیق وارتقاء کا باعث ہے۔ جبکہ اپنے قریبی رشتہ داروں میں شادی (کزنز میرج) یا بطور مجموعی ایک ہی نسلی پس منظر کی حامل اپنی ہی ذات برادری میں نسل در نسل شادی بیاہ بالعموم ذہنی وجسمانی معذوری، کند ذہنی، نیز دیگر متعدد ذہنی ونفسیاتی وجسمانی امراض وعوارض کے امکان میں بدرجہا اضافہ کا باعث قرار پاتا ہے"۔[1]

---

ا۔ مظہر معین، ڈاکٹر، اسلام اور ذات پات، (لاہور: ادبستان، مارچ ۲۰۰۰ء)، ص: ۳۳۹

## بحث دوم: معاشی اثرات

ہماری قوم اس وقت بالعموم سکون پذیر ہے۔ اس کے اعضاء میں حرکت کی حرارت نہ رہی۔ قدامت پرستی ان کا قومی شعار بن گئی ہے۔ پرانی رسومات کو برقرار رکھنا اور ان پر فخر کرنا وہ اپنا سب سے بڑا فریضہ سمجھتے ہیں اور ہر ایک رسم کو واجب اور مقدم سمجھ کر ادا کرتے ہیں اور ان کے حسن و قبح پر غور کرنے سے اعراض کرتے ہیں۔ مگر اب یہ حقیقت روز روشن کی طرح عیاں ہوگئی ہے کہ مسلمانوں کی تباہی اور بربادی کی ایک بڑی وجہ رسوم قبیحہ اور غیر شرعی احکام کی پابندی ہے۔ کہ باوجود مصیبت، عرق ریزی، اور تفکرات کی آمدن سے ہم لوگ ایسے فضول خرچ نا عاقبت اندیش ہوگئے ہیں کہ تمام عمر کا جمع جتھا اور بزرگوں کا ترکہ بیاہ شادی کی غیر شرعی رسوم کی نظر کر دیتے ہیں اور محض جھوٹی شیخی اور بناوٹی فخر کے لیے گراں بہا قرض لے کر اپنے ہاتھوں اپنی جڑیں کاٹتے ہیں اور "خسرۃ الدنیا والاخرۃ" یعنی دین و دنیا دونوں طرف سے نقصان اٹھاتے ہیں۔ محض دو دن کی واہ واہ کے لیے ساری زندگی کو تلخ کرتے ہیں[۱]

معاشرے پر رسوم پرستی کے جہاں معاشرتی، سماجی، مذہبی و اخلاقی اثرات مرتب ہو رہے ہیں وہاں اس کے معاشی اثرات بھی نمایاں ہو رہے ہیں۔ ذیل میں معاشی اثرات کا جائزہ لیا جاتا ہے۔

### ۱۔ اقتصادی پسماندگی:

مسلمانوں کی اقتصادی حالت کمزور ہونے کی ایک بڑی وجہ غیر شرعی رسوم میں جکڑا ہونا ہے۔ یا تو برادری کے خوف سے یا اپنی ناک بڑھانے کے لیے انہوں نے اخراجات میں بے اعتدالیاں کر کے اپنے آپ کو بے خانماں کیا ہے اور مقروض ہو کر اصل رقم اور سود میں اپنے مکانات اور اراضیات کو نذر آتشیں کر کے راہن اور بائع کے القاب کے وہ مستحق ہوتے ہیں۔ آج تک نہ تو برادری نے ان کو درجہ اوّل کا تمغہ دیا ہے اور نہ ہی لمبی ناک ہونے کی وجہ سے بشکل قبل دیکھے گئے ہیں۔ اس میں شک نہیں کی تعریف کے لحاظ سے وہ صرف انسانیت کے درجے سے گر کر حیوانات کے درجے میں آجاتے ہیں اور شریعت سے خارج ہو کر جہالت کے درجے میں پھنس جاتے ہیں جو کہ ان کے اعمال کی سزا ہوتی ہے۔ مسلمان ان رسومات بد کا شکار ہو کر اپنے بچوں کے گھر آباد کرتے ہوئے اپنا گھر برباد کر بیٹھے ہیں۔ پہلے بچے کی منگنی کرتے ہوئے بھی مانگنے کی ضرورت پڑتی ہے۔ اوّل یہ مرض گرمی کی وجہ سے ہوتا ہے یعنی گھر والے اپنی عزت اور نام بڑھانے کی وجہ سے گرمی میں آکر فضول اخراجات کر لیتے ہیں۔ جب مال کی گرمی باہر نکل جاتی ہے تو جسم ٹھنڈا ہو جاتا ہے[۲]

### ۲۔ ملکی ترقی کی راہ میں رکاوٹ:

رسوم کی پابندی اور بے جا اخراجات ملکی ترقی کی راہ میں حائل ہیں۔ اور جو رقوم تعمیری کاموں میں خرچ کی جا سکتی ہیں وہ ان فضول رسم و رواج کی نذر ہو جاتی ہو۔ چنانچہ منشی جلال الدین راجپوت لکھتے ہیں کہ اصل مرض رسومات بد کا ہے۔ بری رسوم کا اس قدر گہرا اثر ہے کہ ہم مسلمانوں کو خواب غفلت سے اٹھنے ہی نہیں دیتا اور تپ دق کی طرح تیسرے درجے پر یہ مرض پہنچ گیا ہے۔ مسلمانوں کو دینی کے نیک کاموں سے محروم کر رہا ہے۔ اگر کسی اسلامی نیک کام میں مدد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے تو ہم بے بس ہو جاتے ہیں اور ایک روپیہ تک مدد نہیں کر سکتے کیونکہ مسلمان رسومات بد سے تھک تھک کر چور ہو چکے ہیں اور یہ ہے بھی حقیقت کہ پاکستان میں ہر سال کروڑوں

---

۱۔ جالندھری، مولوی بدر الدین، خطبات بدر، ص: ۴۹۷

۲۔ راجپوت، جلال الدین، اصلاح الرسوم، ص: ۶،۵

### ۳۔ تعلیم سے محرومی:

ہم دیکھتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہزاروں خاندان آئے دن غیر شرعی رسوم کی بدولت تباہ ہو رہے ہیں اور برخلاف اس کے بہت سے ہونہار بچے اس ناداری اور مفلسی کی وجہ سے جو انہی رسوم کے نتائج سے پیدا ہوتی ہیں تعلیم سے محروم رہتے ہیں اور اس سے تمام قوم کی جڑیں دن بدن کھوکھلی ہو رہی ہیں۔ مگر افسوس ہے کہ ان حالات کو محسوس کرنے کے باوجود ہمارے کانوں میں جوں تک نہیں رینگتی ہے

### ۴۔ سرمایہ کاری میں کمی اور دیگر ممالک پر انحصار:

بے شمار لوگ اپنی جمع پونجی کسی کاروبار میں لگانے کے بجائے ان رسومات پر خرچ کر دیتے ہیں اور ملک میں درآمدات پر انحصار بڑھتا جا رہا ہے۔ اس صورت حال پر اخبار نوائے وقت میں یُوں تبصرہ کیا گیا ہے کہ لوئر اور مڈل کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی آمدنی کی سطح کم ہوتی ہے اپنی تمام عمر کی بچتیں (Savings) ان غیر اسلامی روایات اور رسومات پر خرچ کر دیتے ہیں۔ جبکہ دوسری طرف اپر کلاس سے تعلق رکھنے والے افراد جن کی آمدنی کی سطح زیادہ ہوتی ہے وہ اپنی کلاس میں مقابلہ کی دوڑ میں شامل ہو کر اثر نمود و نمائش کے تحت بے دریغ ان رسومات پر خرچ کر رہے ہیں۔ یعنی امیر طبقہ جس سے یہ توقع کی جا سکتی ہے کہ وہ اپنی بچتوں (Savings) کو سرمایہ کاری میں لگائیں گے وہ بھی بے جا خرچ کر رہے ہیں تو پھر سرمایہ کاری کون کرے گا؟ کون ملک میں فیکٹریاں لگائے گا؟ کون ملک کے افراد کو روزگار مہیا کرے گا؟ کون ملکی اشیاء پیدا کرے گا؟ کون ملکی برآمدات میں اضافہ کرے گا؟ اگر ہمارے ملک میں سرمایہ کاری نہیں ہو گی تو ہمارا انحصار دیگر ممالک پر بڑھتا جائے گا۔ ہم صرف صرفی اشیاء میں درآمد نہیں کر رہے بلکہ زرعی ملک ہونے کے باوجود گندم بھی درآمد کر رہے ہیں۔ اس سے ہم اندازہ کر سکتے ہیں کہ ہمارا انحصار دیگر ممالک پر کس حد تک بڑھ گیا ہے [3]

### ۵۔ تجارتی خسارہ:

۰۷۔۲۰۰۸ء کے معاشی جائزے کے مطابق ہماری کُل برآمدات ۱۵۹۹۱ ملین ڈالرز تھیں جبکہ درآمدات پر ۲۸۵۸۶ ملین ڈالرز خرچ ہوئے۔ یعنی تجارتی خسارہ ۱۲۵۹۵ ملین ڈالر تھا۔ بجٹ کے خسارے اور تجارتی خسارے کو عام شہری اور حکمران صرف اسراف میں کمی کر کے ہی پورا کر سکتے ہیں۔ ورنہ ہماری معیشت قرضوں اور سود کی ادائیگی کے سلسلے میں بدحالی اور تنزلی کی زنجیروں میں جکڑی جائے گی

### ۶۔ معاشی امن وطمانیت کا فقدان:

ایک معاشرہ میں حقیقی امن وسکون اُسی وقت قائم ہو سکتا ہے جب ہر فرد معاشی طور پر مطمئن ہو۔ لیکن جب معاشرے کے کچھ لوگ دولت وقوت حاصل کر لیتے ہیں تو وہ مختلف موقعوں پر اپنی دولت کا بے جا اظہار کرتے پھرتے ہیں اور خود کو افضل واعلیٰ اور غریبوں اور کمزوروں کو ادنیٰ وحقیر سمجھنے لگتے ہیں اور معاشرے میں انہیں وہ مقام نہیں دیتے جس کے وہ پیدائشی طور پر حقدار ہیں۔ معاشرے میں روزانہ ایسے بہت سے واقعات وقوع پذیر ہوتے ہیں جو کہ دل کو دہلا دینے والے ہیں۔ چنانچہ 'نوائے وقت' سنڈے میگزین میں ایک دلخراش واقعہ کا تذکرہ یُوں کیا گیا ہے۔

---

۱۔ راجپوت، جلال الدین، اصلاح الرسوم، ص: ۷

۲۔ جالندھری، مولوی بدر الدین، خطبات بدر، ص: ۴۹۷

۳۔ نوائے وقت، سنڈے میگزین (۲۱ر دسمبر ۲۰۰۸ء) ص: ۲۱

۴۔ ایضاً

ہوئے پانی کے ٹب میں پھینک دیا گیا۔ جس سے وہ بُری طرح جھلس گیا اور گیارہ روز تک سرگودھا اور لاہور کے ہسپتالوں میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا رہنے کے بعد دم توڑ گیا۔ یہ بچہ ایک محنت کش غلام سرور کا لختِ جگر تھا۔ دو دن کی بھوک سے بے قرار ہو کر رزق کی تلاش کے لیے گھر سے نکلا تھا کہ گلی میں ٹینٹ اور لائٹنگ دیکھ کر اس کو اُمید کی کرن نظر آئی۔ اور جھجھکتا، شرماتا ہوا آگے بڑھا اور اپنا ننھا ہاتھ کھانے کے لیے دراز کر دیا۔ لیکن کھانے پہ موجود پتھر دل شخص نے اُسے اٹھا کر گرم پانی کے ٹب میں پھینک دیا۔ اس مظلوم بچے پر دیگ سے چاول کے چند دانے چرانے کا الزام بھی لگ گیا۔ شادی کا بچہ ہوا کھانا، چاول، بوٹیاں، مرغ، نان وغیرہ، مہمانوں کے پیروں تلے آ رہے تھے۔ جب کہ دوسری جانب ہسپتال میں اس کا بے جان لاشہ سٹریچر پر پڑا تھا۔ [1]

چنانچہ ایسے افراد جو کہ دولت کے نشہ میں فخر ومباہات کا اظہار کرتے ہیں۔ تو اس نتیجے میں کمزوروں محروموں اور غریبوں کے دل میں اعلیٰ طبقات کے خلاف حسد وبغض اور نفرت وعداوت کے جذبات پرورش پانے لگتے ہیں۔ اس سے پہلے تو معاشرے میں طبقات پیدا ہوتے ہیں اور پھر طبقاتی کشمکش شروع ہو جاتی ہے۔ جس کا نتیجہ خانہ جنگیوں اور فساد کی صورت میں نکلتا ہے۔ اور معاشرے کا امن ختم ہو جاتا ہے۔ ڈاکٹر نصیر احمد ناصر معاشرے میں امن کے فقدان میں رسم ورواج کے کردار کا تذکرہ کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ”بعض رسم ورواج بھی امن وطمانیت کے دشمن ہوتے ہیں۔ خصوصاً وہ جو جہل واوہام اور نام ونمود اور جذبہ تکاثر کا نتیجہ ہوتے ہیں۔ کچھ رسم ورواج ایسے بھی ہوتے ہیں جو آغاز میں تو امن وطمانیت کے لیے مضر نہیں ہوتے مگر امتداد وقت کے ساتھ ساتھ افراط وتفریط کی وجہ سے امن ربا ہو جاتے ہیں ایسے تمام رسوم ورواج سے نجات حاصل کرنا امن وطمانیت کے تحفظ وبقا کے لیے بڑا ضروری ہے“ [2]

المختصر یہ کہ خوشی کے مواقع پر اعتدال کے ساتھ خوشی منانے پر شریعت نے کوئی پابندی نہیں لگائی لیکن خوشی منانے کے نام پر ہم نے اپنے آپ کو جن بے شمار رسموں میں جکڑ لیا ہے، ان کا نتیجہ یہ ہے کہ خوشی، جو کہ دل کی فرحت کا نام تھا وہ تو پیچھے چلی گئی۔ اور رسموں کے لگے بندھے قواعد آگے آ گئے۔ جن کی ذرا خلاف ورزی ہو تو طعن وتشنیع کا طوفان کھڑا ہو جاتا ہے۔ لہٰذا شادی کی تقریبات رسموں کی خانہ پری کی نذر ہو جاتی ہیں۔ جن میں پیسہ تو پانی کی طرح بہتا ہی ہے۔ دل ودماغ ہر وقت رسمی قواعد کے بوجھ تلے دبے رہتے ہیں شادی کے انتظامات کرنے والے تھک کر چور ہو جاتے ہیں۔ پھر بھی کہیں نہ کہیں کوئی نہ کوئی شکایت کا سامان پیدا ہو ہی جاتا ہے۔ جس کے نتیجے میں بعض اوقات لڑائی جھگڑوں تک بھی نوبت پہنچ جاتی ہے۔

---

۱۔ نوائے وقت، سنڈے میگزین (۲۱ دسمبر ۲۰۰۸ء) ص: ۲۷

۲۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، س ن) ص: ۶۹۹

**خلاصہ بحث:**

مندرجہ بالا بحث سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ غیر شرعی رسومات، اسراف وتبذیر، تکبر وتفاخر اور دوسروں کے لیے تکلیف کا ذریعہ ہیں۔

۲۔ بعض رسوم ازدواجی تباہی کا باعث بنتی ہیں۔

۳۔ رسوم کی ادائیگی کی طاقت نہ رکھنے کی وجہ سے اکثر جوانیاں گھل، سڑ رہی ہیں۔

۴۔ لوگ ایک دوسرے کا معاشی استحصال کرنے پر مجبور ہیں۔

۵۔ اکثر لوگ رسوم کی بدولت اپنی بچیوں کو جہیز دے کر وراثت سے محروم کر دیتے ہیں۔

۶۔ رسوم کے باعث اکثر لوگوں کو اپنی اولادیں بوجھ محسوس ہونے لگی ہیں۔

۷۔ مختلف نفسیاتی بیماریوں میں اضافہ اور جرائم کی تعداد بڑھ رہی ہے۔

۸۔ اقتصادی حالت دن بدن کمزور ہوتی جا رہی ہے اور تجارتی خسارے کا سامنا ہے۔

۹۔ سرمایہ کاری کی شرح کم ہو رہی ہے اور اس سلسلے میں دیگر ممالک پر انحصار بڑھتا جا رہا ہے۔

۱۰۔ لوگ معاشی بدامنی کا شکار ہیں۔

# ﴿ باب چہارم ﴾

## شادی بیاہ کے بارے میں اسلامی تعلیمات

## فصل اوّل: رشتہ و منگنی سے متعلق اسلامی تعلیمات

مبحث اوّل: رشتہ کا انتخاب اور اسلامی تعلیمات

مبحث دوم: منگنی سے متعلق اسلامی تعلیمات

## فصل دوم: نکاح اور مہر کا اسلامی طریقۂ کار

مبحث اوّل: نکاح اور اسلام

مبحث دوم: مہر کی نوعیت اور اس کے احکام

## فصل سوم: جہیز اور ولیمہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

مبحث اوّل: جہیز کی شرعی حیثیت

مبحث دوم: دعوتِ ولیمہ

## فصل اوّل: رشتہ و شادی سے متعلق اسلامی تعلیمات

### مبحث اوّل: رشتہ کا انتخاب اور اسلام

رسموں کے ارتقاء ذکر میں یہ معلوم ہو چکا کہ کچھ رسمیں تو غیروں سے اپنائی گئی ہیں اور کچھ ایسی ہیں کہ ابتداء میں معمولی تھیں پھر رفتہ رفتہ وہ فرائض وواجبات کے درجہ تک پہنچ گئیں ہیں چنانچہ مفتی کفایت اللہ کہتے ہیں کہ یہ دونوں قسم کی رسمیں واجب الترک ہیں پہلی قسم کی تو اس وجہ سے کہ وہ دراصل کفار کی رسمیں ہیں اوران سے مسلمانوں کو بچنا لازمی ہے تا کہ ایمان سلامت رہے، اور دوسری قسم کی رسمیں اس وجہ سے واجب الترک ہیں کہ اکثر ان میں اسراف، فضول خرچی، ریاکاری، اورشہرت ونمود ہوتی ہے جوسب کی سب حرام ہیں اور بعض باتیں اگرفی نفسہ مباح (جائز، درست) بھی ہوں تاہم ان کا فرائض و واجبات کی طرح التزام (کسی بات کو لازم کر لینا) کر لینا شرعاً ممنوع ہے. پھر آج کل ان رسوم کی پابندی ہی مسلمانوں کی مالی تباہی کا سبب رہی ہے جو بالآخر عزت اور انجام کار ایمان کو بھی نقصان پہنچاتی ہیں۔ لہٰذا مسلمانوں پر لازم ہے کہ وہ ان رسوم سے بچاؤ کی تدبیریں کریں اور اپنے معاشرے کی اصلاح کریں۔ تا کہ ان کا مال، عزت، دین وایمان محفوظ رہے اور اپنے مال اور عقیدے کے لحاظ سے تنقیص شریعت کا الزام اپنے اوپر عائد نہ کریں اور دنیا و آخرت میں سرخرو ہوں[1]

اللہ تعالیٰ نے ہمیں ایک ایسا طرز زندگی عطا کیا ہے جس میں تکلف کا کوئی گزر نہیں ہر چیز میں بے ساختگی ہے۔ آنحضرت ﷺ کی سنت نے ہمیں زندگی کا بہترین نمونہ فراہم کیا ہے۔ جس کے مطابق ہم خوشی اور غمی ہر موقع پر اپنی ضرورتوں کی تکمیل کر سکتے ہیں۔

حقیقی آزادی یہ ہے کے بندہ اپنے رب کے سوا کسی کا پابند نہ ہو آباؤ اجداد کا طریقہ کار اور معاشرے کی غیر ضروری پابندی اس آزادی کو سلب کر لیتی ہے۔ اس بات کو جنگ قادسیہ کے موقع پر رستم کے سامنے مسلمانوں کے ترجمان ربعی بن عامرؓ نے یوں بیان کیا:

"فقال له ترجمان ماجاء لكم فقال الله بعثنا لنخرج عباده من ضيق الدنيا الیٰ سعتها و من جور الاديان إلیٰ عدل اسلام[2]

(رستم نے ترجمان کے ذریعے سے دریافت کیا کے تم کس وجہ سے آئے ہو تو ربعی بن عامرؓ نے جواب دیا اللہ تعالیٰ نے ہم کو اس غرض سے بھیجا ہے کہ ہم اس کے بندوں کو دنیا کی تنگی سے وسعت اور ہمہ گیری کی طرف متوجہ کریں۔ اور باطل دینوں کے ظلم سے بچا کر عدل اسلام کی جانب لائیں)

سچی بات تو یہ ہے کہ انسان جب بھی اللہ کی شریعت سے ہٹ کر اپنے لیے طریقہ تجویز کرتا ہے تو وہ بجائے آسانی کے دشواری اختیار کر لیتا ہے۔ اس لیے کہ بندوں کی بھلائی خالق کے سوا کوئی نہیں جان سکتا۔

اسلام ایک دین فطرت ہے۔ اور انسان کی فطری، معاشرتی، تہذیبی وتمدنی ضروریات وحاجات کا لحاظ رکھتا ہے۔ چنانچہ اس نے آتے ہی تمام رسوم ورواجات کو یکسر ختم نہیں کیا بلکہ ان میں سے جو لغو لایعنی اور بے فائدہ تھیں یا جن میں شرک تو ہم اور غیر اللہ سے

---

۱۔ کفایت اللہ، مفتی، کفایۃ المفتی، ج:۹ ص:۸۲،۸۱

۲۔ ابنِ خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، (بیروت: داراحیاء التراث العربی، الطبعۃ الرابعۃ) ج:۲ ص:۹۵

...وقت کا پہلو ختم کر دیا۔

کچھ رسمیں ایسی تھیں جن کے بدلے میں دوسرے اچھے طریقے اور تہوار دیئے گئے جیسے سنن ابی داؤد میں حضرت انس سے روایت ہے۔

"قدم النبی ﷺ المدینة ولهم یومان یلعبون فیها فقال ماهذان الیومان ؟ قالو کنا نلعب فیهما فی الجاهلیة ، فقال رسول الله ﷺ ان الله قد أبدلکم بهما خیرًا منها یوم الاضحی و یوم الفطر"[1]

(جب نبی کریم ﷺ مدینہ تشریف لائے تو اس وقت مدینہ والوں کے دو دن خوشی کے تھے۔ جن میں وہ جشن مناتے اور کھیلتے تھے۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ یہ دن کیا ہیں؟ انہوں نے کہا کہ جاہلیت کے دور میں ہم ان میں خوشی مناتے اور کھیل کود کرتے تھے۔ اس پر آپ ﷺ نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے ان کے بدلے دو بہترین دن یوم الضحیٰ اور یوم الفطر دے دیئے ہیں)

بعض رسمیں ایسی تھیں جن میں بہتری اور بھلائی کے پہلو تھے اور خرابیاں نہیں تھیں انہیں برقرار رکھا اور ان کے کرنے کی اجازت دی جیسے شادی کے موقع پر خوشی کا اظہار کرنا، عزیز و اقارب، دوست واحباب کا جمع ہونا۔ مبارک باد دینا، ہدیہ تحفہ وغیرہ دینا، دعوت ولیمہ کرنا۔ چھوٹی بچیوں کا خوشی کے گیت گانا وغیرہ۔

اسلام کی نعمت وحرمت کا ایک پہلو یہ بھی ہے کہ یہ انسان کو ریتوں اور رسموں کے جال سے نکال کر آزاد، معتدل اور سیدھا سادہ بندۂ خدا بناتا ہے۔ آئندہ صفحات میں اسلام کی انہی تعلیمات پر روشنی ڈالی جائے گی جو اُس نے شادی بیاہ جیسے اہم موقع سے متعلق تعلیم کی ہیں۔

## ا۔ شادی کی عمر کا آغاز اور اسلام:

اسلامی نقطۂ نگاہ سے بچے اور بچیوں کی شادی کی عمر کا آغاز بالغ ہونے کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے اور بچے بچیوں کے بالغ ہونے کے بعد شادی اور بیاہ کے معاملہ میں تاخیر کرنا درست نہیں۔ حسب ضرورت وقت پر شادی کر دینا واجب ہے۔ شریعت نے لڑکے اور لڑکیوں سے متعلق ان کے ولی، والدین، سرپرستوں اور پرورش کرنے والوں پر ان کی شادیاں کر دینے کا ایسا اخلاقی فریضہ عائد کیا ہے کہ جب وہ بالغ ہو جائیں اور ان کی عمریں شادی کو پہنچ جائیں تو ان کی شادیاں کرنے میں دیر نہ کریں۔ انہیں کوئی ایسا موقع نہ دے کہ وہ خفیہ طور پر ایسا گناہ کر بیٹھیں کہ جس سے خاندان داغدار ہو اور کوئی شرمناک واقعہ پیش آ جائے نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے۔

"عن ابن عباس قال: قال رسول الله ﷺ من ولد له ولد فلیحسن اسمه و ادبه فاذا بلغ فلیزوجه فان بلغ ولم یزوجه فاصاب اثما فا نما اثم ذالک علی ابیه"[2]

(حضرت ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ جس کے ہاں کوئی بچہ پیدا ہو تو اس کا اچھا سا نام رکھا جائے۔ حسن ادب اور اچھی تعلیم دی جائے اور جب بالغ ہو جائے تو اس کی شادی کر دی جائے۔ لیکن اگر بالغ ہو گیا اور اس کی شادی نہیں کی گئی اور وہ گناہ کر بیٹھا تو اس کے گناہ کا وبال اس کے باپ پر عائد ہوگا)

ایک دوسری حدیث میں اسی بات کو یُوں دہرایا گیا ہے:

---

ا۔ السجستانی، ابوداؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الصلاۃ، باب صلاۃ العیدین، حدیث نمبر۱۱۳۶، ص:۱/۴۳۱

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الستون من شعب الایمان وھو باب فی حقوق..، نمبر:۸۶۶۶، ص:۶/۴۰۱

عن انس بن مالک قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: فی التوراۃ مکتوب من بلغت

اثنتی عشرۃ سنۃ ولم یزوجھا فاثم ذالک علیہ [1]

(حضرت انس بن مالکؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سُنا کہ تو راۃ میں لکھا ہوا ہے کہ جس شخص کی لڑکی بارہ برس کی ہو جائے اور اس نے اس کی شادی نہیں کی تو اس کا گناہ اس کے والدین پر ہوگا)

مندرجہ بالا دونوں احادیث بچوں اور بچیوں کی شادی کے سلسلہ میں خصوصی توجہ کی ضرورت پر زور دیتی ہیں اور اگر لاپرواہی کے نتیجہ میں کوئی غلط کام ہو گیا تو اس کی ذمہ داری والدین اور سرپرستوں پر ہوگی۔ لہٰذا والدین کو چاہیے کہ بچوں اور بچیوں سے متعلق شریک حیات کا مناسب رشتہ جوڑنے میں تاخیر نہ کریں اور اس فریضہ سے جلد از جلد سبکدوش ہو جائیں اور نبی ﷺ کی اس حکیمانہ تعلیم پر عمل کریں۔

## ۳۔ محرمات نکاح:

شادی کی عمر کے تعین کے بعد اب اُن رشتوں کا ذکر کیا جائے گا جن کے لیے پیغام نکاح (رشتہ) بھیجنا اسلام نے منع کیا ہے۔ اسلام نے مرد و عورت کے درمیان رشتہ ازدواج کے قیام کے لیے اپنے ایک جامع اصول کے تحت ان تمام مردوں اور عورتوں کو ان کی حرمت اور عظمت کی بنا پر دائرہ ازدواج سے خارج کر دیا ہے جن کا ربط وضبط، تعلق وارتباط بالکل قریب ہوتا ہے۔ اور ان کا رہنا سہنا باہمی میل جول کے بغیر دشوار ہے۔ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ أُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَ بَنٰتُ الْاُخْتِ وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِیْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآئِكُمْ وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِیْ فِیْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِیْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ وَحَلَآئِلُ اَبْنَآئِكُمُ الَّذِیْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا [2]

(تم پر حرام کی گئیں تمہاری مائیں اور تمہاری بیٹیاں اور تمہاری بہنیں اور تمہاری پھوپھیاں اور تمہاری خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے اور تمہاری وہ بہنیں جو دودھ پینے کی وجہ سے ہیں اور تمہاری بی بیوں کی مائیں اور تمہاری بی بیوں کی بیٹیاں جو کہ تمہاری پرورش میں رہتی ہیں۔ ان بی بیوں سے کہ جن کے ساتھ تم نے صحبت کی ہو۔ اور اگر تم نے ان بی بیوں سے صحبت نہ کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں اور تمہارے ان بیٹوں کی بی بیاں جو کہ تمہاری نسل سے ہوں اور یہ کہ تم دو بہنوں کو ایک ساتھ رکھو لیکن جو پہلے ہو چکا۔ بے شک اللہ تعالیٰ بڑا بخشنے والا بڑا رحمت والا ہے)

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر مندرجہ بالا رشتے حرام ہیں:

۱۔ قرابت ۲۔ رضاعت

۳۔ مصاہرت ۴۔ اجتماع دو محرمات کا

۵۔ ملک، دو کنیزوں کی جو آپس میں بہنیں ہیں [3]

---

۱۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الستون من شعب الایمان وھو باب فی حدیث، نمبر: ۸۶۷۰، ص:۶/۴۰۲

۲۔ النساء: ۲۳

۳۔ تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی) ج:۱، ص:۱۵۵

مندرجہ ذیل اسباب کی بنا پر نکاح [illegible] دیے گئے ہیں:

۱۔ شرک، مثلاً مشرکہ یا مشرک سے نکاح۔

۲۔ طلاق الثلاثۃ اپنی زوجہ کو۔

۳۔ حق الغیر، مثلاً منکوحہ غیر سے نکاح ۱؎

اس طرح اسلام صالح مسلمان مردوں کو بدچلن، بدکار اور بازاری مسلمان عورتوں سے اور پاک دامن مسلمان عورتوں کو زانی اور بدکار مسلمان سے بھی رشتہ کرنے کی اجازت نہیں دیتا کیونکہ جہاں صالح مرد اور پاکباز عورتیں بدچلن مرد اور بدکار عورتوں پر اپنا اثر ڈال سکتے ہیں وہاں پر بدچلن مرد اور بدکار عورتیں صالح مردوں اور پاکباز عورتوں پر اپنا اثر جما سکتے ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ اِلَّا زَانِیَۃً اَوْمُشْرِکَۃً وَالزَّانِیَۃُ لَا یَنْکِحُهَآ اِلَّا زَانٍ اَوْ مُشْرِکٌ وَحُرِّمَ ذٰلِکَ عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ" ۲؎

(بدکار مرد صرف بدکار عورت سے ہی نکاح کرسکتا ہے یا مشرک عورت سے اور رہی زانیہ عورت تو اس سے صرف بدکار مرد ہی نکاح کرسکتا ہے یا مشرک مرد یہ سب کے سب مومنوں پر حرام ہیں)

اس طرح پاکیزہ اور غیر پاکیزہ کے درمیان ایک امتیاز قائم رکھا گیا ہے اور ہر ایک کو مناسب درجہ اور مقام بخشا گیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ وَالْخَبِیْثُوْنَ لِلْخَبِیْثٰتِ وَالطَّیِّبٰتُ لِلطَّیِّبِیْنَ وَالطَّیِّبُوْنَ لِلطَّیِّبٰتِ ۳؎

(بدچلن عورتیں بدکار مردوں کے لیے اور بدکار مرد بدچلن عورتوں کے لیے اور پاکدامن عورتیں صالح مردوں کے لیے اور صالح مرد پاکدامن عورتوں کے لیے ہیں)۔

## ۳۔ معاشرہ میں جوڑے کا طرز انتخاب اور اسلامی تعلیمات:

اسلام نے مرد و عورت کے نکاح اور ان میں رشتہ ازدواج کے قیام اور اس کے ارتباط کے لیے عمدہ جوڑے کی تلاش اور حسن انتخاب کی تعلیم بھی دی ہے۔ جس میں دینداری، حسنِ سیرت اور فضل و کمال کو انتخاب کا معیار قرار دیا ہے۔ لیکن آج کا معاشرہ اور اس دور کا اندھا انسان محض حسن و جمال اور دولت و مال کو دیکھ کر جوڑے کا انتخاب کرتا ہے حسنِ سیرت اور فضل و کمال پر توجہ نہیں دیتا۔ جس کا آخری انجام یہی نکلتا ہے کہ زوجین اور ان کے خانوادوں میں شدید کش مکش اور تباہ کن رسہ کشی پیدا ہو جاتی ہے اور روز کی کھٹ پٹ اور آئے دن کا تناؤ چین نہیں لینے دیتا۔ زندگیاں تلخ ہو جاتی ہیں۔ یگانے بیگانے ہو جاتے ہیں اور رشتہ ازدواج برائے نام رہ جاتا ہے۔ زندگی اجیرن ہو جاتی ہے۔ طلاق کی نوبت آجاتی ہے اور عورتوں کو وہ دن دیکھنے پڑ جاتے ہیں جس میں وہ اپنا سسرال چھوڑ کر یا تو میکہ میں بیٹھ جاتی ہیں یا ایسی زندگی سے مرنا بہتر سمجھ کر خودکشی کرنے پر مجبور ہو جاتی ہیں۔

یہی وجوہات ہیں جن کی بنا پر جوڑے کے انتخاب، نسبت اور منگنی کے وقت حسن و جمال اور دولت و مال کے بجائے حسن سیرت اور فضل و کمال پر اسلام زور دیتا ہے۔ مگر آج کا نک معاشرہ آج کی نئی تہذیب اور آج کا انسانی سماج اسلام کی بتلائی ہوئی ان

---

۱۔ تنزیل الرحمن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ج:ا،ص:۱۵۵

۲۔ النور:۳

۳۔ ایضاً:۲۶

صرف فضل وکمال ہے۔لیکن افسوس کہ مسلمان مجموعی طور پر وہ سب کچھ دیکھتا ہے۔جس کو مندرجہ قومیں انفرادی صورت میں دیکھتی ہیں۔

### ۱۔ معاشرہ اور لڑکی کا معیار انتخاب:

لڑکے کی شادی کے لیے لڑکی کے انتخاب میں یہ غور نہیں کیا جاتا کہ وہ کتنی شریف الطبع، پابند شرع، نیک سیرت اور سلیقہ ہے بلکہ مندرجہ ذیل چیزیں مدنظر ہوتی ہیں۔

۱۔ حسن وجمال

۲۔ دنیاوی تعلیم

۳۔ حسب ونسل

۴۔ مالی پوزیشن جس سے جہیز بخوبی مل سکے۔

۵۔ گھر اور گھرانہ کی دنیاوی حیثیت اور اس کی شہرت وغیرہ [2]

### ۲۔ معاشرہ اور لڑکے کا معیار انتخاب:

لڑکی کی شادی کے لیے لڑکے کے انتخاب اور نسبت کی جستجو میں یہ امر ملحوظ نہیں ہوتا کہ وہ کس قدر خوش اخلاق ہے۔ اسے اسلامی تہذیب سے کتنی دلچسپی ہے علوم عصریہ کے ساتھ ساتھ دینی علوم سے کتنی واقفیت ہے اور پھر اس پر کتنا عمل ہے۔ اس کا ذریعہ معاش اور اس کا گھریلو رہن سہن دینی اعتبار سے کیا اور کیسا ہے؟ نیز مرد یا لڑکا سنجیدہ، شریف اور ضرورت شناس ہے یا نہیں۔

۱۔ شکل وصورت۔

۲۔ حسب ونسب۔

۳۔ دنیاوی تعلیم (بی۔اے، ایل۔ایل۔بی اور پی ایچ ڈی، ڈاکٹر انجینئرنگ جیسی ڈگریاں)۔

۴۔ اعلیٰ ملازمت یا کوئی اور اونچا پیشہ۔

۵۔ زراعت کی پوزیشن۔

۶۔ تجارت کا میعار۔

۷۔ املاک اور جائیداد کی مقدار۔

۸۔ دنیاوی حیثیت سے گھر کی عزت اور خاندان کی شہرت۔

۹۔ اکلوتگی۔

اس کے اور بھائی تو نہیں جن سے املاک وجائیداد اور گھر بار کی تقسیم اور بٹوارے کے وقت مال سا کھ گر جائے، گھی کا جلتا ہوا چراغ بجھ جائے اور سماج میں وہ حیثیت کا کمزور اور غریب کہلائے الغرض یہی وہ تمام چیزیں ہیں جس کی طرف انسان نگاہ دوڑاتا ہے [3]

### ۴۔ اسلام میں رشتہ کا معیار انتخاب:

اسلامی نقطہ نگاہ سے ذات پات، حسب ونسب اور رنگ وادب کا کوئی امتیاز نہیں ہے۔ذات پات، رنگ ونسل، کالے گورے کا

---

۱۔ قاسمی، مولانا علی احمد، شادی اور شریعت، ص: ۴۷

۲۔ ایضاً، ص: ۴۸

۳۔ ایضاً، ص: ۴۹

کوئی فرق نہیں ہے۔ تمام مسلمان آپس میں ایک دوسرے کے بھائی ہیں۔ لہٰذا ہر کلمہ گو مسلمان مرد و عورت خواہ وہ شیخ ہوں یا پٹھان ہوں یا سیّد اگر ان کے چال چلن، رہن سہن اسلامی ہوں ان کے کردار مومنانہ اور اخلاق کریمانہ ہوں اور ان کے گھر کی چار دیواری سے دین و اخلاق عزت و شرافت کی بُو آ رہی ہو تو اُن کے ہاں شادیاں کرنے میں کوئی تامل نہیں ہونا چاہیے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

اِنَّ اَکْرَمَکُمْ عِنْدَ اللّٰہِ اَتْقٰکُمْ [1]

(بے شک اللہ کے نزدیک عزت والا وہ ہے جو زیادہ متقی ہے)

تاریخ اسلام میں ایسی بہت سی مثالیں ملتی ہیں جب ذات پات سے باہر نکل کر صرف اخلاق و کردار کی وجہ سے رشتہ طے کیا گیا جیسا کہ حضور ﷺ نے حضرت بلالؓ کا رشتہ جو کہ حبشی غلام تھے عربوں سے جوڑنے کا حکم دیا۔

خطب بلالؓ إلى قوم من العرب . فقال له رسول الله ﷺ قل لهم ان رسول ﷺ يامركم ان تزوجوني [2]

(حضرت بلالؓ ایک عرب قبیلے کے پاس آئے اور پیغام نکاح دیا۔ پس رسول ﷺ نے اُس (بلالؓ) سے کہا کہ اُس (عرب قبیلے) سے کہہ دینا کہ رسول ﷺ نے حکم دیا ہے کہ آپ اپنی کسی عورت کی مجھ سے شادی کر دیں) معلوم ہوا کہ ہر مسلمان برادری کے ہاں رشتہ جوڑا جا سکتا ہے اور شادی کی جا سکتی ہیں۔

## اسلام اور کفائت:

اس کے ساتھ ساتھ اسلام رشتہ ازدواج جوڑتے ہوئے کفائت کا لحاظ رکھنے کی تعلیم بھی دیتا ہے کیونکہ شادی بیاہ جیسے اہم معاملاتی مسائل میں جن میں نزاع کا پورا پورا امکان ہو۔ جہاں لڑکے اور لڑکیاں کفائت اور نسب و پیشہ پر زیادہ زور دے رہے ہوں اور بغیر اس کے نکاح اور نباہ ممکن نہ ہو وہاں کفائت اور نسب و پیشہ کے تفاضل کی رعایت بہرحال ضروری ہے۔ چنانچہ ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے کہ:

"لا تزوج النساء الا اولياء ولا ينكحن الا من الاكفاء" [3]

(خبردار! عورتوں کا نکاح اُن کے ولی ہی کرائیں اور کفو یعنی برابر والوں سے کیا جائے)

حضرت علیؓ سے یوں ارشاد ہوتا ہے:

عن عليؓ بن ابو طالب أن النبي ﷺ قال له : يا علي ثلاث لاتؤخرها الصلوٰة اذا آنت والجنازة اذا حضرت الائم اذا وجدت لها كفوا [4]

(حضرت علیؓ بن ابو طالب سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے اُن سے فرمایا: اے علی! تین چیزوں میں دیر نہیں کرنی چاہیے۔ نماز جب اس کا وقت ہو جائے۔ جنازہ کی نماز کا جب تیار ہو جائے۔ بیوہ عورت کا نکاح جب اُس کے مناسب کوئی ہمسر پا لے)

---

۱۔ الحجرات: ۱۳

۲۔ السرخسی، المبسوط، (بیروت: ۱۹۸۶ء) ج: ۶ ص: ۸۱

۳۔ علاء الدین علی بن حسام، کنز العمال فی سنن الاقوال والافعال، باب اولیاء حدیث نمبر: ۴۵۷۵۹ ص: ۱۶/۵۲۹

۴۔ الترمذی: الجامع الصحیح سنن الترمذی، باب الوقت الاول من الفضل حدیث نمبر: ۱۷۱ ص: ۱/۳۲۰

### کفو کی تعریف:

''کفو وہ شخص کہلاتا ہے۔ جو مذہب، نسب، آزادی، پیشہ، دیانت اور تمول میں ہم سر ہو''[1]

### امور کفائت:

تحفة الفقهاء میں درج ذیل امور کفائت گنوائے گئے ہیں جن میں مرد کا عورت کے ہم سر ہونا ضروری ہے۔

الكفاءة تعتبر في خمسة اشياء : الحرية ، والنسب ، والمال ، والدين ، وإسلام الآباء[2]

(کفاءت پانچ چیزوں میں معتبر ہے آزادی، نسب، مال، دین، اسلام)

ان تمام چیزوں پر توجہ کے ساتھ ساتھ اسلام میں توجہ خاص پھر بھی دیانت اور دین داری پر کی گئی ہے۔ لہٰذا مذکورہ اشیاء کی رعایت کرتے ہوئے بھی دین واخلاق، حسن سیرت، اچھا کردار، شرافت اور فضل وکمال کا پایا جانا یہی انسان کے انسانیت کی اصل روح اور مسلمان کے اسلامی کردار کا کھلا ثبوت ہے۔ جس کے وجود پر رشتہ ازدواج تادم حیات خوشگوار اور زن وشوہر کے یہ جوڑے اپنے خون سے سینچے ہوئے باغ کو ہمیشہ سرسبز وشاداب، برگ وبار لاتا، پھولتا پھیلتا دیکھتے ہیں اور بڑے سکون وطمانیت اور خیر وعافیت کے ساتھ زندگی کے تمام مراحل پر کامیابی سے ہم کنار ہوتے ہیں۔ اگر چہ کسی بھی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ نبی پاک ﷺ کی حدیث مبارکہ اس طرح توجہ دلاتی ہے:

عن ابی هريرۃؓ عن النبی ﷺ قال : تنكح المرائة لأربع لمالها ، ولحسبها ، ولجمالها ولدينها فاظفر بذات الدين، تربت يداك[3]

(حضرت ابو ہریرہؓ حضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ عورت سے شادی چار چیزوں کو مدنظر رکھتے ہوئے کی جاتی ہے۔ مال، جمال حسب ونسب اور دینداری، پس تمہاری کامیابی دین دار عورت سے ہے۔ تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں)

ایک دوسری حدیث مبارکہ میں یوُں ارشاد ہوتا ہے:

عن ابی هريرهؓ قال قال رسول الله ﷺ اذاخطب اليكم من ترضون دينه وخلقه فزوّجوه إلاّ تفعلوا تكن فتنة في الارض و فسادٌ عريضٌ[4]

(جب تمہارے پاس ایک ایسا شخص پیغام لے کر آئے جس کی دینداری اور اخلاق مندی تمہیں پسند آجائے تو اس سے اپنی لڑکی نکاح کر دو۔ اگر تم ایسا نہیں کرو گے تو زمین پر فتنہ وفساد پھیل جائے گا)

### لڑکے کا انتخاب اور نبی ﷺ کا ارشاد:

شادی کے بعد لڑکی کو اپنے شوہر کے اس طرح تابع ہونا پڑتا ہے کہ اس کے ایک ایک اشارہ پر اس کے لیے چلنا ضروری ہو جاتا ہے گویا کہ وہ لڑکی ایک طرح سے اپنے شوہر کی کنیز ہو جاتی ہے لہٰذا اپنی بیٹی کے لیے شوہر کا بہترین اور خوشگوار انتخاب کرنا چاہیے۔

---

۱۔ تنزیل الرحمٰن، ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، ج:۱، ص: ۲۶۳

۲۔ السمرقندی، تحفۃ الفقہا، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴م) ص: ۲/۱۵۴

۳۔ البخاری، الجامع الصحیح، باب الاکفاء فی الدین حدیث نمبر ۴۷۰۲، ص: ۵/۱۹۵۸

۴۔ الترمذی، الجامع الصحیح سنن الترمذی، باب اذا جاء کم من ترضون حدیث نمبر ۱۰۸۴، ص: ۳/۳۹۴

حضرت اسماءؓ سے روایت کردہ ایک حدیث کا متن یوں ہے:

انما النكاح رق فلينظر أحدكم أين يرق عتيقته [1]

(نکاح عورت کو کنیز بنا دیتا ہے۔اس لیے دیکھ لیا کرو کہ تم اپنی بیٹی کہاں دے رہے ہو)

دوسری جگہ یوں ارشاد ہوتا ہے:

عن الشبعى قال: من زوج كريمته من فاسق فقدقطع رحمها [2]

(شبعی روایت کرتے ہیں کہ جس نے کسی فاسق شخص سے اپنی بیٹی کی شادی کردی تو اس شخص نے اپنی بیٹی کے ساتھ قطع رحمی کی)

## لڑکی کا انتخاب اور نبی ﷺ کے ارشادات:

لڑکی کے انتخاب میں جا بجا سرکارِ عالم ﷺ اپنی تعلیمات و ہدایات میں بہترین ارشادات فرماتے ہیں:

عن ابى سعيد الحذرىؓ عن النبى ﷺ قال: اياكم وخضراء الدمن فقيل يا رسول الله وما خضراء الدمن؟ قا المرأة الحسناء فى المبنت السوء [3]

(سعید حذری نبی ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا: غلاظت کے ڈھیر پر اُگی ہوئی سبزی سے بچو۔ عرض کیا گیا یا رسول اللہ ﷺ! اس کا کیا مطلب ہے؟ فرمایا بُرے خاندان کی خوبصورت لڑکی سے بچو)

نبی ﷺ کا ایک دوسرا ارشاد یوں ہے:

عن انسؓ تزوجوافى الحجز الصالح فان العرق دساس [4]

(حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ شریف اور صالح عورت سے شادی کیجئے اس لیے کہ قرابت کی رگیں آباؤ اجداد سے اولاد کے جسموں میں منتقل ہوتی ہیں)

نبی کریم ﷺ کی ایک حدیث عورت کے انتخاب کا ایک معیار یوں مقرر کرتی ہے۔ابن مسعود روایت کرتے ہیں کہ

ذروالحسناء العقيم و عليكم بالسوداء الولود [5]

(خوبصورت بانجھ عورت کو چھوڑو، کالی کلوٹی بچے پیدا کرنے والی عورت سے شادی کرو)

## لڑکی کے انتخاب میں حضرت عمرؓ کا اُسوہ:

اسلم بیان کرتے ہیں: اس دوران کہ میں سیدنا عمرؓ کے ساتھ تھا جب وہ مدینہ میں گشت فرما رہے تھے جب تنہائی تھک گئے تو رات کے ایک حصہ میں دیوار سے ٹیک لگا کر آرام فرمانے لگے۔ایک خاتون اپنی بیٹی سے کہہ رہی تھی: اے میری بیٹی! اُٹھ کر دودھ میں پانی ملا دے بیٹی نے کہا: امّی جان آپ کو معلوم نہیں کہ امیر المؤمنین نے آج کس قدر تاکید فرمائی ہے؟ ماں نے کہا انہوں نے کس بات کی

---

۱۔ بیہقی، سنن البیہقی الکبریٰ، باب ترغیب فی التزویج فی ذی الدین، حدیث نمبر: ۱۳۲۵۹، ص: ۸۲/۷

۲۔ بیہقی، شعب الایمان، باب الستون من الایمان وھو باب فی حدیث نمبر: ۸۷۰۷، ص: ۴۱۲/۶

۳۔ القضاعی، محمد بن سلامۃ بن جعفر ابو عبداللہ، مسند الشھاب، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۶ء)، باب ایاکم وخضراء الدمن حدیث نمبر: ۹۵۷، ص: ۹۶/۲

۴۔ علاؤالدین علی بن حسام، کنز العمال، باب الثالث فی آداب النکاح حدیث نمبر: ۴۴۵۵۹، ص: ۲۹۶/۱۶

۵۔ ایضاً حدیث نمبر: ۴۴۵۴۶، ص: ۲۹۳

تاکید فرمائی ہے بیٹی؟ بیٹی نے کہا: انہوں نے ایک منادی کو حکم دیا اور اس منادی نے یہ اعلان کیا کہ دودھ میں پانی نہ ملایا جائے ملاوٹ نہ کی جائے ماں نے کہا بیٹی اُٹھ اور دودھ میں پانی ملا دے، تو ایسی جگہ ہے جہاں نہ تجھے عمر دیکھ پائیں گے اور نہ اُن کا منادی بچی نے اپنی ماں سے کہا: امی جان میں ایسی نہیں ہوں کہ جلوت میں ان کی اطاعت کروں اور خلوت میں ان کی نافرمانی۔ عمرؓ یہ سب سن رہے تھے۔ فرمایا اے اسلم اس دروازے کو خوب یاد رکھو اور اس جگہ کو پہچان لو...... پھر اپنے گشت کے لیے چل دیئے جب صبح ہوئی تو عمرؓ نے فرمایا: اے اسلم اس مقام پر جاؤ اور دیکھو کہنے والی کون تھی اور کس سے کہہ رہی تھی اور یہ کہ کیا ان کے ہاں کوئی مرد ہے۔ اسلم کہتے ہیں کہ میں اس جگہ پہنچا تو لڑکی غیر شادی شدہ تھی...... عمرؓ نے اس لڑکی کی طرف پیغام بھیجا اور اپنے بیٹے عاصم سے اس کا رشتہ کرا دیا[1]

مولانا محمد کمال الدین اپنی کتاب میں اس بارے میں لکھتے ہیں کہ:

''امام احمد بن حنبلؒ نے بغیر دیکھے ایک کالی اور ایک چشمی عورت سے نکاح کیا۔ جب کہ اس لڑکی کی ایک اور دوسری بہن جوان اور خوبصورت موجود تھی۔ حضرت نے اس جوان اور خوبصورت بہن کی خواہش نہ کی اس لیے کہ امام احمد بن حنبلؒ نے سنا تھا کہ ایک چشمی عقل میں اس خوبصورت بہن سے افضل ہے'' [2]

**لڑکے کا انتخاب اور حضرت حسن بصری کا ارشاد:**

ایک شخص نے حضرت حسن بصری سے عرض کیا کہ حضرت! میری لڑکی کے لیے بہت سے رشتے آتے ہیں۔ آپ کے خیال میں لڑکا کیسا ہونا چاہیے آپ نے فرمایا کہ ''جو شخص ان میں سے خدا کا خوف رکھتا ہو اس سے شادی کرنا اس لیے کہ اگر وہ تیری لڑکی کو چاہے گا تو اس کی خاطر داری کرے گا اور اگر ناپسند کرے گا تو اس پر ظلم نہ کرے گا'' [3]

**لڑکے کا انتخاب اور امام غزالیؒ:**

امام غزالیؒ نے فرمایا کہ عورت کے ولی پر واجب ہے کہ شوہر کی عادتوں کو دیکھ بھال لے اور اپنی لڑکی پر شفقت کرے۔ یعنی اس کا نکاح ایسے شخص سے نہ کرے۔ جس کی پیدائش جسمی میں کوئی قصور یا عادت اچھی نہ ہو یا دین میں ضعیف ہو یا عورت کے حق ادا کرنے سے قاصر ہو یا نسب میں عورت کا کفو نہ ہو...... اور احتیاط عورت کے حق میں بہت ضرور ہے کہ نکاح کے باعث وہ ایسی قید میں پڑ جاتی ہے کہ اس سے چھوٹ نہیں سکتی۔ بخلاف مرد کے کہ وہ ہر حال میں طلاق پر قادر ہے اور جب کوئی شخص اپنی لڑکی کا نکاح ظالم یا فاسق یا بدعتی یا شراب خور سے کرے گا تو وہ اپنے دین میں بٹہ لگائے گا اور خدا کے غصہ کا مستحق ہوگا کہ اس نے حق قرابت کو منقطع کیا اور اس کے لیے ایسا مرد تجویز کیا [4]

امام غزالیؒ کسی عرب کا قول نقل کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ :

''چھ قسم کی عورتوں سے نکاح نہ کرو۔ (۱) انانہ۔ (۲) منانہ۔ (۳) حنانہ۔ (۴) حداقہ۔ (۵) براقہ۔ (۶) شداقہ

(۱) انانہ: اس کو کہتے ہیں کہ جو ہر وقت کراہتی اور آہ آہ کرتی رہتی ہے بلکہ ہر گھڑی اپنا سر پٹی سے باندھے رکھتی ہے۔

(۲) منانہ: اس کو کہتے ہیں کہ خاوند پر اکثر احسان جتائے کہ میں نے تیری خاطر یہ کیا وہ کیا۔

---

۱۔ الآجری، ابی بکر محمد بن حسین بن عبداللہ، اخبار ابی حفص عمر بن عبدالعزیز (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۰ھ۔ ۱۹۸۰ء) ص: ۴۸، ۴۹

۲۔ کمال الدین، محمد مولانا، تحفۃ النساء، (ملتان: نوبہار پریس، ۱۹۹۱ء)، ص: ۳۱۵

۳۔ غزالی، احیائے علوم الدین (ترجمہ بنام مذاق العارفین، مترجم (مولانا محمد احسن نانوتوی) (لاہور: مکتبہ رحمانیہ)، ج دوم، ص: ۷۷

۴۔ ایضاً، ۷۶، ۷۷

(۳) حنانہ: وہ ہے جو اپنے پہلے شوہر یا اپنی اولاد پر جو شوہر اوّل سے ہو فریفتہ رہے۔ ایسی عورت سے نکاح سے اجتناب مناسب ہے۔

(۴) حداقہ: جو ہر چیز پر نظر ڈالتی رہے اور اس کی خواہش کرے پھر شوہر کو اس کے حاصل کرنے کے لیے تکلیف دے۔

(۵) براقہ: کے دو معنی ہو سکتے ہیں ایک اہل حجاز کے موافق، یعنی جو عورت دن بھر اپنے چہرے کے بناؤ سنگھار میں رہے۔ یہاں تک کے سجاوٹ سے اس میں آب و تاب ہو جائے۔

دوم: اہل یمن کے محاور کے مطابق وہ عورت جو کھانے پر رُوٹھے اور اکیلی ہو کر کھائے اور ہر چیز سے اپنا حصّہ جدا کرے۔

(۶) شداقہ: اس کو کہتے ہیں جو بہت بکتی رہے[۱]

---

ا۔ غزالی، احیائے علوم الدین، ج: دوم، ص: ۷۶، ۷۷

## مبحث دوم: منگنی سے متعلق اسلامی تعلیمات

لڑکے اور لڑکی کے انتخاب کے بعد رشتہ کی بات بڑھائی جاتی ہے۔ ہمارے معاشرے میں عام رواج ہے کہ شادی سے کچھ عرصہ پہلے منگنی کی جاتی ہے۔اس سلسلہ میں بھی اسلامی تعلیمات ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں۔

### لڑکے اور لڑکی کی رضامندی:

منگنی و نکاح سے قبل لڑکے اور لڑکی کی اجازت بھی ضروری ہے۔ مفتی احمد یار خان لکھتے ہیں کہ:

''جہاں لڑکے کی مرضی نہ ہو وہاں ہرگز نکاح نہ ہو اس طرح جہاں لڑکی یا لڑکی کی ماں کی منشا نہ ہو وہاں نکاح کرنا زہر قاتل ہے۔ہم نے دیکھا ہے کہ ایسی شادیاں کامیاب نہیں ہوتیں اس لیے شرعاً ضروری ہے کہ لڑکی سے اذن لیتے وقت لڑکے کا نام مع اس کے والد کے اور مہر کے بتایا جائے کہ اے بیٹی ہم تیرا نکاح فلاں کے لڑکے فلاں سے بیٹے سے کر دیں وہ کہے ہاں تب نکاح ہوتا ہے۔یہ اذن لڑکی کی رائے معلوم کرنے کے لیے ہی تو ہے''[۱]

لہٰذا جوڑوں کا انتخاب ان کی مرضی اور رائے کے ساتھ کرنا چاہیے اِن سے تبادلہ خیال اور ان کی منشا معلوم کر لینی چاہیے۔

آنحضرت ﷺ کا ارشاد ہے:

عن ابن عمر قال: قال رسول اللہ ﷺ امروا النساء فی بناتھنّ[۲]

(عورتوں سے اپنی لڑکیوں کے بارے میں پوچھ تاچھ کرلیا کرو)

دوسری حدیث میں ہے:

عن ابن عباس قال: قال رسول اللہ ﷺ الأیّم أحق بنفسھا من ولیّھا والبکر تستأذن فی نفسھا واذنھا صماتھا[۳]

(ابن عباس سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔ بیوہ عورت اپنے نکاح کے بارے میں اپنے سرپرست سے زیادہ حقدار ہے اور رہی کنواری تو اُس سے اُس کا باپ اجازت لے اور اس کی اجازت اُس کا چپ رہنا ہے)

### والدین اور سرپرستوں کی رضامندی:

لڑکے اور لڑکیوں کی رضامندی کے ساتھ ساتھ والدین اور سرپرستوں کی اجازت بھی ضروری ہے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

تُوَاعِدُوْهُنَّ سِرًّا اِلَّآ اَنْ تَقُوْلُوْا قَوْلًا مَّعْرُوْفًا[۴]

(چھپ چھپ کر نکاح کا عہد و پیمان نہ کیا کرو کرنا ہے تو بھلے قول و قرار کے ساتھ کیا کرو)

---

۱۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص: ۳۲

۲۔ السجستانی، ابو داؤد سلیمان، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب فی الاستمار، حدیث نمبر: ۲۰۹۷، ص: ۲/۱۹۵

۳۔ ایضاً، باب الثیب، حدیث نمبر: ۲۱۰۰، ص: ۱۹۶

۴۔ البقرۃ: ۲۳۵

### کسی سے بل تری دیکھنا:

رشتہ ازدواج کے لیے لڑکی دیکھنا از روئے شرع درست ہے اور اس کا پسندیدہ طریقہ یہ ہے کہ گھر کی عورتیں متعلقہ خالہ پھوپھی، بھاوج وغیرہ جائیں۔ پڑوس سے معلوم کریں۔ لیکن اگر حالات معاملات اور اس سے متعلق معلومات حاصل کرنے کی کوئی صورت ممکن نہ ہو تو لڑکی والوں کی اجازت سے بذاتِ خود دیکھا جاسکتا ہے۔

حضور ﷺ کی احادیث مبارکہ میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے:

عن انس ؓ قال النبی ﷺ انظر الیها فانه أجدر ان یودم بینکما [1]

(حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کو (جس کو پیغام رشتہ بھیج رہے ہو) دیکھ لو اس لیے کہ دیکھنے سے تم دونوں کے درمیان موافقت پیدا ہوگی)

اس طرح حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ایک حدیث یوں ہے:

عن ابی هریره أن رجلااتی النبی فذکر له نکاح المرأة من الانصار فقال: انظر الیها فان فی أعین الانصار شیأ [2]

حضرت ابو ہریرہؓ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ میں نبی ﷺ کی خدمت میں حاضر تھا) اتنے میں ایک شخص نبی ﷺ کے پاس آیا پس اُس نے نبی ﷺ کو بتایا کہ اُس نے انصار کی ایک خاتون سے نکاح کر لیا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا اُسے دیکھ لو کہ بعض انصار کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے)

نبی کریم ﷺ کا ایک اور ارشاد یوں ہے:

عن جابربن عبداللّٰه قال: قال رسول اللّٰه اذا خطب احدکم المراة فان استطاع ان ینظر الی مایدعوه الی نکاحها فلیفعل [3]

(جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت سے نکاح کرنا چاہتا ہو۔ اگر ممکن ہو تو اسے دیکھ کر یہ اطمینان کر لینا چاہیے کہ آیا عورت میں کوئی ایسی خوبی ہے جو اس کے ساتھ نکاح کی طرف راغب کرے)

مندرجہ بالا احادیث سے یہ بات اخذ ہوئی کہ جب شادی کرنے کا عزم مصمم ہو اور کسی مخصوص عورت کو نکاح کا پیغام دینے کا ارادہ ہو تو نکاح کے سلسلے میں کوئی قدم اٹھانے سے پہلے اس عورت کو دیکھا جاسکتا ہے۔ ایسی صورت میں اس عورت پر نظر ڈالنا جائز ہے تا کہ سوچ سمجھ کر قدم اُٹھے۔ ایسا نہ ہو کہ ایسے ہی شادی کر دی جائے اور پھر تکلیف اور مصیبت میں پڑ جائے۔ اس طرح لڑکے والے بھی اچھی طرح دیکھ لیں اور لڑکی کے موافق لڑکا دیکھیں جس سے لڑکی راضی خوشی اپنی زندگی نباہ سکے۔

### رشتہ کے انتخاب میں تصویر کا استعمال:

معاشرہ میں آج رشتہ ازدواج اور جوڑے کا انتخاب لڑکے اور لڑکیوں کی تصویروں کے ذریعے بھی شروع ہو گیا ہے۔ بالخصوص لڑکیوں اور عورتوں کی تصویریں زیادہ تر ملحوظ ہوتی ہیں۔ تصویروں سے چہرہ کی ساخت، چہرہ کی بناوٹ، چہرہ کا نقشہ اور چہرہ کا جمال دیکھ

---

۱۔ التمیمی، محمد بن حبان بن احمد، ابو حاتم، صحیح ابن حبان، باب کتاب النکاح حدیث نمبر: ۴۰۴۳، ص: ۹/۳۵۱

۲۔ ایضاً حدیث نمبر: ۴۰۴۴

۳۔ السجستانی، ابو داود سلیمان، سنن ابی داود، حدیث نمبر ۲۰۸۳، ص: ۲/۱۹۰

جاتا ہے۔حالانکہ تصویریں کالے، گورے اور سانولے رنگ کی ان کی غمازی نہیں کرتیں۔لوگوں اور تصویروں کی پسند یدگی سے طے کیے جانے والے جوڑوں میں شادی کے بعد محبت، موڈت قلبی، لگاؤ اور سچے پیار کا رشتہ ٹوٹ جاتا ہے اور مرد وعورت دونوں کی ازدواجی زندگی جہنم کا نمونہ بن جاتی ہے۔اس لیے رشتہ کا انتخاب، جوڑوں کی تلاش، فوٹو اور تصویروں کے ذریعے کرنا حد درجہ حماقت ہے۔شرعی نظریہ سے تصویر کا استعمال ہی حرام ہے چہ جائے کہ اس کے ذریعے رشتہ طے کیا جائے اور جوڑوں کی منگنی اور نسبت منظور کی جائے۔[1]

## منگنی اور اس کی حقیقت:

پہلے جان چکے کہ منگنی رشتہ قائم کرنے کا نام ہے۔منگنی کی حقیقت اصل میں اتنی ہی ہے کہ لڑکے والے لڑکی والوں سے رشتہ کی درخواست کرتے ہیں اور لڑکی والے اطمینان کے بعد درخواست قبول کر لیتے ہیں۔بس منگنی تو اسی کا نام ہے۔اس حد تک منگنی کی جائے تو اس کے اندر کوئی برائی نہیں ہے۔چنانچہ مولوی بدرالدین اس بارے میں کہتے ہیں کہ:

"منگنی کے وقت دیگر رسم ورواج کی ضرورت نہیں بلکہ کسی آدمی کا روبرو جا کر کہہ دینا یا بذریعہ خط وکتابت معاملہ کو طے کر لینا بھی کافی ہوسکتا ہے۔بلکہ شرعاً تو یہاں تک بے تکلفی ہے کہ اگر دولہا خود جا کر درخواست کرے تو بھی کوئی مضائقہ نہیں"[2]

## حضرت فاطمہؓ کی منگنی:

حضرت ابوبکر صدیقؓ اور حضرت عمر فاروقؓ نے حضور ﷺ سے حضرت فاطمہؓ سے شادی کی درخواست کی۔آپ ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کے کم عمر ہونے کا عذر فرما دیا۔پھر حضرت علیؓ نے شرماتے ہوئے خود حاضر ہو کر زبانی عرض کیا آپ ﷺ پر فوراً حکم الٰہی آیا اور آپ ﷺ نے اِن کی عرض کو قبول کر لیا۔پس حضرت فاطمہؓ کی یہی منگنی تھی۔موجودہ زمانے کے رسم ورواج لغو اور خلاف سنت ہیں[3]

مفتی احمد یار نعیمی کہتے ہیں:

"منگنی دراصل نکاح کا وعدہ ہے۔اگر یہ نہ بھی ہو جب بھی کوئی حرج نہیں لہٰذا بہتر تو یہ ہے کہ منگنی کی رسم بالکل ختم کر دی جائے۔اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے اور سوائے نقصان کے اس سے کچھ فائدہ نہیں۔غالباً ہم نے یہ رسمیں ہندوؤں سے سیکھی ہیں۔کیونکہ سوائے ہندوستان کے کہیں اور یہ رسم نہیں ہوتی بلکہ عربی یا فارسی زبانوں میں اس کا کوئی نام بھی نہیں۔اس کے جتنے نام ملتے ہیں سب ہندی زبان کے ہیں۔چنانچہ منگنی سگائی، کڑھائی، ساکھ یہ اس کے نام ہیں اور ان میں کوئی بھی عربی، فارسی نہیں"[4]

## موجودہ دور کی منگنی مولانا اشرف علی تھانوی کی نظر میں:

آج کل منگنی کے موقع پر اتنی رسمیں اور خرافات اور اس قدر نمود ونمائش اور پھر ان سے بڑھ کر بڑے بڑے گناہوں کا ارتکاب اور طرح طرح کی پابندیاں اور لوازمات پائے جاتے ہیں کہ نماز روزہ سے بڑھ کر وہ ضروری ہیں۔کوئی نماز نہ پڑھے، روزہ نہ رکھے، زکوٰۃ نہ دے، حج نہ کرے کوئی پوچھنے والا نہیں۔لیکن اگر منگنی کی ان رسموں کو انجام نہ دیا جائے اور ان کی خانہ پُری نہ کی جائے تو جناب طعن

---

۱۔ قاسمی، مولانا علی احمد، شادی اور شریعت، ص:۷۳،۷۴

۲۔ بدر، مولوی، بدرالدین، خطبات بدر، ص:۵۵

۳۔ احمد علی، مولانا، تذکرہ رسوم اسلامیہ، ص:۱۱

۴۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، ص:۳۲،۳۳

شروع ہو جاتی ہے۔صحن وسیع سے آدمی کا جینا دوبھر کر دیا جاتا ہے اسی بنا پر مولانا اشرف علی تھانوی اپنے رسالہ اصلاح رسوم میں لکھتے ہیں

''منجملہ ان رسوم کے منگنی کی رسم ہے۔جس کو قیامت کبریٰ یعنی شادی کی تمہید ہونے کی وجہ سے قیامت صغریٰ کہنا زیبا ہے''[1]

## موجودہ منگنی کی شرعی حیثیت:

آج کل شادی سے قبل منگنی ہوتی ہے۔یہ منگنی لڑکی اور لڑکے کی رضامندی سے کی جاتی ہے۔شریعت کی رو سے لڑکے اور لڑکی کی جانب سے ایجاب وقبول کے بعد نکاح قائم ہو جاتا ہے۔ایجاب کا مطلب یہ ہے کہ ایک جانب سے شادی کی پیش کش کی جاتی ہے اور دوسری طرف سے اس پیش کش کو قبول کیا جاتا ہے۔یہ کارروائی دو گواہوں کی موجودگی میں ہو تو اسلامی شادی مکمل ہو جاتی ہے۔اس کے بعد رخصتی کا مرحلہ آتا ہے۔شادی کے بارے میں اسلامی تعلیمات کو سامنے رکھا جائے تو جس چیز کو ہمارے ہاں منگنی کہا جاتا ہے۔وہ چھوٹے پیمانے پر شادی ہی ہے۔بس اس میں فرق یہ ہے کہ منگنی کے بعد رخصتی نہیں کی جاتی اسے نصف شادی کہہ سکتے ہیں[2]

## پیغام پر پیغام پہنچانا:

منگنی اور رشتہ طے کرنے میں اس بات کا لحاظ رکھا جائے کہ اگر ایک شخص نکاح کا پیغام دے رہا ہے۔نسبت اور رشتہ طے کر رہا ہے تو جب تک اس کا سلسلہ منگنی اور نسبت منقطع نہ ہو جائے پیغام نہ بھیجا جائے۔منگنی نہ کی جائے۔ایسی صورت میں پیغام بھیجنا منگنی کی بات چیت کرنا جائز نہیں ہے۔ممنوع ہے نیز کسی کا لگتا ہوا رشتہ کاٹ دینا۔بھڑکا دینا،خوامخواہ عیب بتلانا۔برائی بیان کرنا سراسر حرام ہے۔

آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن عقبہ بن عامرؓ ان رسول اللہ ﷺ قال: المؤمن اخوالمؤمن فلا یحل للمؤمن ان یبتاع علی بیع أخیہ ولا یخطب علی خطبة اخیہ حتّٰی یذر[3]

(حضرت عقبہ بن عامر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔مسلمان مسلمان کا بھائی ہے۔مسلمان کے لیے جائز نہیں کہ وہ اپنے بھائی کے بھاؤ تاؤ پر اپنا بھاؤ تاؤ کرنے لگے اور اپنے بھائی کے پیغام نکاح اور گفتگو منگنی پر خود اپنا پیغام بھیجے (اپنے لیے شادی کی بات چیت کرنے لگے) ہاں جب وہ خود ہٹ جائے (چھوڑ دے)

ایک دوسرے مقام پر یوں ارشاد ہوتا ہے:

"عن ابن عمرؓ کان یقول نھی النبی ﷺ ان یبیع بعضکم علی بیع بعض ولا یخطب الرجل علی خطبة اخیہ حتی یترک الخاطب قبلہ او یاذن لہ الخاطب[4]

حضرت ابن عمرؓ کہتے تھے کہ رسول ﷺ نے ہمیں منع کیا ہے کہ کوئی شخص کسی کی بیع پر اپنی بیع کرے۔اور نہ کوئی شخص اپنے بھائی کے پیغام پر اپنا پیغام دے۔تاوقتیکہ جس نے پیغام دیا ہے۔وہ اپنا ارادہ ترک کر دے یا اس شخص (پیغام دینے والے) کو اجازت نہ دے دے)

---

۱۔ تھانوی،اشرف علی،اصلاح الرسوم (کراچی: دارالاشاعت،فروری،۲۰۰۲ء) ص:۵۰

۲۔ شہاب، رفیع اللہ، پروفیسر،اسلام کا ازدواجی نظام، (لاہور:سنگِ میل پبلیکیشنز،۱۹۹۱ء) ص:۱۸

۳۔ مسلم،الجامع الصحیح،باب تحریم خطبة علی خطبة اخیہ،حدیث نمبر:۳۵۲۹،ص:۱۳۹/۴

۴۔ البخاری،الجامع الصحیح، باب لایخطب من خطب اخیہ حتی،حدیث نمبر: ۴۸۴۸، ص:۱۹۷۵/۵ء

## خلاصۂ بحث:

مباحث بالا سے درج ذیل نتائج سامنے آتے ہیں:

۱۔ اسلامی تعلیمات جہاں دیگر شعبہ ہائے زندگی میں ہدایت کی راہ دکھاتی ہیں وہاں یہ شادی بیاہ سے متعلقہ تمام اہم معاملات پر بھی بڑی تفصیل سے روشنی ڈالتی ہیں۔

۲۔ اسلام بچوں کے بالغ ہونے کی عمر کو ہی شادی کی عمر کا آغاز قرار دیتا ہے۔

۳۔ اسلام میں شریک حیات کے انتخاب میں کفائت کا لحاظ رکھنے کے ساتھ ساتھ دین داری اور اخلاق کریمانہ کو زیادہ اہمیت دی گئی ہے۔

۴۔ اسلام میں رشتہ کے سلسلہ میں والدین اور سرپرستوں کی اجازت کے ساتھ لڑکے اور لڑکی کی رضامندی کو ضروری قرار دیا گیا ہے۔

۵۔ منگنی سے قبل لڑکی کو دیکھنے کی اجازت دی گئی ہے۔ جبکہ کسی دوسرے کے پیغام پر پیغام پہنچانے سے منع کیا گیا ہے۔

## فصل دوم: نکاح ومہر کا اسلامی طریقہ کار

### مبحث اوّل: نکاح اور اسلام

انسان کی فطرت ہے کہ وہ خاندان بنا کر رہتا ہے۔انسانی سماج،معاشرہ بلکہ ریاست انہی خاندانوں کے مجموعے کا نام ہے اور ان کی بقاوترقی کا انحصار خاندان کی بقااورترقی پر ہے۔ہمارا دین ہم انسانوں کواسی فطرت پر قائم رکھنا چاہتا ہے جس پر ہمیں اللہ تعالیٰ نے پیدا کیا ہے۔چنانچہ نبی کریم ﷺ کے ارشادات ایک طرف اسی مصلحت پر مبنی ہیں اوردوسری طرف اس پاکیزگی کوقائم رکھنے کا ذریعہ ہیں۔

یعنی نکاح ایک ضابطہ ہے اور یہ ضابطہ صرف ظاہری مصالح ہی کی بنیاد پر مطلوب نہیں ہے۔اس سے نفس انسانی کی پاکیزگی بھی وابستہ ہے۔چنانچہ اس کیلئے کسی ایسے طریقہ کار کی سفارش نہیں کی جاسکتی جواس پاکیزگی کو پامال کردے۔[۱]

اسی سبب سے اللہ کے نبیوں نے نکاح کوایک معاشرتی تقریب کی صورت دی۔ایک سادہ سا طریقہ نکاح جو دولہا دلہن کے اعزہ واقربا کی موجودگی میں ان کے ایجاب وقبول پر مشتمل ہے۔اس تقریب سے پہلے رشتہ قائم کرنے میں بھی یہ روایت قائم کی گئی کہ دولہا ، دلہن کے بزرگ اس میں اصل کردار ادا کریں۔اس سارے عمل نے دوافراد کے مابین وجود میں آنے والے جسمانی تعلق کو پاکیزہ معاشرتی تقریب کی صورت دے دی۔یہ طریقہ کار نہ صرف انسان کے شرم وحیا کے فطری جذبے کوقائم رکھتا ہے بلکہ اس کے نتیجے میں سے وجود میں آنے والے گھر کووہ سماجی تائید میسر آتی ہے جواس کے فروغ وبقا کیلئے ضروری ہے۔انبیاء کا فطرت کی بنیادوں پر اٹھایا ہوا سماج مردکوگھر کا ذمہ داراورکفیل قرار دیتا ہے۔چنانچہ مہر کے تقرراورادائیگی کونکاح کا حصہ بنادیا گیا تاکہ مرد اپنی ازدواجی زندگی کا آغاز ہی ذمہ داری کونبھانے کے اسلوب سے کرے۔[۲]

### نکاح اور آج کے دور کی رسومات:

آج کے دور میں شادی بیاہ کی رسومات ربڑ کی طرح کھنچتی چلی جارہی ہیں۔دعوتوں پر دعوتیں ہورہی ہیں۔رشتہ طے کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے،شادی کی تاریخ لینے گئے ہیں تو دعوت ہے۔نکاح کرنے گئے ہیں تو دعوت ہے پھر ولیمہ ہے بیٹی والے پس رہے ہیں۔نامعلوم کتنی تقریبات ہیں کہ جن میں نہ صرف پیسے بلکہ لوگوں کے اوقات کا بھی ضیاع ہورہا ہے۔اگر دعوت کریں اورکوئی عزیز یا دوست اس میں شریک نہ ہوسکے تو اُس سے شکایت کی جاتی ہے۔پھر بعض اوقات دسترخوان بھی مقررہ وقت پر نہیں کھولے جاتے کہ ابھی فلاں صاحب نہیں آئے وغیرہ۔

غرض یہ کہ ہمارے موجودہ معاشرتی ڈھانچے نے نکاح کو بہت مشکل بناڈالا ہے۔نکاح کے بابرکت معاہدے پر ہم نے نامتناہی رسموں،تقریبات اور فضول اخراجات کا ایسا بوجھ لاد رکھا ہے کہ ایک غریب بلکہ متوسط آمدنی والے شخص کیلئے بھی وہ ایک ناقابلِ عبور پہاڑ بن کررہ گیا ہے اورکوئی شخص اس وقت تک نکاح کا تصور نہیں کرسکتا جب تک اس کے پاس (گری سے گری حالت میں بھی) لاکھ دو لاکھ روپے موجود نہ ہوں یہ لاکھ دو لاکھ نکاح کی حقیقی ذمہ داریاں پوری کرنے کیلئے نہیں بلکہ صرف فضول رسموں کا پیٹ بھرنے کیلئے درکار

---

۱۔ ماہنامہ اشراق،(مئی ۱۹۹۷ء)ج:۹،شمارہ۵،ص:۶

۲۔ ایضاً،ص:۶،۷

ہیں۔ جنہیں خرچ کرنے سے زندگی کی حقیقی ضروریات پوری کرنے میں کوئی مدد نہیں ملتی۔ شریعت کی رو سے نکاح کے موقع پر لے دے کر صرف ایک دعوت ولیمہ مسنون تھی اور وہ بھی ہر شخص کی استطاعت کے مطابق۔ لیکن اب تقریبات اور دعوتوں کا سلسلہ روز بروز بڑھتا ہی جا رہا ہے۔ منگنی کی تقریب ایک مستقل شادی کی حیثیت اختیار کرتی جا رہی ہے اور عین نکاح کے موقع پر مہندی ابٹن سے لے کر چوتھی ''بھوڑے''* تک تقریباً ہر روز کسی نہ کسی تقریب کا اہتمام لازمی سمجھ لیا گیا ہے جس کے بغیر شادی کا تصور نہیں کیا جا سکتا۔ پھر تقریبات میں بھی زمانے کی ترقی کے ساتھ ساتھ نت نئے اخراجات کا اضافہ ہو رہا ہے۔ نئے نئے مطالبات سامنے آ رہے ہیں۔ نئی نئی رسمیں وجود میں آ رہی ہیں۔ غرض فضولیات کا ایک ''طومار''** ہے جس نے شادی کو خاص طور پر غریب اور متوسط آدمی کیلئے ایک ایسی ذمہ داری میں تبدیل کر دیا ہے۔ جو عام طور پر صرف حلال آمدنی سے پوری نہیں ہو سکتی۔ لہٰذا اسے پورا کرنے کے لئے کہیں نہ کہیں ناجائز ذرائع کا سہارا لینا پڑتا ہے اور اس طرح نکاح کا یہ کارِ خیر نہ جانے کتنی بدعنوانیوں اور کتنے گناہوں کا ملغوبہ بن کر رہ جاتا ہے اور جس نکاح کا آغاز بدعنوانی یا گناہ سے ہو اس میں خیر و برکت کہاں سے آئے گی۔[۱]

## اسلام میں نکاح کا انعقاد:

اسلامی تعلیمات کے مطابق نکاح کا فریضہ سرانجام دینا انتہائی آسان ہے اگر مرد و عورت بیٹھ کر ایجاب و قبول کریں اور دو گواہ اس مجلس میں موجود ہوں یا تو دو مرد گواہ ہوں یا ایک مرد اور دو عورتیں بطور گواہ موجود ہوں تو بس نکاح ہو گیا اور وہ دونوں ایک دوسرے کیلئے حلال ہو گئے۔ اللہ تعالیٰ نے اس فریضہ کی انجام دہی اتنی سہل بنا دی ہے تا کہ انسان کی جو فطری خواہش ہے۔ اس کو پورا کرنے کا جائز راستہ اتنا آسان ہو جائے کہ اس میں کوئی دشواری نہ ہو۔ نکاح کیلئے نہ منگنی شرط ہے نہ مہندی شرط ہے نہ تقریب شرط ہے نہ اجتماع شرط ہے۔ نہ کسی کو بلانا شرط ہے۔ چنانچہ ''شادی کو سادی بنایئے'' کے مؤلف مولانا تقی عثمانی کی رائے نقل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

> ''دراصل اسلام نے نکاح کو اتنا سادہ اور آسان بنا دیا ہے کہ جب دونوں فریق راضی ہوں وہ کسی بے جا رکاوٹ کے بغیر یہ رشتہ قائم کر سکیں، شریعت نے یہ شرط بھی نہیں لگائی کہ کوئی قاضی یا عالم ہی نکاح پڑھائے۔ شریعت کی طرف سے شرط صرف اتنی ہے کہ نکاح کی مجلس میں دو گواہ موجود ہوں، اگر دولہا اور دلہن عاقل و بالغ ہوں تو ان میں سے کوئی دوسرے سے کہہ دے کہ میں نے تم سے نکاح کیا یا دوسرا جواب دے دے کہ میں نے قبول کیا۔ بس نکاح ہو گیا۔ نہ اس کیلئے کسی عدالت میں جانے کی ضرورت ہے نہ کسی تقریب کی کوئی شرط ہے نہ دعوت ضروری ہے، نہ جہیز لازمی ہے''[۲]

## مشہور صحابی حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ اور فریضہ نکاح:

حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ مشہور صحابی ہیں اور عشرہ مبشرہ میں سے ہیں یعنی ان دس خوش نصیب صحابہؓ میں سے ہیں جن کے بارے میں حضور ﷺ نے صراحت کے ساتھ خوشخبری دی کہ یہ جنت میں جانے والے ہیں۔ یوں تو تمام صحابہؓ کا حضور ﷺ سے بہت زیادہ تعلق تھا لیکن عشرہ مبشرہ تو وہ دس صحابہ ہیں جو اخص الخواص (سب سے زیادہ اہم) ہیں۔ ان میں سے حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ ہیں۔

---

۱۔ محمد رضوان، مفتی، شادی کو سادی بنایئے، (راولپنڈی: ادارہ غفران، جمادی الاول ۱۴۲۸ھ) ص: ۳۷، ۳۸

* بھوڑا: یعنی واپسی کا کھانا، دلہن کے ساتھ جو کھانا برأت کی واپسی کے وقت بھیجا جاتا ہے (فیروز اللغات ص: ۲۲۹)

** طومار: یعنی دفتر، لمبی کہانی، (فیروز اللغات، ص: ۸۸۶)

۲۔ محمد رضوان، مفتی، شادی کو سادی بنایئے، ص: ۳۶

ان کے نکاح کا واقعہ حدیث میں اس طرح درج ہے کہ:

عن انسؓ قال: رأی النبی ﷺ علی عبدالرحمٰن بن عوف اثر صفرہ فقال (مھیم أو مہ) قال تزوجت امرأۃ علی وزن نواۃ من ذھب فقال بارک اللہ لک اَوْلم ولو بشاۃ[۱]

(حضرت انسؓ سے راویت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوف خدمت اقدس میں حاضر ہوئے۔ حضور ﷺ نے حضرت عبدالرحمٰن (کے کپڑوں) پر زرد نشان دیکھا۔ حضور ﷺ نے اس بارے میں دریافت کیا تو حضرت عبدالرحمٰن نے بتایا کہ انہوں نے ایک گٹھلی سونے پر ایک عورت سے نکاح کیا ہے۔ پس حضور ﷺ نے فرمایا (بارک اللہ) اللہ تمہیں برکت عطا کرے۔ پھر فرمایا، ولیمہ کرو چاہے ایک بکری کے ذریعے ہو)

اس واقعہ سے پتہ چلتا ہے کہ دور رسالت میں نکاح کس قدر سادگی کے ساتھ انجام پاتے تھے کہ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ عشرہ مبشرہ ہیں، حضور ﷺ سے تعلق بھی کس قدر ہے لیکن اپنے نکاح میں حضور ﷺ کو بھی دعوت نہیں دی بلکہ نکاح کے بعد آپ ﷺ کے پوچھنے پر بتایا کہ میں نے نکاح کرلیا ہے اور پھر حضور ﷺ نے بھی شکایتاً یہ نہیں کہا کہ تم نے اکیلے اکیلے نکاح کرلیا ہے اور ہمیں بتایا بھی نہیں لیکن آج کے دور میں اتنی سادگی سے نکاح کرنا محال ہے۔ شکوے اور شکایتوں کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔

## نکاح کا وقت یا تاریخ:

عقد نکاح کے لئے طرفین باہمی رضامندی سے کوئی مناسب دن مقرر کرسکتے ہیں۔ مستحب یہ ہے کہ نکاح کیلئے جمعہ کا دن رکھا جائے۔ البتہ تاریخ اور مہینے کا اختیار ہے کہ جس مہینے کی جونسی تاریخ مقرر کرے ۳، ۱۳، ۲۳، ۸، ۱۸، ۲۸، کو منحوس نہ سمجھا جائے۔ ان تاریخوں میں بھی شادیاں کی جاسکتی ہیں۔ از روئے شرع ان تاریخوں میں کوئی قباحت، نحوست اور برائی نہیں ہے بلکہ ان تاریخوں اور مہینوں کو منحوس سمجھنا کفر ہے۔ شریعت میں ان تاریخوں کے منحوس اور بُری ہونے کی کوئی دلیل نہیں ملتی[۲]

اس طرح کسی بھی وقت نکاح پڑھایا جاسکتا ہے۔ زوال کے وقت، عصر اور مغرب کے درمیان نکاح کرنا، نکاح پڑھانا نہ مکروہ ہے اور نہ حرام ہے جیسا کہ درمختار میں ہے۔

ویندب اعلانہ فی تقدیم خطبۃ و کونہ فی مسجد یوم جمعۃ[۳]

(نکاح کا اعلان کرنا، خطبہ پڑھنا اور نکاح کو مسجد میں جمعہ کے دن کرنا افضل ہے)

یہاں پر جمعہ اپنے مطلق اطلاق کی وجہ سے پورے کو دن کو شامل ہے۔ وقت زوال اور عصر اور مغرب کے درمیان کا وقت بھی یوم جمعہ میں داخل ہے۔ جمعہ کے دن مسجد میں نکاح کرنا افضل اور مستحب ہے۔ اس طرح رات میں بھی نکاح کرنا صحیح ہے۔ کچھ لوگوں کے ہاں مشہور ہے کہ رات کو نکاح صحیح نہیں ہوتا غلط ہے بلکہ شیخ عبدالقادر جیلانیؒ فرماتے ہیں کہ نکاح رات کے وقت کرنا زیادہ افضل ہے[۴] اس طرح محرم، ذیقعدہ یا کوئی بھی مہینہ ہو ہر مہینہ میں نکاح درست اور جائز ہے۔

---

۱۔ البخاری، الجامع الصحیح، کتاب الدعوات، باب الدعاء للمتزوج حدیث نمبر ۶۰۲۳، ص: ۲۳۴۶/۵

۲۔ قاسمی، مولانا علی احمد، شادی اور شریعت، ص: ۱۴۱

۳۔ ابن عابدین، الدر المختار، (بیروت، دار الفکر)، ص: ۸/۳

۴۔ جیلانی، شیخ عبدالقادر، غنیۃ الطالبین، (مترجم) مولانا الحاج کرم بخش (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران، ۲۰۰۳ء)، ص: ۹۰

### اعلان نکاح:

نکاح دو انسانی جسموں مرد اور عورت کے ملاپ اور ان کے صنفی پاکیزہ تعلقات کے واضح اعلان کا نام ہے کہ مرد اور عورت کا یہ جنسی تعلق دزدیدہ اور چوری چھپے نہیں ہے اور ان سے پیدا ہونے والی اولادیں صحیح النسب، نجیب اور شریف النسل ہوں گی۔ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ نکاح چوری چھپے نہیں بلکہ علی الاعلان ہے۔ چنانچہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا:

عن عائشة قالت : قال رسول ﷺ اِعْلِنُوا هٰذَا النکاح واجعلوه فی المساجد[1]

(حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: نکاح کا اعلان عام کیا کرو اور اسے مسجدوں میں منعقد کیا کرو)

اعلان نکاح کا مقصد یہ ہے کہ سب کو اس بات کا پتہ چل جائے کہ فلاں مرد اور عورت کا یہ رشتہ ازدواج چوری چھپے نہیں بلکہ بطریق نکاح علی الاعلان ہو رہا ہے۔ کیوں کہ خفیہ نکاح کر لینا یا چوری چھپے رشتہ ازدواج بنا لینا جائز نہیں۔ نکاح کیلئے ولی اور دو گواہوں کی موجودگی کا ہونا ضروری ہے۔ نبی پاک ﷺ کی ایک حدیث ہے:

لَانکاح الاّ بولیّ وشاهدی عدل[2]

(وہ نکاح جائز نہیں ہوتا جو بغیر ولی اور دو گواہوں کی موجودگی کے ہو)

حضرت عمرؓ کے پاس ایک مرتبہ اس قسم کے نکاح کا معاملہ لایا گیا جس میں صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے تو آپؓ نے اس کو نا جائز قرار دیا۔ کتب احادیث میں یہ واقعہ یوں ذکر کیا گیا ہے:

عن ابی زبیر المکی أن عمرؓ بن الخطاب : أُتی برجل فی نکاح لم یشهد علیه إلّا رجل وامراۃٌفقال هذا نکاح السرّ ولانجیزہ، ولوکنت تقدمت فیه لرجمت[3]

(ابی زبیر مکی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کے پاس ایک ایسے نکاح کا معاملہ لایا گیا جس میں صرف ایک مرد اور ایک عورت گواہ تھے آپؓ نے فرمایا: یہ خفیہ نکاح ہے اور میں اسے جائز قرار نہیں دیتا اور اگر میں اس میں شریک ہوتا تو رجم کر دیتا)۔

### اسلام میں بارات کا تصور:

آج کل شادیوں میں باراتیں دُھوم دھام سے روانہ ہوتی ہیں اور پھر تمام باراتی لڑکی کے گھر کھانا کھاتے ہیں۔ بہت کم گھرانوں میں صرف چائے یا دوسرے لوازمات پیش کئے جاتے ہیں۔ اکثر گھرانوں میں باراتیوں کی دعوت میں کوئی کسر اٹھا نہیں رکھی جاتی اور ہر طرح سے ان کی آؤ بھگت کی جاتی ہے۔ انواع واقسام کے کھانے تیار کئے جاتے ہیں۔ اور ''ناک رہ جانے'' کی وجہ سے قرض اٹھانے سے بھی گریز نہیں کیا جاتا اور سماج میں بارات، مسرت وشادمانی اور خوشیاں منانے کا بہترین ذریعہ بن گیا ہے۔ جس میں ہر طبقہ کا فرد تعلیم یافتہ ہو یا ان پڑھ، چھوٹے، بڑے سبھی دلچسپی لے رہے ہیں اور بارات میں اپنی شرکت کو بہت بڑا فخر سمجھتے ہیں۔ بار بار کہیں منع کریں وہ ضرور جانے کی کوشش کریں گے۔ اس طرح سے باراتیوں کی ایک اچھی خاصی بھیڑ جمع ہو جاتی ہے جو لڑکی والوں پر بہت معلوم

---

۱۔ الترمذی، سنن الترمذی، کتاب النکاح، باب اعلان النکاح، حدیث نمبر:۱۰۸۹، ص:۳/۳۹۸

۲۔ الدارقطنی، علی بن عمر ابوالحسن، سنن الدارقطنی، (بیروت، دارالمعرفة، ۱۳۸۶ھ۔۱۹۶۶م)، کتاب النکاح، حدیث نمبر:۲۲۷، ص:۳/۲۲۲

۳۔ مالک بن انس، الموطأ (مؤسسة زاید بن سلطان آل نهیان، الطبعة الاولیٰ، ۱۴۲۵ھ......۲۰۰۴م) باب جامع ما لا یجوز من النکاح، حدیث نمبر:۱۹۶۰، ص:۳/۷۶۷

ہوتی ہے۔شریعت میں کثیر التعداد بارات کا کوئی تصور نہیں۔کیوں کہ خرچ کا ذمہ دار مرد کو ٹھہرایا گیا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے

وَ بِمَآ اَنْفَقُوْا مِنْ اَمْوَالِهِمْ ؕ[1]

(اور اس سبب سے کہ مردوں نے اپنے مال خرچ کیے ہیں)

مولانا علی احمد قاسمی لکھتے ہیں:

شرعی نقطہ نگاہ سے بارات کی کوئی حیثیت نہیں ہے۔حضرات صحابہ کی شادیوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس میں نہ جہیز کا ذکر ہوتا۔نہ فرمائشات و مطالبات اور بارات کا سوال اور نہ کسی طرح کے رسم و رواج کا اہتمام ہوتا۔صرف محلّہ کے چند لوگ جمع ہو جاتے اور نکاح منعقد ہو جاتا[2]

ڈاکٹر اسرار احمد بارات کو ایک لعنت قرار دیتے ہیں"۔۔۔متذکرہ بالا دو باتوں سے تیسرا نتیجہ خود نکل آیا کہ بارات کی لعنت کی نفی ہو گئی۔میں کس دھڑلے سے اسے لعنت کہہ رہا ہوں۔یہ وہ شئے ہے جس کا ذکر نہ قرآن میں ہے اور نہ احادیث میں بلکہ عربی میں بارات کا مفہوم ادا کرنے کیلئے کوئی لفظ ہی نہیں!۔۔۔صحیح طریقہ تو یہ ہے کہ نکاح مسجد میں ہو جس کیلئے لڑکے والے اور لڑکی والے وہیں جمع ہوں اور اس کے بعد اپنے اپنے گھروں کو جائیں"[3]

اس دور میں لوگ اپنے بچوں دوستوں اور عزیزوں کی صرف شادیاں ہی نہیں رچاتے ،صرف باراتیں ہی نہیں لے جاتے بلکہ اپنے اپنے دلوں کا بھرپور ارمان پورا کرتے ہیں۔بچوں،عزیزوں اور دوستوں کا دل رکھتے ہیں۔اور ان کا جی بھرتے ہیں۔ان کا ارمان اور جی بہلانے کو کوئی اور چیز نہیں بلکہ یہی رقص و سرور اور ناچ گانے کی محفلیں جمانا،ناچنا،ڈانس کرنا اور کرانا ہے۔حالانکہ یہ ممنوعات بارات اور ساری خرافاتی چیزیں اسلامی شان کے قطعاً خلاف ہیں۔مگر پھر بھی اس پر اڑے رہنا اور یہ کہنا کہ آخر کیا فرق پڑتا ہے۔بار بار کہاں اس کا وقت آتا ہے اور گناہوں کی طرح ایک گناہ اور سہی تو یہ نہایت ہی نیچ پن،ہٹ دھرمی،شریعت محمدی ﷺ پر ظلم ور رسول اللہ ﷺ کے فرمان کو ٹھکرا دینا ہے۔آپ ﷺ کا ارشاد پاک ہے :

حدثنی ابو عامر:سمع النبی ﷺ یقول :لیکونن من امتی اقوام یستحلون الحز والحریر والخمر والمعازف[4]

(ابو عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے نبی کریم ﷺ کو یہ کہتے ہوئے سنا کہ میری اُمت میں ایک قوم ایسی ہو گی جو خز کو ریشم کو شراب کو اور گانے باجوں کو حلال قرار دے گی)

آج یہ پیشن گوئی ظہور میں آ گئی۔مسلمان ریشمی کپڑوں کو باجے سننے اور بجانے کو حلال جاننے میں کوئی تامل نہیں کرتے۔اب تو نوبت یہاں تک پہنچ گئی ہے کہ نقارے،تاشے،مرفے،دائرے،ریانہ،ڈھولک،مجرے،جھانجھنیں،ستار،طنبور،سارنگی،صبھہ،بین رُباب،چنگ ارغنون۔۔۔چکار مچنگ،بانسری،شہنائی،ترئی،فرنائی (ہارمونیم،گراموفون،ریڈیو)وغیرہ باجے بلا تامل بجاتے،بجواتے گاتے،گواتے،سنتے اور سناتے ہیں۔[5]

---

۱۔ النساء:۳۴

۲۔ قاسمی،مولانا علی احمد،شادی اور شریعت،ص: ۱۰۱

۳۔ ماہنامہ میثاق (اپریل ۲۰۰۵ء) ج:۵۴،شمارہ:۴،ص:۲۶

۴۔ بخاری،الجامع الصحیح،باب ماجاء فیمن یستحل الخمر ویسمیہ بغیر اسمہ،نمبر:۵۲۶۸،ص:۲۱۲۳/۵

۵۔ شہید،شاہ اسماعیل،تقویۃ الایمان،ص: ۲۵۴

حضرت نافع، حضرت ابن عمرؓ کا ایک واقعہ یوں بیان کرتے ہیں:

عن نافع قال سمع ابن عمر مز ماراً فوضع صبعیه أذنیه ونأی عن الطریق ثم قال لی یا نافع هل تسمع شیأ فقلت: لا فرفع اصبعیه من اذنیه وقال کنت مع رسول اللّٰہ ﷺ، فسمع مثل هذا، فصنع مثل هذا[1]

(حضرت نافعؒ بیان کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ نے گانوں کی آواز سنی پس اُنہوں نے اپنی انگلیاں اپنے کانوں میں دے لیں اور رستے سے دُور ہٹ گئے۔ پھر مجھ سے کہا اے نافع کیا تم کچھ سُن رہے ہو؟ میں نے کہا نہیں۔ پھر اُنہوں نے اپنی اُنگلیاں کانوں سے ہٹالیں۔ پھر کہا کہ میں رسول ﷺ کے ساتھ تھا۔ آپ ﷺ نے ایسا سُنا تو ایسے ہی کیا)

معلوم ہوا کہ پیغمبر اسلام ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا یہی معمول تھا کہ باجا، گانا سننے سے اسقدر بچتے تھے کہ اگر راہ چلتے ہوئے بھی گانے، باجے کی آواز کان میں پڑ جاتی تو کان بند کر لیا کرتے۔

گانے اور باجوں کے نتائج کیا سامنے آئیں گے۔ نبی کریم ﷺ کی یہ حدیث اس کی وضاحت کرتی ہے:

عن عمران بن حصین: ان رسول اللّٰہ ﷺ قال فی هذه الامة خسف و مسخ اذا ظهرت القیان و المعازف[2]

(عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ رسول اللّٰہ ﷺ نے فرمایا کہ میری اُمت میں جب گانے باجے شروع ہو جائیں گے تو لوگوں کا زمین میں دھنسنا اور چہروں کا مسخ ہونا شروع ہو جائے گا)

## نکاح کے بعد مبارک باد دینا:

اسلام اس چیز کی تعلیم دیتا ہے کہ نکاح کے بعد حاضرینِ مجلس بڑوں، بزرگوں وغیرہ کو چاہیے کہ وہ زوجین کو مبارک باد پیش کریں اور ان دونوں کے مابین محبت، موافقت، مودّت کی دعائیں دیں جیسا کہ اسوۂ حسنہ میں اس کی تعلیمات ملتی ہیں۔ چنانچہ حضرت عائشہؓ کو نکاح کے بعد ان کی ماں ایک کمرے میں لے گئیں۔ وہاں انصار کی کچھ عورتیں موجود تھیں۔ انہوں نے حضرت عائشہؓ کو دیکھ کر کہا:

فقلن علی الخیر و البرکة و علی خیر طائر[3]

(پس انہوں نے کہا کہ تم خیر و برکت اور اچھے نصیب پر ہو)

حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے کہ نبی ﷺ جب کسی شخص کو دیکھتے کہ اُس نے شادی کی ہے تو فرماتے:

بارک اللّٰہ لک و بارک علیک و جمع بینکما فی خیر[4]

(اللہ تعالیٰ تجھے برکت دے اور تجھ پر برکت فرمائے اور آپ دونوں کو خیر میں جمع فرمادے)

## نکاح کے وقت کلمے پڑھوانا:

کچھ لوگ نکاح کے وقت شادی کرنے والے مرد اور عورت اور لڑکے لڑکی سے ایمان مجمل و مفصل اور چھ کلمے پڑھواتے ہیں۔

---

۱۔ سنن ابی داؤد، باب کراہیۃ الغناء والزمر حدیث نمبر ۴۹۲۶، ص: ۴/۳۴۳

۲۔ الترمذی، الجامع سنن الترمذی، باب علامة حلول المسخ والخسف حدیث نمبر ۲۲۱۲، ص: ۴/۴۹۵

۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب تزویج النبی حدیث نمبر ۳۶۸۰، ص: ۳/۱۴۱۴

۴۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان، سنن ابی داؤد، باب مایقال للتزوج، حدیث نمبر ۲۸۳۲، ص: ۲/۲۰۷

حالانکہ ایسا مسنون نہیں ہے اور نہ ہی فرض و واجب ہے اور نہ مستحب ہے اور نہ ہی شریعت میں اس کی کوئی دلیل، نہ نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی شادیوں سے نکاح کے وقت نوشہ اور لڑکی سے اِن کے پڑھوائے جانے کا کوئی ثبوت ملتا ہے۔

مفتی عزیز الرحمٰن فرماتے ہیں:

''صحیفہ ایمان اور کلموں کا پڑھوانا اس وقت انعقاد نکاح کیلئے شرط نہیں۔ بدوں پڑھائے بھی نکاح منعقد ہو جاتا ہے۔ اور سنت طریقۂ نکاح یہ ہے کہ اول خطبہ مسنونہ پڑھا جائے اور پھر ایجاب وقبول مجلس نکاح میں کرایا جائے اور کم از کم دو گواہ سننے والے ایجاب وقبول کے وقت موجود ہوں'' [1]

## نکاح کے وقت مرد کا سونے کی انگوٹھی، ریشم کا لباس وغیرہ پہننا:

شریعت نے مردوں کو سونے کا استعمال، ریشم کے کپڑوں اور اس طرح پیلے رنگ کے ہر طرح کے کپڑوں کا استعمال، خواہ سوتی ہی کپڑا پیلا کیوں نہ ہو حرام قرار دیا ہے۔ حالانکہ آج کل عام طور نکاح کے وقت سونے کی انگوٹھی دولہا کو پہنائی جارہی ہوتی ہے اور بعض مقامات میں ریشم کا کرتا، شیروانی وغیرہ دولہا کے زیب تن ہو رہا ہے حالانکہ یہ سب چیزیں حرام ہیں اور صرف عورتوں کیلئے یہ سب چیزیں شرعی دائرے تک حلال و جائز ہیں۔

چنانچہ حضرت علیؓ کا ارشاد ہے کہ:

عن علی بن ابی طالب قال: نهى رسول الله ﷺ عن التختم بالذهب و عن لباس القسي .... و عن لباس المعصفر [2]

(حضرت علیؓ بن ابی طالب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھے سونے کی انگوٹھی، ریشم کا لباس اور زرد رنگ کے کپڑے پہننے سے منع فرمایا ہے)

معلوم یہ ہوا کہ مردوں کیلئے سونا، ریشم وغیرہ کا استعمال تھوڑی دیر کے لئے بھی جائز نہیں۔ شادی و نکاح تو چونکہ سنت نبوی ﷺ کا بجالانا ہے۔ اس لئے اس سنت مبارکہ کی انجام دہی میں ایسے طریقے اختیار کرنا جو کہ نبی ﷺ نے منع فرمائے ہیں۔ شریعت کے ایک حصے کو ماننے اور ایک حصے سے انکار کردینے کے مترادف ہے۔

---

۱۔ عزیز الرحمٰن، مولانا، مفتی، فتاویٰ دار العلوم دیو بند (کراچی: دار الاشاعت، ۲۰۰۱ء)، ص: ۷/۵۳

۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب النهی عن لبس الرجل الثوب، حدیث نمبر: ۵۵۶۰، ص: ۶/۱۴۴

## مبحث دوم: مہر کی نوعیت اور اس کے احکام

ہر مسلمان مرد کو اجازت دی گئی ہے کہ وہ جس عورت کو پسند کرے۔اس کو با قاعدہ نکاح کرنے کیلئے پیغام بھیجے۔اس پیغام کی قبولیت کے بعد با قاعدہ ایک مخصوص مہر کے عوض اُس کو اپنی زوجیت میں لائے۔عورت کا کسی مرد کے ساتھ ازدواجی زندگی میں منسلک ہونا اس کی زندگی بھر کے تعلق کا معاملہ ہوتا ہے۔عورت جب خود کو حلقہ زوجیت میں باندھتی ہے تو وہ اپنے شوہر کو اپنا سب کچھ دینے کا حق دے دیتی ہے۔وہ خود کو مرد کی عائد کرہ تمام پابندیوں میں جکڑ لینے کا وعدہ کرتی ہے۔وہ ایک مخصوص فرد کی فرمانبرداری کرتے ہوئے اپنی تمام تر مصروفیات اور توجہات اس کی طرف مرکوز کر لیتی ہے۔اس کی ذاتی مفادات اس کے مرد کے مفادات میں تبدیل ہوجاتے ہیں۔اس کی بسر اوقات ایک مخصوص فرد کے ساتھ وابستہ ہو کر رہ جاتی ہے۔اس لئے مہر کو شریعت نے ازدواجی مسئلہ کا اہم جزو قرار دیا ہے اور اسے عورت کے حقوق کی نگرانی اور اس کی عزت افزائی کیلئے مقرر کیا ہے اور ادائیگی واجب قرار دی ہے۔خواہ نکاح کے وقت مہر مقرر کیا گیا ہو یا نہ کیا گیا ہو ہر حال میں شوہر کو اپنی حیثیت، اپنی وسعت اور اپنی بیوی کے معیار زندگی کے مطابق مہر دینا لازمی ہے۔

### مہر کی تعریف:

مہر اس رقم کو (مالی منفعت) کہتے ہیں جو عورت مرد سے نکاح کے وقت پانے کی مستحق ہوتی ہے۔

فقہ مذاہب الاربعہ میں اس کی تعریف یوں کی گئی ہے:

المهر: فهو اسم المال الذى يحب للمراة فى عقد النكاح فى مقابلة الاستمتاع بها ١

(مہر اُس مال کا نام ہے جو مرد کی طرف سے عورت کو نکاح کے وقت اس سے استمتاع کے عوض ملتا ہے)

السید سابق المہر کے بارے میں یوں رقمطراز ہیں:

المهر من حسن رعاية الاسلام المراة و احترامه لها، ان اعطاها حقها فى التملک اذ كانت فى الجاهلية مخضومة الجناح حتى ان وليها كان يتعرف فى خالص مالها، لا يدع لها فرصة التملك ولا يمكنها التعرف.

مكان ان رفع الاسلام عنها هذا الامر و جعله حقاًعلى الرجل لها، وليس لابيها، ولا لاقرب الناس اليها ان ياخذ شيأ من ها الافى حال الرضا ولا خيتار ٢

(مہر اسلام میں عورت کو دی گئی ایک بہترین رعایت ہے اور عورت کا دیا گیا احترام ہے جب کہ عورت زمانہ جہالیت میں خیر خواہی سے خالی تھی یہاں تک کہ عورت کا ولی اس کے خالص مال میں بھی تصرف کرتا تھا۔عورت کے لیے ملک کی فرصت نہیں چھوڑتا تھا اور عورت کو تصرف کرنا ممکن نہ تھا)

گویا اسلام نے عورت سے اس حکم کو اٹھا لیا اور اس کے لیے مہر مقرر کیا اور مرد پر مہر کو عورت کے حق کے طور پر رکھا

---

۱۔ الجزیزی، عبدالرحمٰن، الفقہ علی مذاہب الاربعہ، ج:۲، ص:۹۸

۲۔ السید السابق، فقہ السنہ، جز:۲، ص:۱۶۲

اور عورت کے والد اور قریب ترین لوگوں کو کچھ جائز نہیں ہے کہ اس میں سے کوئی چیز لے مگر اس صورت میں جب عورت راضی ہو اور اپنے اختیار سے اُسے دے)

## مہر کے مختلف نام:

مہر کے اس کے علاوہ بھی کئی نام ہیں۔المغنی میں اس کے نو نام گنوائے گئے ہیں [1]

جبکہ الفقہ الاسلامی وأدلتہ میں اس کے مندرجہ ذیل دس نام مذکور ہیں:

وله اسماعشرة، مهر، وصداق أوصدقة، و نحلة، وأجر، و فريضة ، وحباءٌ، و عقرٌ وعلائق و طول، و نكاح [2]

## مہر قرآن کی روشنی میں:

مہر میں مال کا تصور بنیادی حیثیت رکھتا ہے۔کیوں کہ مہر سے اصل مقصود مال ہے،قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ اُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ [3]

(حلال کی گئی ہیں تمہارے لئے ان کے سوا (محرمات کے سوا) سب ہی عورتیں کہ تم انکو اپنے مالوں کے بدلے چاہ سکتے ہو،نکاح کر سکتے ہو)

قرآن مجید میں بھی مہر کے لئے مختلف الفاظ (نام) موجود ہیں۔

۱۔ قرآن مجید مہر کو اجر قرار دیتا ہے۔ارشاد ہوتا ہے:

فَمَا اسْتَمْتَعْتُمْ بِهٖ مِنْهُنَّ فَاٰتُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ فَرِيْضَةً [4]

(پھر ان میں سے جن عورتوں سے تم نے فائدہ اُٹھایا،انہیں اُن کا اجر (مہر) دو)

اس آیت کریمہ سے یہ بات سامنے آرہی ہے کہ مرد نکاح کے ذریعے عورت سے جو فائدہ اُٹھاتا ہے مہر اس کا صلہ یا بدلہ ہے۔

۲۔ دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَا اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ [5]

(ان عورتوں کو (جو کافر شوہروں کو چھوڑ کر آگئیں) ان کے مہر دے کر نکاح کر لینے میں تم پر کوئی گناہ نہیں)

۳۔ قرآن مجید میں مہر کا نام "طول" یوں استعمال ہوا ہے:

وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ مِنْكُمْ طَوْلًا [6]

(اور جو شخص تم میں پوری مقدرت اور گنجائش نہ رکھتا ہو)

---

۱۔ ابنِ قدامہ،المغنی،(مکتبہ الریاض الحدیث الریاض)،ج:۱۰،ص:۲۷۹

۲۔ وھبۃ الزحیلی،الفقہ الاسلامی وادلتہ،(سوریۃ،دمشق:دار الفکر)،ص:۹/۲۳۷

۳۔ النساء:۲۴

۴۔ ایضاً

۵۔ الممتحنہ:۱۰

۶۔ النساء: ۲۵

لفظ نکاح کو مہر کے معنوں میں یوں لیا گیا ہے:

وَلْيَسْتَعْفِفِ الَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ نِكَاحاً [1]

(اور ایسے لوگوں کو جن کو نکاح کا مقدور نہیں)

قرآن مجید میں اس کیلئے لفظ صدقہ بھی استعمال ہوا ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

وَاٰتُو النِّسَآءَ صَدُقٰتِهِنَّ نِحْلَةً [2]

(عورتوں کو ان کے مہر خوشدلی سے دو)

صدقہ کا لفظ 'صدق' سے ہے۔صدق کا لفظ عربی میں بہت وسیع معنوں میں استعمال ہوتا ہے۔اس کے مفہوم میں اخلاص، محبت، دوستی، آدمی کا بات کا پکا ہونا۔کسی سے جو حسن ظن ہوا اس پر پورا اُترنا۔آزمائش کے وقت سچا ثابت ہونا وغیرہ۔سب اس میں شامل ہے [3]

تحقیقات اسلامی میں ہے:

حقیقت یہ ہے کہ مہر شوہر کے خلوص اور محبت کی علامت ہے۔اسے بیوی کی قیمت قرار دینا اس کے خلوص کی توہین ہے مہر کے ذریعے شوہر یہ ثابت کرتا ہے کہ عورت نے اس کے ساتھ جو حسن ظن قائم کیا ہے۔اس پر وہ پورا اُترے گا اور اسے دھوکا اور فریب نہیں دے گا [4]

## مہر ایک عطیہ:

مہر کے ذکر میں بیان کی گئی آیت میں ''نحلہ'' کا لفظ بھی استعمال ہوا ہے۔جو اس جذبہ اور کیفیت کو زیادہ بہتر طریقے سے واضح کرتا ہے۔جو مہر کی ادائیگی کے سلسلہ میں ہونا چاہیے۔یہاں ''نحلہ'' کے تین مفہوم بیان کئے گئے ہیں۔لغت کے لحاظ سے تینوں مفہوموں کی گنجائش ہے:

۱۔ دین و مذہب یعنی عورتوں کو اُن کے مہر ادا کرو۔اس کا ادا کرنا شرعاً اور قانوناً تم پر فرض ہے۔

۲۔ خوشدلی سے ادا کرنا، مطلب یہ کہ عورت کے مطالبے اور اصرار کے بغیر اس کا مہر بخوشی ادا کیا جائے۔اس میں ٹال مٹول نہ کی جائے۔اس لئے کہ جو چیز ٹال مٹول، بحث وتکرار اور لڑائی جھگڑے کے بعد دی جائے اُسے نحلہ نہیں کہا جاتا۔

## عطیہ دینا:

۳۔ مہر عطیہ اس معنی میں ہے کہ شوہر اس کے عوض عورت سے کچھ نہیں لیتا۔باقی رہا ازدواجی زندگی کا فائدہ تو مرد جس طرح یہ فائدہ اٹھاتا ہے۔اس طرح عورت بھی یہ فائدہ حاصل کرتی ہے [5]

## مہر کی ادائیگی حدیث کی روشنی میں:

حضور ﷺ نے اپنی احادیث اور سنت میں جابجا مہر کی ادائیگی کے احکامات دیئے ہیں اور اس کی ادائیگی کو ضروری قرار دیا ہے۔

---

۱۔ النور:۳۳

۲۔ النساء:۴

۳۔ ابنِ منظور،لسان العرب،بذیل مادہ

۴۔ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی،(علی گڑھ:جنوری۔مارچ ۱۹۸۶ء)ج:۴،شمارہ:۱،ص:۸۰

۵۔ ایضاً

من عقبہ بن عامرؓ ، قال رسول اللہ ﷺ ان احق الشرط ان یوفی بہ ما استحللتم بہ الفروج ۱

(حضرت عقبہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا۔جن شرطوں کو پورا کیا جانا تمہارے لئے ضروری ہے۔ان میں سے سب سے اہم شرط وہ ہے جس کے ذریعے تم نے شرم گاہوں کو حلال کیا)

مظاہر حق جدید میں اس حدیث کی تشریح یوں کی گئی ہے:

سب سے اہم شرط سے مراد بیوی کا مہر ہے یا پھر بیوی کے وہ تمام حقوق مراد ہیں جو شوہر کے ذمہ ہوتے ہیں۔ حدیث کا حاصل یہ ہے کہ تم اپنی بیوی کے مہر ادا کرو۔ان کے کھانے پینے کا خرچ ان کو دو۔انہیں رہنے کیلئے مکان دو۔ وران کی دیگر ضروریات زندگی اپنی استطاعت کے مطابق پوری کرو اور صرف یہی نہیں بلکہ ان کے ساتھ اپنی زندگی اس حسن سلوک میں جو ... محبت ... سے گزارو جو ایک باوقار اور شریف انسان کی شان کے عین مطابق ہے ۲

صہیبؓ سے مروی ایک حدیث یوں ہے:

عن صہیبؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ من تزوج امرأۃ بصداق لا یرید ان یؤدیہ جاء القیامۃ زانیۃ ۳

(حضرت صہیبؓ سے روایت ہے کہ سرکار دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا اور مہر ادا کرنے کا ارادہ نہیں کیا تو وہ قیامت کے روز زنا کی حالت میں ہوگا)

## مہر کی مقدار:

شریعت نے مہر کی مقدار متعین نہیں کی ہے بلکہ اس کو زوجین کے معاشی وسماجی حالات ،ان کی خاندانی روایات یا باہمی تعلقات اور آپس کے اعتماد پر چھوڑ دیا ہے۔وہ چاہیں تو کم سے کم مہر بھی رکھ سکتے ہیں اور اس کی بھی انہیں اجازت ہے کہ وہ اپنے حالات کے تحت زیادہ سے زیادہ مہر کر لیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَاِنْ اَرَدْتُّمُ اسْتِبْدَالَ زَوْجٍ مَّكَانَ زَوْجٍ وَّ اٰتَيْتُمْ اِحْدٰهُنَّ قِنْطَارًا فَلَا تَاْخُذُوْا مِنْهُ شَيْـًٔا اَتَاْخُذُوْنَهٗ بُهْتَانًا وَّاِثْمًا مُّبِيْنًا ۴

(اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہتے ہو اور تم نے ان میں سے کسی کو بہت سا مال دے دیا ہے تو اس میں سے کچھ بھی واپس نہ لو۔کیا تم اس کو لوگے کہ وہ تمہارے لئے ناحق اور صریح گناہ ہوگا)

روایات میں آتا ہے کہ حضرت عمرؓ نے اپنے ایک خطبہ میں مہر کی زیادتی سے منع فرمایا اور چار سو درہم اس کی آخری حد مقرر کرنا چاہی تو ایک عورت نے برسر منبر انہیں ٹوکا کہ آپ کو اس فیصلہ کا حق نہیں ہے۔اسلئے کہ یہ قرآن مجید کے خلاف ہے۔پھر اس نے اس آیت کا حوالہ دیا۔یہ سن کر حضرت عمرؓ نے فرمایا۔

امراۃ اصابت و رجل اخطا ۵

---

۱۔ القزوینی، محمد بن یزید، ابوعبداللہ، سنن ابن ماجہ، (بیروت: دارلفکر)، باب الشرط فی النکاح حدیث نمبر: ۱۹۵۴، ص: ۱/ ۶۲۸

۲۔ دہلوی، محمد قطب الدین، خان، مظاہر حق جدید (کراچی: دارالاشاعت شکیل پریس، مارچ ۲۰۰۲ء) ج: ۳، ص: ۲۹۹

۳۔ علاؤالدین، علی بن المتقی حسام الدین، کنز العمال، باب الفصل الثالث الصداق، حدیث نمبر: ۴۴۷۲۶، ص: ۱۶/ ۳۲۳

۴۔ النساء: ۲۰

۵۔ ابن حجر: فتح الباری، باب قول اللہ تعالیٰ و آتو النساء صدقاتھن، ج: ۹، ص: ۲۰۴

احادیث مبارکہ میں بھی زیادہ مہر مقرر کرنے سے منع تو نہیں کیا گیا البتہ اس بات کی ترغیب دی ہے کہ مہر کی مقدار کم رکھی جائے۔ایک حدیث مبارکہ یوں ہے:

عن عائشةان رسول اللہ ﷺ قال: ان اعظم النكاح بركة ايسره مؤنة [1]

(حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: سب سے زیادہ برکت والا نکاح وہ ہے جس کا بوجھ ہلکا ہو)

اس طرح ایک اور حدیث میں ارشاد ہوتا ہے:

عن عقبه بن عامرؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ خير الصداق أليسره [2]

(حضرت عقبہ بن عامرؓ سے مروی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: بہترین حق مہر وہ ہے جسے ادا کرنا انتہائی آسان ہو)

اس طرح جیسا کہ پہلے ذکر کیا گیا کہ شریعت نے مہر کی قلیل اور کثیر مقدار میں کوئی پابندی نہیں لگائی اور اسے مرد کا ذاتی معاملہ قرار دیا ہے۔حدیث میں اس کی وضاحت یوں ملتی ہے:

عن ابی سعید خدریؓ قال: قال رسول اللہ ﷺ على الرجل لا جناح ان يتزوج بقليل او كثير من ماله اذا تراضوا و اشهدوا [3]

(حضرت ابی سعید خدری رسول اللہ ﷺ کہ آدمی پر کوئی حرج نہیں ہے کہ وہ اپنے مال میں سے تھوڑے یا زیادہ کے ذریعے شادی کرے جب راضی ہو جائیں اور گواہ بنالیا کرو)

یہ ایک تاریخی واقعہ ہے کہ دور رسالت میں مہر کی مقدار کم رکھی جاتی تھی۔ چنانچہ حضرت ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں۔

عن ابی ہریرہؓ قال: كان الصداق إذ كان فينا رسول الله ﷺ عشر اواق [4]

(ابو ہریرہؓ کہتے ہیں کہ جب تک نبی ﷺ ہم میں موجود تھے، ہم لوگوں کا مہر دس اوقیہ (یعنی چار سو درہم ہوا کرتا تھا)

صحیح مسلم میں ایک حدیث میں نبی کریم ﷺ کی ازواج مطہرات کے مہر کا ذکر ہے۔

عن ابی سلمه بن عبدالرحمنؓ انهٗ قال سالت عائشة زوج النبی ﷺ. كم كان صداق رسول الله ﷺ قالت كان صداقة لازواجه اثنتی عشرة اوقية و نشاء. قالت اتدرى ماالنش قال قلت لا. قالت نصف اوقيه فتلك خمسمائه درهم. فهذا صداق رسول الله ﷺ لا زواجه [5]

(ابی سلمہ بن عبدالرحمنؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عائشہؓ زوجہ نبی کریم ﷺ سے پوچھا کہ رسول اللہ ﷺ نے کتنا مہر دیا تھا۔عائشہؓ نے کہا آپ ﷺ کی ازواج کا مہر بارہ اوقیہ اور ایک نش تھا۔عائشہؓ نے کہا کہ کیا تمہیں معلوم کہ النش کیا ہے (راوی) کہتے ہیں کہ میں نے کہا نہیں۔حضرت عائشہؓ نے کہا نصف اوقیہ۔پس یہ پانچ سو درہم ہوئے۔پس یہ رسول اللہ ﷺ کی ازواج کا مہر ہے)

---

۱۔ الشیبانی، احمد بن حنبل، مسند الامام أحمد بن حنبل، (القاہرہ۔قرطبہ :مؤسسة)، باب السیدة عائشةؓ حدیث نمبر: ۲۴۵۷۳، ص: ۶/۸۲

۲۔ علاؤالدین علی المتقی بن حسام الدین، کنزل العمال فی سنن الافعال دالاقول، باب الفصل الثالث فی صداق، حدیث نمبر: ۴۴۷۰۷، ص: ۲/۳۲۰

۳۔ ایضا، حدیث نمبر: ۴۴۷۱۰

۴۔ النسائی، سنن الکبریٰ، کتاب النکاح، باب التزویج علی عشه أواق ،حدیث نمبر: ۵۵۱۰، ص: ۳/۳۱۴

۵۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب الصداق وجواز کونہ تعلیم القرآن ،حدیث نمبر: ۳۵۵۵، ص: ۴/۱۴۴

**مہر کی زیادتی اور حضرت عمرؓ کا ارشاد :**

حضرت عمرؓ مہر کی بڑی بڑی رقمیں مقرر کرنے سے منع کرتے تھے۔

سنن ابی داؤد میں ایک روایت یوں مذکور ہے:

"عن ابی الصحفا السلمی قال خطبنا عمرؓ فقال ألالا تغالو بصدق للنساء فانهالو كانت مكرمة فى الدنيا أو تقوىٰ عندالله لكان أولاكم بها النبى ﷺ كاأصدق رسول الله امرأة من نسائه ولا أصدقتِ امرأة من بناته أكثرمن ثنتى عشرة اوقية[1]

(ابی صحفا سلمی روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ اللہ اُن پر رحم فرمائے ہمیں خطاب کیا پس آپؓ نے فرمایا کہ عورتوں کے لئے مہر کی بہت زیادہ مقدار مت رکھو۔ کیوں کہ اگر مہر کی زیادتی دنیا میں عزت کی بات ہوتی یا خدا کے ہاں تقویٰ کی دلیل ہوتی تو نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے کہ آپ مہر زیادہ رکھتے لیکن آپ ﷺ کی بیویوں اور بیٹوں میں سے کسی کا مہر بارہ اوقیہ سے زیادہ نہ تھا)

**مہر کی کم از کم مقدار:**

حنفیہ فقہ کے نزدیک مہر کی کم از کم مقدار دس درہم ہے۔ چنانچہ "بدائع الصنائع" میں ہے:

وأمّابيان ادنى المقدار الّذى يصلح مهرًا فادناه عشرة دراهم أوماقيمته عشره دراهم[2]

(پس جہاں تک مہر کی کم سے کم مقدار کے صحیح ہونے کا بیان ہے پس وہ دس درہم ہے یا کوئی ایسی چیز جس کی قیمت دس درہم ہو)

حنفیہ کی دلیل یہ حدیث مبارکہ ہے:

عن جابر بن عبدالله قال : قال رسول الله ﷺ... ولا مهر دون عشرة دراهم[3]

(حضرت جابر بن عبداللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ دس درہموں سے کم حق مہر نہیں)

**مہر کی اقسام:**

مہر کی اقسام حسب ذیل ہیں

(۱) مہر مسمّی۔ (۲) مہر مثل۔

**(۱) مہر مسمّی:**

اس مہر کو کہتے ہیں جو بوقت نکاح یا بعد نکاح مابین زوجین مقرر ہوا ہو۔

چنانچہ "الفقہ الاسلامی وادلتہ" میں مہر مسمی کے بارے میں یوں لکھا ہے:

فهو ماسمى فى العقداء أوبعده باالتراضى[4]

(مہر مسمی سے مراد وہ مہر ہے جو بوقت نکاح متعین ہو یا بعد میں زوجین کی رضامندی سے مقرر کیا جائے)

---

۱۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان، سنن ابی داؤد، کتاب النکاح، باب الصداق حدیث نمبر:۲۱۰۸، ۲/۱۹۹

۲۔ الکاسانی، علاؤالدین ابی بکر، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع، (بیروت: دارالکتاب العربیہ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۲ھ۔۱۹۸۲م) [illegible]

۳۔ دارقطنی علی بن عمر ابوالحسن، سنن دارقطنی، کتاب النکاح، باب المہر حدیث نمبر:۱۱، ص:۳/۲۴۴

۴۔ وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی ادلتہ، الجز:۹، ص:۶۷۶۰

(الف) معجّل (ب) مؤجل

مجیب اللہ ندوی مہر مسمّٰی کے بارے میں یوں وضاحت کرتے ہیں:

''مہر (مسمّٰی) کی دو قسمیں ہیں۔ مہر موجل، مہر معجّل، یعنی وہ مہر جو نکاح کے ساتھ ہی ادا کر دیا جائے ''معجّل'' ہے معجّل عجلت سے بنا ہے یعنی وہ چیز جو جلد ادا کی جائے اور جس کو نکاح کے وقت فوراً ادا نہ کیا جائے بلکہ اس کی ادائیگی کا وعدہ کیا جائے اس کو مہر موجل کہتے ہیں۔ موجل 'اجل' سے بنا ہے۔ اجل کے معنی وقت اور مدت کے ہیں اور موجل کے معنی جس کی ادائیگی کیلئے کوئی وقت اور مدت مقرر کر دی گئی ہو''[1]

**مہر مثل**: اگر عقد کے وقت کچھ طے نہ ہوا ہو تو اسے مثل کہتے ہیں [2]

مہر ایک ایسی ضروری چیز ہے کہ اگر نکاح کے وقت غلطی سے مہر کا ذکر نہیں کیا گیا تو نکاح ہو تو جائے گا مگر شوہر کے ذمہ قرض رہے گا اور اسے عورت کو مہر مثل ادا کرنا واجب ہوگا۔ اس طرح مہر مثل دینا پڑے گا۔ مہر مثل کے بارے میں مجیب اللہ ندوی لکھتے ہیں:

''مہر مثل سے مراد مہر کی وہ مقدار ہے جو عام طور پر اس کے کنبہ وخاندان میں مقرر ہوئی ہو''[3]

ھدایہ میں مہر مثل کے بارے میں یوں لکھا ہے:

**ان تزوجها ولم يسم لها مهرا او تزوجها على ان لا مهرلهافلها مهر مثلها ان دخل بها اومات عنه** [4]

(جب مرد عورت سے شادی کرے اور اس کا مہر مقرر نہ کرے یا اس شرط پر شادی کرے کہ مہر نہیں ہوگا تو عورت کو مہر مثل ملے گا جب دخول کر لے یا مر جائے)

سید السابق مہر مثل کی وضاحت کرتے ہوئے یوں رقمطراز ہیں:

**المثل هو المهر الذى تسحقه المرأة مثل مهر من يماثلها وقت العقد فى السّن، والجمال والمال، والعقل، والدّين، والبكارة، والثيوبة، والبلد، وكل مايختلف لا جله الصداق كوجود الولد او عدم وجوده إن اَن قيمة المهر للمرأة تختلف عادة باختلاف هذا الصفات والمعتبر فى المماثلة من جهة عصبتها كأختها وعمتها وبنات أعمامها** [5]

(مثل وہ مہر ہے جس کی عورت مستحق ہوتی ہے۔ اس عورت کے مہر کی مثل جو نکاح کے وقت اس کی مثل ہو عمر میں، حسن و جمال میں، مال، عقل، دین، باکرہ ثیبہ ہونے میں اور علاقے کے لحاظ سے اور ہر اس چیز کے لحاظ سے جس کی وجہ سے مہر مختلف ہوتا ہے۔ مثلاً اولاد کا ہونا یا نہ ہونا بے شک ان صفات کے بدلنے سے عادتاً عورتوں کے مہر کی قیمت بدلتی رہتی ہے اور مثل میں اعتبار عورت کے عصبہ کا ہوگا مثلاً اس عورت کی بہن، پھوپھی اور اس کی چچازاد بہنوں کا ہوگا)

---

۱۔ ندوی، مجیب اللہ، مولانا، فقہ اسلامی (لاہور: پروگریسو بکس، چوہدری غلام رسول، چوہدری جواد رسول) ج:۲ص ۵۶

۲۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ، ج:۴ص:۱۶

۳۔ ندوی، مجیب اللہ، فقہ اسلامی، ج:۲ص:۵۶

۴۔ مرغینانی برہان الدین، ھدایہ، ج:۲ص:۳۰۴

۵۔ السید السابق، فقہ السنہ، ج:۲ص:۱۹۳

مقرر نہیں کیا اور اسی حالت میں فوت ہو گیا تو اس کے ذمہ پورا مہر ہو گا۔

عن مسروق عن عبداللہ فی رجل تزوج أمرأة فمات عنها ولم يدخل بها ولم يفرض لها الصداق فقال لها الصداق كاملاً و عليها العدّة ولها ميراث ، فقال معقل بن سنان سمعت رسول ﷺ قضى به[1]

(مسروق سے روایت ہے کہ انہوں نے عبداللہ سے روایت کی ہے۔ اُس آدمی کے بارے میں جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور وہ مر دفوت ہو گیا اور اس نے دخول بھی نہیں کیا تھا اور مہر بھی معین نہیں کیا تھا تو عبداللہ نے کہا کہ اسے کامل مہر ہو گا اور اس پر عدت بھی ضروری ہے۔ اور اسی عورت کو میراث بھی ملے گی۔ معقل بن سنان نے کہا کہ میں نے رسول اکرم ﷺ سے سنا کہ ایسا ہی فیصلہ انہوں نے کیا تھا)

## عورت کا مہر میں تصرف کا حق:

قرآن مجید میں ایک طرف کہا کہ مہر عورت کا حق ہے پہلے اس کے اس حق کو تسلیم کیا جائے۔ اس کے بعد وہ چاہے تو اپنے اس حق کو پورا پورا بھی وصول کر سکتی ہے۔ اس سے کچھ کم بھی لے سکتی ہے اور اسے معاف بھی کر سکتی ہے، دوسری طرف مرد سے کہا کہ اگر عورت بخوشی اپنے مہر کا کچھ حصہ واپس کر دے تو بڑے شوق سے تم اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہو۔ اس میں کوئی قباحت نہیں ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:

فَإِنْ طِبْنَ لَكُمْ عَنْ شَيْءٍ مِنْهُ نَفْساً فَكُلُوْهُ هَنِيْئاً مَرِيْئاً[2]

(اگر وہ بخوشی اس میں کچھ چھوڑ دیں تو تم مزے سے اسے کھا سکتے ہو)

اس آیت سے یہ بات پوری وضاحت کے ساتھ سامنے آتی ہے کہ مہر عورت کی ملکیت ہے۔ اسے اس سے دستبردار ہونے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا۔ وہ اپنی ملکیت میں آزادی سے تصرف کر سکتی ہے اور اگر وہ بخوشی اس میں سے کچھ شوہر کو دے تو وہ اس سے مستفید ہو سکتا ہے۔

ان سب باتوں کا تعلق میاں بیوی کے روابط، دونوں کے ایک دوسرے پر اعتماد اور ان کے حالات پر ہے۔ اسی وجہ سے قرآن مجید نے اسے ان کی رضامندی پر چھوڑ دیا ہے۔ چنانچہ قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ فِيْمَا تَرَاضَيْتُمْ بِهِ مِنْ بَعْدِ الْفَرِيْضَةِ[3]

(اس بات میں کوئی گناہ نہیں کہ مہر کے مقرر ہونے کے بعد تم آپس کی رضامندی سے اس کے بارے میں کوئی چیز طے کر لو)

اس فرض کی ادائیگی میں اس سہولت اور گنجائش کی وجہ سے معاشرتی زندگی میں جو خوشگوار فضا پیدا ہوتی ہے۔ اس کا اندازہ کرنا مشکل نہیں ہے۔

---

۱۔ السجستانی، ابوداؤد سلیمان بن الاشعث، سنن ابی داؤد، باب فیمن تزوج ولم یسم صداقا حتیٰ مات، نمبر: ۲۱۱۶، ص: ۲/۲۰۵

۲۔ النساء: ۴

۳۔ النساء: ۲۴

## خلاصہ بحث:

مذکورہ بالا بحث سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱ عصر حاضر میں مختلف رسومات کے باعث فریضہ نکاح کی ادائیگی کو جس طرح مشکل بنادیا گیا ہے۔ شریعت اس کی قطعاً حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔

۲۔ نکاح کے انعقاد کیلئے کسی دن یا تاریخ کو منحوس قرار دینا درست نہیں۔

۳۔ نکاح اعلانیہ طور پر ہونا چاہیے۔

۴۔ اسلام میں موجودہ دور کی بارات کا کوئی تصور نہیں۔

۵۔ نکاح کے بعد زوجین کو مبارکباد اور برکت کی دُعا کی تعلیمات اسوۂ حسنہ میں ملتی ہیں۔

۶۔ نکاح کے موقع پر مرد کو سونے کی انگوٹھی وغیرہ اور ریشم کے کپڑے پہننا خلاف شرع ہے۔

۷۔ مہر عوت کا حق ہے اور مرد کی جانب سے ایک عطیہ ہے۔اس میں عورت کو مکمل تصرف کا حاصل ہے۔ اگر نکاح کے وقت مہر کا ذکر نہیں تو عورت کا مہر مثل ادا کیا جائے گا۔

۸۔ اسلام میں مہر کی کوئی مقدار مقرر نہیں۔تاہم مہر میں زیادتی کو مستحسن نہیں سمجھا گیا۔

## فصل سوم: جہیز اور ولیمہ اسلامی تعلیمات کی روشنی میں

### مبحث اول: جہیز کی شرعی حیثیت

**لغوی تعریف:**

لفظ جہیز دراصل عربی زبان کے لفظ ''جہاز'' سے ہے۔اس کے لغوی معنی لسان العرب میں یوں بیان ہوئے ہیں:

**جهاز المیت و العروس و المسافر مایحتاجون الیه** [1]

اس عبارت کا مفہوم یوں لیا جا سکتا ہے کہ ''جہاز'' کا اطلاق اس ساز و سامان پر ہوتا ہے جس کی میت کو (قبر تک پہنچانے کیلئے) دلہن کو نیا گھر بسانے کیلئے اور مسافر کو (دوران سفر) ضرورت ہوتی ہے۔

امام راغب اس تعریف میں لکھتے ہیں:

**الجهاز مایعد من متاع وغیره والتجهیز حمل ذالک اوبعثه** [2]

(جہاز اس سامان وغیرہ کو کہا جاتا ہے جو کسی کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور تجہیز کا معنی ہے اس سامان کو اٹھانا یا بھیجنا)

دائرہ المعارف میں ہے:

**عبارة عن مجموع ادوات معدة للقیام بعمل من الاعمال** [3]

(جہاز اس ساز و سامان کے مجموعے سے عبارت ہے جو کسی کام کے کرنے کیلئے تیار کیا جاتا ہے)

اسی مادہ سے باب تفعیل (جَهَّزَ . تجهیزًا) وغیرہ آتے ہیں۔قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

**وَلَمَّا جَهَّزَهُمْ بِجَهَازِ هِمْ** [4]

(اور جب یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کا سامان تیار کیا)

**وجهز القوم تجهیزًا: إذا تكلف لهم بجهازهم للسفر** [5]

(جهز القوم تجهزا: اُس وقت کہا جاتا ہے جب کوئی سفر کیلئے سامان سفر تیار کرے)

اس طرح کہا جاتا ہے:

**تجهیز الغازی: تحمیلهٔ واعداد مایحتاج إلیه فی غزوة** [6]

(تجهیز الغازی سے مراد ہے کہ غازی کو جو سامان غزوہ میں ضرورت ہوتا ہے وہ سامان اٹھانا اور اسے تیار کرنا اس کی جمع أجهزة آئی ہے)

---

۱۔ ابن منظور، لسان العرب، باب جهز، ج ۵، ص: ۳۲۵

۲۔ اصفہانی، امام راغب، المفردات فی غریب القرآن، ص: ۱۰۱

۳۔ بطرس البستانی، دائرۃ المعارف، (طبع بیروت، س ن)، ۶/ص: ۵۷۴

۴۔ یوسف: ۵۹

۵۔ لسان العرب: باب جهز، ج ۵، ص: ۳۲۵

۶۔ ایضاً

اصطلاحی تعریف:

جہیز کے معنی اسباب اور سامان کے ہیں۔ اصطلاحاً اس سرو سامان کو کہتے ہیں جو لڑکی کے نکاح میں اس کے ہمراہ دیا جاتا ہے۔ جہیز کی رسم بہت پرانے زمانے سے چلی آتی ہے۔ ہر علاقے میں جہیز مختلف صورتوں میں دیا جاتا ہے لیکن وہ عام طور پر زیورات، نقدی، کپڑوں اور روزانہ استعمال کے برتنوں پر مشتمل ہوتا ہے [1]

جہیز کی ایک اصطلاحی تعریف یوں کی گئی ہے:

الجهاز هو الاثاث الذى تعده الزوجة هي واهلها ليكون و معها فى البيت اذ دخل بها الزوج [2]

(جہاز 'جہیز' وہ سامان ہے جسے عورت خود اور اس کے ورثا تیار کرتے ہیں تاکہ جب وہ بیاہ کر خاوند کے گھر جائے تو یہ سامان اس کے ساتھ ہو)

## رسم جہیز۔ پس منظر:

تمدن و تہذیب، معاشرت و ثقافت میں جب ترقی ہوتی ہے تو دولت و ثروت کی فراوانی ہونے لگتی ہے۔ پیدائش سے موت تک نئے نئے رسوم اور طریقے ایجاد ہوتے ہیں اور مرنے کے بعد بھی یہ سلسلہ ختم نہیں ہوتا۔ آقاء دو جہاں ﷺ نے بچے کی پیدائش سے مرنے تک جو مراسم سرانجام دے کر رہبری فرمائی وہ معدودے چند ہیں اور اُنگلیوں پر گنے جاسکتے ہیں۔ بچہ کے پیدا ہونے پر اس کے کانوں میں اذان دینا، گھٹی ڈالنا، اچھا نام رکھنا پھر اس کا عقیقہ کرنا (اگر گنجائش ہو ورنہ یہ بھی ضروری نہیں) اس کے بعد اس کی مناسب تعلیم و تربیت اور بالغ ہونے پر نکاح کا حکم ملتا ہے۔ نکاح کیلئے چند شرائط اور مختصر سے احکام ہیں۔ مثلاً عقد نکاح میں فریقین کی جانب سے دین داری کو ترجیح دینا، کفو کا خیال رکھنا، منکوحہ کو ایک نظر دیکھ لینا۔ عقد پر کھجور یا شرینی تقسیم کرنا اور نکاح کے بعد حسب توفیق دعوت ولیمہ۔ بس یہ تھے اسلامی مسلمانوں کے سیدھے سادھے سماجی مراسم۔ لیکن جوں جوں زمانہ گزرتا گیا۔ دولت و ثروت میں اضافہ ہونے لگا۔ نیز مذہب اسلام کا دائرہ دور دور تک پھیل گیا تو سماجی مراسم میں بھی دیگر اقوام سے معاشرت کی وجہ سے اضافہ ہوتا گیا اور بہت سی رسمیں دوسری اقوام کی اپنائی گئیں۔ جہیز کی رسم بھی دوسری قوموں سے دیکھا دیکھی اپنالی گئی۔ چنانچہ حافظ سعد اللہ لکھتے ہیں:

> ''ہندوستان میں زیادہ تر مغل فرمانروا شہنشاہ اکبر اور دکن میں سلطان محمد قلی قطب شاہ نے مسلمانوں اور ہندوؤں کو ملانے۔ آپس میں اتحاد و اتفاق پیدا کرنے اور یگانگت کی فضا قائم کرنے کیلئے بہت سے ہندی رسومات کو اپنایا تھا۔ یک جہتی پیدا کرنے کی خاطر ایسے رسومات اختیار کرنے لگے جن کا اسلامی تہذیب یا مسلمانوں میں پہلے سے کہیں وجود نہ تھا۔ مثلاً نکاح اور شادی کے موقع پر رسم مہندی، رتجگاہ، مانجھا، جلوہ اور بری وغیرہ وغیرہ۔ ایک رسومات میں ایک رسم مروّجہ جہیز کی تھی۔ ہندو چونکہ لڑکیوں کو اپنی جائیداد میں حصہ نہیں دیتے تھے۔ اس لئے شادی کے وقت اکٹھا ہی جو کچھ میسر ہوسکا 'جہیز' کے نام سے لڑکی کے حوالے کردیا۔ ہندوؤں کی دیکھا دیکھی آہستہ آہستہ یہ رسم مسلمانوں میں بھی جڑ پکڑنے لگی۔ حتیٰ کہ شادی کا جزو لاینفک بن گئی اور غریب والدین کیلئے مستقل درد سر بن گئی۔ جس نے اب آسان دین کے آسان احکام میں اتنی تنگی پیدا کردی ہے کہ بظاہر چھٹکارے کی کوئی صورت ناممکن نہیں تو مشکل ضرور ہے'' [3]

---

۱۔ اُردو انسائیکلو پیڈیا، (لاہور۔ کراچی، فیروز سنز) ص:۵۴۹

۲۔ السید سابق، فقہ السنۃ (بیروت۔ لبنان۔ دار الکتاب العربی ۱۳۸۹ھ)، ص: ۲/ ۱۶۷

۳۔ سہ ماہی منہاج، (لاہور، جولائی۔ ۱۹۸۶ء) ج:۴، شمارہ نمبر:۳، ص:۱۶۴

''جہیز نام کی کوئی چیز قرآن وسنت سے ثابت نہیں۔ یہ خالصتاً ہمارے ہندوانہ پس منظر کی پیداوار ہے۔ ہندوؤں کے ہاں جہیز اس لئے ہے کہ وراثت میں لڑکیوں کا کوئی حصہ نہیں۔ وراث صرف لڑکے ہوتے ہیں بلکہ راجپوتوں میں اور ہمارے ہاں جاگیرداروں میں بھی یہ روایت ہے کہ جائیداد بیٹیوں میں بھی تقسیم نہیں ہوتی۔ کیونکہ اس طرح وہ تقسیم در تقسیم کے باعث چھوٹی سے ملکیت رہ جائے گی۔ پھر رعب ودبدبہ کہاں رہے گا۔ سو مربع زمین اگر بیٹوں میں تقسیم ہوگئی تو ہر ایک کے حصہ میں پچاس پچاس مربع آئیں گے۔ پھر اگر ان کے چار بیٹے ہوں تو کیا رہ گیا! اب وہ شان کہاں رہے گی۔ لہٰذا صرف بڑا بیٹا وارث ہوتا ہے۔ باقی سب اس کے کمی کار ی جبکہ لڑکیوں کے لیے تو سوال ہی نہیں کہ وراثت میں حصہ ہو۔ لہٰذا جب وہ اسے گھر سے رُخصت کرتے تھے تو اس وقت کچھ دے دلا دیتے تھے۔ اس کو وہ داج، دہیج کہتے تھے کہ یہ ہم خیرات دے رہے ہیں۔ ورنہ یہاں لڑکی کا کوئی حق نہیں ہے۔ یہ ہے جہیز کا پس منظر''[1]

## مروّجہ جہیز اور شرعی تعلیمات:

دین اسلام ایک مکمل دین ہے جس نے انسانی زندگی کے ہر شعبہ میں رہنمائی فرمائی ہے۔ قرآن وحدیث نے اس کے [illegible] اور رہنما اصول بیان فرما دیئے ہیں۔ پھر نبی کریم ﷺ اور صحابہ کرامؓ کا طرزِ عمل ہمارے سامنے ہے۔ بعد میں ہمارے آئمہ مجتہدین اور فقہائے عظام نے کوئی ایسا مسئلہ نہیں چھوڑا جس کی قرآن سنت کی روشنی میں تفصیلات نہ بتا دی ہوں۔ حتیٰ کہ متوقع اور فرضی پیش آمدہ مسائل کے بھی حل بتا دیئے ہیں۔ مسائل اور ضروریات انسانی میں نکاح اور شادی انسان کی طبعی، فطری اور بنیادی ضرورت ہے۔ کوئی وجہ نہیں کہ اسلام جو ایک فطری دین ہے۔ اس سلسلے میں اپنے ماننے والوں کی رہنمائی نہ کرے۔ انسانی نسل اور زندگی کو قائم رکھنے کے لئے نکاح چونکہ ایک لابدی چیز تھی۔ اسلئے شریعت اسلامیہ نے اسے کماحقہٗ اہمیت دی۔ نکاح اور ازدواجی زندگی کا کوئی ایسا لازمی اور ضروری پہلو نظر نہیں آتا۔ جس میں شریعت نے واضح ہدایات نہ دی ہوں۔ نکاح اور نکاح سے متعلقہ جملہ احکامات قرآن مجید میں بڑی تفصیل کے ساتھ بیان ہوئے ہیں۔ دورِ جاہلیت میں چونکہ عورتوں کی عام حیثیت انسان سے گر کر ڈھور ڈنگر کی بن چکی تھی۔ اس لئے قرآن اور صاحب قرآن علیہ الصلاۃ والسلام نے ازدواجی زندگی میں عورتوں کے حقوق اور بہترین معاشرت پر انتہائی زور دیا۔ رحمان کے رحیم نبی ﷺ نے اپنے [illegible] سے عورتوں کے جملہ حقوق کا تعین فرمایا۔ صرف ایک شعبہ نہیں بلکہ انسان کی معاشرتی اور سماجی زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق قرآنی تعلیمات ہماری بھرپور رہنمائی کرتی ہیں۔ لیکن رسم جہیز جو کہ آج کل شادی کا جزو لاینفک بن چکی ہے۔ اس کے بارے میں اسلامی تعلیمات شاذ و نادر ہی ملتی ہیں۔ چنانچہ سہ ماہی منہاج میں ہے کہ:

> ''اسلام کا دائرہ وسیع ہو جانے، مسلمانوں کے مختلف ممالک میں پھیل جانے اور غیر مسلم اقوام کے ساتھ مل جل کر رہنے کی وجہ سے بعض رسومات اُن میں دانستہ یا نادانستہ پیدا ہو گئی تھیں۔ جن میں سے ایک رسم جہیز بھی ہے۔ اس رسم کے مسلمانوں میں آجانے سے متاخرین فقہا کے فتاویٰ میں جہیز کے سلسلہ میں چند جزوی احکامات ملتے ہیں۔ ورنہ قرآن مجید میں کتب احادیث میں، متقدمین فقہا کی کتابوں میں مروّجہ جہیز کا وجود ہی نہیں۔ صحاح ستہ معروف کتب احادیث اور چاروں آئمہ فقہا کی اُمہات الکتب میں 'باب الجہیز' کے عنوان سے کوئی باب نہیں۔

---

۱۔ ماہنامہ میثاق، (اپریل ۲۰۰۵ء) ج: ۵۴، شمارہ: ۴، ص: ۲۷

اگر یہ کوئی شرعی حکم ہوتا تو کوئی وجہ نہ تھی کہ جہاں نکاح سے متعلق دیگر احکامات مثلاً نان ونفقہ، مہر، بہتر معاشرت، طلاق، عدت وغیرہ تفصیلاً بیان ہوئے ہیں وہاں جہیز کا بیان نہ ہوتا''۔[1]

## مروّجہ جہیز۔۔۔ایک رسم:

مروّجہ جہیز محض ایک رسم اور عرف ہے اور فقہانے اسے رسم اور عرف کے زمرے میں ہی شمار کیا ہے۔ چنانچہ السید سابق لکھتے ہیں:

وقد جرى العرف ، على ان تقوم الزوجة واهلها باعداد الجهاز و تاثيث البيت و هو اسلوب من اساليب ادخال السرور على الزوجة بمناسبة زفافها [2]

(یہ ایک عرف ہے کہ بیوی اور اس کے گھر والے جہیز اور گھر کا ساز وسامان تیار کرتے ہیں اور دوسرے یہ کہ عورت کے نئے گھر میں جانے کی مناسبت سے اس عورت کو خوش کرنے کا ایک طریقہ ہے)

سیّد سابق ایک روایت سے استدلال کرنے کے بعد پھر لکھتے ہیں:

وهذا مجرد عرف جرى عليه الناس [3]

(یہ صرف ایک عرف (عادت) ہے جو لوگوں کے اندر جاری ہے)

جس طرح دیگر کئی ایک رسوم اور عرفوں کو جن میں کوئی شرعی قباحت یا ممانعت نہ تھی قبول کر لیا گیا۔ اس طرح عرف (جہیز) کو بھی اپنا لیا گیا۔ ورنہ یہ کوئی شرعی حکم یا نکاح کا کوئی لازمی جزو نہیں ہے۔

## جہیز خاوند کی ذمہ داری:

بیوی کی جملہ ضروریات اور اخراجات کا ذمہ دار خاوند ہے۔ چنانچہ ھدایہ میں ہے:

النفقة واجبة الزوجة على زوجها مسلمة كانت او كافرة اذا سلمت نفسها الى منزله فعليه نفقتها و كسوتها و سكناها والاصل فى ذالک قولة تعالىٰ لينفق ذو سعة من سعة [4]

(بیوی مسلمان ہو یا کتابیہ اس کا ہر قسم کا خرچہ خاوند پر واجب ہے جبکہ وہ بیوی اپنے آپ کو خاوند کے سپرد کر دے اور اس کے گھر منتقل ہو جائے۔ اس خرچہ میں اس کی خوراک، لباس، اور رہائش کیلئے مکان داخل ہے اور اس کی بنیاد باری تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ وسعت والے کو اپنی وسعت کے مطابق خرچ کرنا چاہیے)

بیوی ہوتے ہوئے سکنیٰ (رہائش کیلئے مکان) کا دینا تو واجب ہے ہی بعد از طلاق بھی دوران عدت بیوی کیلئے سکنیٰ مہیا کرنا لازمی ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اَسۡكِنُوۡهُنَّ مِنۡ حَيۡثُ سَكَنۡتُمۡ مِّنۡ وُّجۡدِكُمۡ [5]

(ان مطلقات کو اپنی حیثیت کے موافق رہنے کا مکان دو۔ جہاں تم رہتے ہو)

---

۱۔ سہ ماہی منہاج، (لاہور: جولائی ۱۹۸۶ء) ج:۴، شمارہ:۳، ص:۱۲۵

۲۔ السیّد سابق، فقہ السنہ، ج:۲، ص:۱۶۷

۳۔ ایضاً

۴۔ المرغینانی، برہان الدین بن ابی بکر، ھدایہ، ج:۱، ص:۲۸۵

۵۔ سورۃ الطلاق:۶

ظاہر ہے جب رہنے کا مکان خاوند کے ذمہ ہے تو ایک مکان میں رہنے کے لئے جن چیزوں کی ضرورت ہوسکتی ہے اٹھنے بیٹھنے، کھانے پینے اور سونے کے لئے جن اشیا کا استعمال میں لانا ضروری ہے اور جن کو ہماری اصطلاح میں 'جہیز' کہا جاتا ہے وہ بھی خاوند ہی کے ذمہ واجب ہوں گی۔ چنانچہ محمد ابوزہرہ 'متاع البیت' کے عنوان سے فقہائے حنفی کی رائے بتاتے ہوئے رقمطراز ہیں:

"رای الحنفیه و هوان عدادالبیت علی الزوج لان النفقةبکل انواعها من مطعم و ملبس و مسکن علیه واعدادالبیت عن المسکن فکان بمقتضی هذا الاعداد علی الزوج اذالنفقة بکل انواعها تجب علیه والمهرلیس عوض الجهاز لانه عطاء و نحلة کما سماه القرآن فهوملک خالص لها و هوحقا علی الزوج بمقتضی احکام الزوج ولیس ثمه من مصادر الشریعة مایجعل المتاع حقا علی المرأة ولایثبت حق من حقوق الزوج من غیر دلیل" [1]

(حنفی فقہا کی رائے یہ ہے کہ گھر (اور گھریلو سامان) کی تیاری خاوند کے ذمہ ہے۔ کیونکہ ہر قسم کا خرچہ مثلاً کھانا، لباس اور رہائش کی جگہ دینا اس پر واجب ہے۔ اور گھریلو ساز وسامان (جسے عرف عام میں جہیز کا نام دیا جاتا ہے) رہائش کے مکان میں داخل ہے۔ پس اس اعتبار سے گھریلو ساز وسامان کی تیاری خاوند پر واجب ہوئی۔ حق مہر جہیز کا عوض نہیں ہوسکتا۔ کیونکہ وہ صرف اور صرف عطیہ ہے، جیسا کہ قرآن مجید نے اس کا نام نحلہ (عطیہ) رکھا ہے۔ وہ خالصتاً بیوی کی ملک ہے اور خاوند پر اس کا حق ہے۔ مصادر شریعت میں سے کوئی ایسی دلیل نہیں جس کی بنیاد پر گھریلو ساز وسامان کی تیاری کو عورت کا حق قرار دیا جاسکے اور بغیر کسی دلیل کے کبھی کوئی حق ثابت نہیں ہوتا)

مالکی فقہا کے نزدیک اگرچہ جہیز کے سامان کی تیاری عورت کے ذمہ ہے۔ تاہم اس میں بھی یہ وضاحت ہے کہ وہ یہ سامان پیشگی رقم سے بنائے گی نہ کہ اپنے مال یا والدین کے مال سے۔ اگر خاوند کی طرف سے پیشگی کوئی رقم رخصتی سے قبل اس کے پاس نہ بھیجی جائے تو اس پر سامان جہیز لازم نہیں۔

"فان لم تکن قبضت شیأ من المهرفلیس علیها جهاز" [2]

(اگر اس عورت نے پیشگی مہر میں سے کوئی چیز نہ لی ہو تو جہیز اس پر واجب نہیں ہے)

فقہ مالکی کی ایک دوسری معروف کتاب میں یوں ہے:

" فان لم تقبض شیأ قبل البناء لم یلزمها تجهیز" [3]

(اگر بیوی نے رخصتی سے قبل کوئی چیز نہ لی ہو تو اس پر سامان جہیز لازم نہیں)

سیّد السابق اس چیز کو مزید وضاحت دیتے ہوئے یُوں رقمطراز ہیں:

واماالمسئول عن اعداد البیت اعدادً اشرعیاً ،وتجهیز کل ما یحتاج له من الاثاث و الفراش و الا دوات فهو الزوج ،والزوجةلاتسال عن شیءٍ من ذالک... حتی ولو کانت زیاده المهرمن اجل الاثاث ، لان المهرانما تستحقه الزوجة فی مقابل الاستمتاع بها، لامن اجل اعداد الجهاز لبیت الزوجیة ، فالمهرحق خالص لها، لیس لا بیها ولالزوجها، ولا لاحد حق فیه [4]

---

۱۔ ابوزہرہ محمد، الاحوال الشخصیۃ، (بیروت، دارالفکر العربی ۱۹۷۷ء) ص: ۲/۲۳۸

۲۔ ایضاً

۳۔ محمد عبداللہ، الکواکب الدریۃ فی فقہ المالکیہ (قاہرہ، ۱۴۰۱ھ۔ ۱۹۸۱ء)، ص: ۲/۱۸۲

۴۔ السید السابق، فقہ السنہ، ج ۲: ص: ۱۶۷

کا مسئول ذمہ دار خاوند ہے۔ ان اشیاء ضرورت میں سے کسی بھی شئے کے متعلق عورت سے سوال نہیں کیا جائے گا۔ حتیٰ کہ اگر مہر کی رقم سامان بیت کی نیت سے زیادہ رکھی جائے گی تو پھر عورت پر سامان بیت لازم نہیں۔ کیوں کہ مہر کی رقم اس عورت سے فائدہ اٹھائے جانے کے مقابلے میں ہے۔ نہ کہ سامان جہیز کی تیاری کیلئے۔ مہر صرف اور صرف اسی کا حق ہے جس میں نہ اس کے والد، نہ اس کے خاوند اور نہ ہی کسی اور شخص کا حق ہے)

## لڑکے والوں کی طرف سے جہیز کا مطالبہ:

اوپر کی عبارات میں اس چیز کی وضاحت ہو چکی کہ سامان جہیز خاوند کی ذمہ داری ہے اور وہ جملہ ضروری گھریلو اشیاء کے مہیا کرنے کا پابند ہے۔ لہٰذا خاوند یا اُس کے گھر والوں کو اس بات کا قطعاً حق نہیں کہ وہ بیوی یا اس کے والدین سے جہیز کا مطالبہ کریں یا انہیں مجبور کریں۔ المحلی لابن حزم میں ہے:

**ولا يجوزُ ان تجبر المرأة على أن تتجهر اليه شئ اصلاً لامن صداقها الذى اصدقها ولا من غيره من سائر مالها والصدق كله لها تفعل ماشاء ت لااذن للزوج فى ذالك ولا اعتراض وهو قول ابى حنيفة والشافعى والى سليمان وغيرهم[1]**

(عورت کو اس بات پر مجبور کرنا جائز نہیں کہ وہ خاوند کے پاس سامان جہیز لائے۔ نہ ہی اُس مہر کی رقم سے جو خاوند نے اُسے دی ہے اور نہ ہی دوسرے اس کے اپنے مال سے۔ مہر سارے کا سارا اس کی ملکیت ہے۔ اس میں وہ جو چاہے کرے۔ خاوند کو اس میں کسی قسم کے دخل دینے کا حق نہیں۔ یہ قول امام ابوحنیفہ، امام شافعی اور ابی سلیمان وغیرہ کا ہے)

کتاب الفقہ علی مذاہب الاربعہ میں ہے:

**فاذاتزوجها على الف جنيه مهرا، وكانت العادة ان مثل هذا المهرلقابل لجهاز كبير يبيق بحا لهماو لكنها لم تفعل فانه لا حق للزوج فى مطالبتها بالجهاز .... فانه يجب على الرجل يعد للمرأة محلا يشتمل على حاجيات المعيشة[2]**

(اگر کوئی آدمی ایک ہزار مہر پر کسی عورت سے نکاح کرے اور عادت یہ ہو کہ اتنا مہر ایک بڑے جہیز کے مقابلے میں ہوتا ہو مگر وہ عورت ایسا نہ کرے (جہیز نہ لائے) تو خاوند کو اس بات کا حق نہیں کہ وہ اس سے جہیز لانے کا مطالبہ کرے۔ آدمی پر واجب ہے کہ وہ عورت کے لئے ایسی رہائش کی جگہ تیار کرے جو ضروریات زندگی پر مشتمل ہو)

فتاویٰ عالمگیری میں ہے:

"صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کے باپ سے کسی شئے کے مطالبہ نہ کرے کیونکہ مال نکاح میں مقصود نہیں ہے"[3]

## مروجہ جہیز اور سنت نبوی ﷺ:

مروّجہ جہیز یعنی شادی کے موقع پر والدین کا اپنی گرہ سے سامان جہیز خرید کر لڑکی کے ساتھ بھیجنے کو عموماً سنت نبوی ﷺ تصور کیا

---

۱۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید، المحلی: (دارالفکر۔ لاطباعۃ والنشر والتوزیع) ج:۹، ص:۵۰۷

۲۔ الجزیری، عبدالرحمٰن الفقہ علی مذاہب الاربعہ، (طبع مصر۔ س ن) ج:۴، ص:۹۷۶

۳۔ امیر علی، سیّد، مولانا، فتاویٰ عالمگیری، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ اُردو بازار) ج:۲، ص:۱۹۹

[illegible]

عن علیؓ قال جهز رسول الله فاطمة فى خميل و قربة و وسادة حشوها اذخر [1]

(حضرت علیؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جناب فاطمۃ الزہرا کو تیار کیا، ایک چادر، مشکیزے اور ایک تکیے میں جس میں اذخر گھاس بھرا ہوا تھا)

اس روایت سے مروجہ جہیز کو سنت نبوی ﷺ سمجھنا بوجوہ غلط ہے۔

اوّل: اس روایت میں موجود لفظ جهز کو ''جہیز دینا'' کے معنی میں استعمال کرنا لغۃً غلط ہے۔ جهز کا مصدر تجہیز ہے اور تجهيز کے معنی مطلق تیاری کے ہیں۔ مثلاً

۱۔ جب ایک جماعت کے لئے رخصت سفر مہیا کئے جائیں تو کہیں گے۔

وجهز القوم تجهيز : اذاتكلف لهم بجهاز هم للسفر [2]

۲۔ اس طرح کہا جاتا ہے:

تجهيز الغازى : تحميله وا عداد مايحتاج اليه فى غزوة [3]

(تجهيز الغازى کا مطلب ہے غازی کے لیے سامان حرب مہیا کرنا)

۳۔ وجهزت فلاناً: هيّات جهاز سفره [4]

(جهز فلانا کے معنی ہیں۔ فلاں کیلئے رخصت سفر تیار کرنا وغیرہ)

اس تشریح سے یہ واضح ہو گیا کہ '' جهـز تـجهيـزا '' کے معنی ہیں کسی مقصد کیلئے کسی کو تیار کرنا۔ اس تیاری کے ساز و سامان کو عربی میں جہاز کہتے ہیں۔ قرآن مجید میں حضرت یوسف اور اُن کے بھائیوں کے قصہ میں یوں ارشاد ہوا ہے:

وَ لَمَّاجَهزهُمْ بِجَهَازِهِمْ [5]

(اور جب یوسف علیہ السلام نے ان (بھائیوں) کا سامان (راشن) تیار کر دیا)

اب یہاں یہ معنی تو نہیں لیا جا سکتا کہ جب حضرت یوسف علیہ السلام نے بھائیوں کو جہیز دیا۔ اس طرح احادیث میں بھی جهز کا لفظ استعمال ہوا ہے مگر وہاں 'جہیز' کا معنی لینا درست نہیں۔ مثلاً غزوہ خیبر کے موقع پر اُم المومنین حضرت صفیہؓ کے ساتھ دوران سفر حضور ﷺ کا نکاح کا تذکرہ یوں ہے:

حتى اذ كانو بالطريق جهز تها له ام سليمؓ فاهدتها له من الليل [6]

(جب آپ ﷺ نے رستے میں قیام کیا تو حضرت اُم سلیمؓ نے آپ کیلئے حضرت صفیہؓ کو تیار کیا اور رات کے وقت آپ ﷺ کے پاس بھیج دیا)

---

۱۔ نسائی، ابی عبدالرحمٰن احمد بن شعیب، السنن الکبریٰ النسائی، باب الجزء، ص: ۳/۳۴۴

۲۔ المرتضیٰ زبیدی، تاج العروس، ج:۱، ص:۳۶۹۹

۳۔ ایضاً

۴۔ ایضاً

۵۔ یوسف:۵۹

۶۔ نسائی، سنن الکبریٰ، باب الجزء، ص: ۴/۱۳۸

المختصر ' جھــــز ' کا معنی ''جہیز دینا'' نہیں بلکہ مطلق ہر قسم کے رخت کے لئے ہے۔صرف دلہن کیلئے نہیں۔عرف عام میں جہیز کے اصطلاح ''جہیز'' کیلئے عربی زبان میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں۔ہاں اب جہیز کیلئے ایک عربی لفظ ایجاد ہوا ہے اور وہ ہے ''البائنة'' لیکن یہ لفظ مولد ہے اور مولد کے معنی یہ ہیں کہ یہ لفظ قدیم عربی لغت میں موجود نہ تھا۔اب اسے ضرورت کے تحت پیدا کیا گیا یا بنایا گیا ہے۔اب سوچنے کی بات یہ ہے کہ جس مفہوم کیلئے عربی میں کوئی لفظ ہی موجود نہیں وہ سنت رسول ﷺ کیسے ہوگیا[1]

**دوم:** مروجہ جہیز کو سنت نبوی ﷺ سمجھنا اس لیے بھی صحیح نہیں کہ حضور ﷺ کی تین صاحبزادیوں کو اتنا سامان بھی نہیں دیا گیا اور حضور ﷺ کی رحمۃ للعالمین اور عادل اور منصف ذات سے یہ بات بعید ہے کہ آپ اپنی اولاد مبارکہ میں کسی قسم کا ترجیحی سلوک روا رکھیں۔جہاں تک ظاہری معاملات کا تعلق ہے۔ان میں کسی لڑکے یا لڑکی کو دوسری اولاد پر ترجیح دینا خلاف شرع ہے۔ایک روایت میں ایک واقعہ یوں نقل کیا گیا ہے:

**عن النعمان بن بشير اعطاني ابي عطية .فقالت امي عمرة بنت رواحة : لا ارضى حتى تشهد النبي ﷺ فاتى النبي ﷺ فقال: اني اعطيت ابني من عمرة عطية فامرتني ان اشهدك فقال: اعطيت كل ولدك مثل هذا؟ قال: لا قال فاتقوا الله واعدلوا بين اولادكم لا اشهد على جور[2]**

(حضرت نعمان بن بشیر کہتے ہیں کہ میرے والد بشیر نے مجھے بطور ھبہ کوئی چیز عطا کی۔میری والدہ عمرہ بنت رواحہ نے کہا۔میں اس وقت تک راضی نہ ہوں گی جب تک اس ھبہ پر رسول اللہ ﷺ کو گواہ نہ بنایا جائے۔پس میرے والد مجھے نبی ﷺ کے پاس لائے اور کہا کہ میں نے عمرہ کے کہنے پر اس بیٹے کو ھبہ کیا ہے۔اب کہتی ہے کہ اس ھبہ پر آپ ﷺ کو گواہ بناؤں۔آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کیا تو نے ساری اولاد کو اسی طرح ھبہ کیا ہے؟ (میرے والد نے) کہا نہیں۔آپ ﷺ نے فرمایا پس اللہ سے ڈرو اور اپنی اولاد کے درمیان عدل کرو۔میں اس ظلم پر گواہ نہیں بنتا)

اس روایت سے معلوم ہوتا ہے حضرت فاطمۃ الزہرا کا جہیز (اگر اسے جہیز کا نام دیا جا سکے۔حضور ﷺ کی طرف سے ہوتا عطیہ تھا۔ورنہ آنحضور ﷺ باقی صاحبزادیوں کو بھی ضرور عنایت فرماتے۔

**سوم:** جس طرح قرآن مجید کی بعض آیات بعض کی تفسیر کرتی ہیں۔اس طرح بعض احادیث بھی بعض کی وضاحت اور تفصیل بیان کرتی ہیں۔ذکر کردہ حدیث میں حضرت علی مرتضیٰؓ کے حوالے سے حضرت فاطمہؓ کو سامان تیار کر دینے کی نسبت حضور ﷺ کی طرف ہے۔جس سے یہ شبہ پڑتا ہے کہ حضور ﷺ نے یہ سامان اپنے پاس سے دیا تھا۔اس کے مقابلے میں دیگر بہت سی روایات ہیں جن میں یہ بات صراحت کے ساتھ مذکور ہے کہ مختصر سامان اس رقم سے خریدا اور تیار کیا گیا تھا جو حضرت علیؓ نے اپنی زرہ بیچ کر حضور ﷺ کی خدمت میں پیش کی۔

---

۱۔ سہ ماہی منہاج، لاہور: ج:۴، شمارہ:۳، ص:۱۸۱

۲۔ المتقی، علاؤالدین علی بن حسام الدین، کنزل العمال حدیث نمبر ۴۵۹۵، ص:۱۶/۵۸۵

بدلک منها وأمابدنک فبعها، فعتها بأوبعما ئة وثمانين فجئته بها ، فوضعتهافی حجر
فقبض منها قبضة فقال: أی بلال: ابتع لنا طيباً و فی رواية ابن أبی خثيمة، عن علی امر ﷺ
يجعل ثلث الأربعمائة وثمانين فی الطيب، و أمرهم أن يجهروها، فجعل لها سرير منسوج
دوسادةمن أدم حشوهاليف[1]

آخر میں (حضرت علی مرتضیٰؓ) نے حضور ﷺ کی خدمت میں پیش ہوکر پوچھا کہ آپ ﷺ فاطمہؓ کو مجھ سے بیاہنا پسند کریں گے؟ آپ ﷺ نے پوچھا کیا تمہارے پاس (مہر کے لئے) کچھ (مال) ہے؟ میں نے عرض کیا میرا گھوڑا ہے یا زرہ۔ فرمایا گھوڑے کی تو بہر حال تمہیں ضرورت رہے گی۔ رہی زرہ تو اسے فروخت کردو۔ چنانچہ میں نے اُسے چار سو اسی درھم میں فروخت کر دیا۔ پھر میں علیؓ رقم لے کر آیا اور حضور ﷺ کی گود میں رکھ دی۔ حضور ﷺ نے اس میں سے ایک مٹھی بھر کر فرمایا کہ بلالؓ اس رقم کی خوشبو ہمارے پاس خرید کر لاؤ۔ ابن خثیمہ نے حضرت علیؓ کی زبانی جو روایت بیان کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں۔ کہ حضور ﷺ نے حکم دیا کہ ان چار سو اسی درھم کی تہائی خوشبو میں خرچ کی جائے...... پھر حضور ﷺ نے لوگوں کو حکم دیا کہ ان (فاطمہؓ) کا سامان مہیا کریں۔ چنانچہ اُن کے لیے ایک بنی ہوئی چار پائی اور ایک چرمی تکیہ جس میں کھجور کی کھال بھری تھی تیار کئے گئے)

اس روایت سے یہ بات معلوم ہو رہی ہے کہ یہ سارا سامان حضرت علیؓ کی پیش کردہ رقم ''مہر'' سے خریدا گیا تھا نہ کہ حضور ﷺ کے اپنے مال سے۔

**چہارم:** قرآن وسنت اور کتب فقہ میں ازدواجی زندگی کی پوری تفاصیل موجود ہیں۔ قرآن نے ہدایات دیں اور صاحب قرآن علیہ الصلوٰۃ والسلام نے معاشرے میں ان کی عملی تفسیر فرمائی۔ عہد نبوی ﷺ اور پھر خلفائے راشدین کے زمانے میں ازدواجی زندگی سے متعلق مختلف مسائل سامنے آئے اور ہر پیش آمدہ مسئلے کا حل بتا دیا گیا۔ مثلاً جائز ناجائز رشتے، نکاح، طلاق، ظہار، ایلا، لعان، خلع، مفقود الخبر، حلالہ، مہر، حضانت، رضاعت، تجدید نکاح، عقد ثانی، نان نفقہ، وغیرہ ان تمام مسائل میں جو چیز نظر نہیں آتی وہ مسئلہ جہیز ہے پھر یہ کہ قرون اولیٰ کی شادیوں میں کہیں اس کا وجود نظر نہیں آتا۔ قرآن وسنت، کتب فقہ اور قرون اولیٰ کی شادیوں میں جہیز کا نہ پایا جانا بھی اس بات کا قرینہ ہے کہ یہ سنت نہیں ورنہ وہ لوگ ہم سے کہیں زیادہ متبع سنت تھے[2]

## جہیز کا درجہ:

مندرجہ بالا بحثوں سے یہ بات واضح ہو چکی ہے کہ شادی پر لڑکی کو والدین کا جہیز دینا کوئی شرعی حکم نہیں ہے۔ نہ ہی یہ لازمہ نکاح ہے اور نہ ہی یہ سُنت ہے۔ جہیز کا جملہ سامان مہیا کرنے کا ذمہ دار خاوند ہے۔ گھریلو ساز وسامان تو الگ نبی کریم ﷺ نے فاطمہؓ کیلئے خوشبو بھی جہیز کی رقم سے منگوائی۔ یہ سب کچھ تعلیم اُمت کے لئے تھا۔ ورنہ اگر حضور ﷺ چاہتے تو احد پہاڑ سونا بنا کر فاطمہؓ کو جہیز میں دے دیتے۔ اس کے باوجود جب یہ رسم (والدین کا شادی کے موقع پر سامان جہیز دینا) ہمارے معاشرے میں آ گئی ہے۔ عرف بن گئی ہیں گو

---

۱۔ زرقانی، شرح علامہ زرقانی علی المواهب الدينيّة (بیروت: دار لکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء)، ص: ۲/۳۵۹

۲۔ سہ ماہی منہاج، لاہور: ج: ۴، شمارہ: ۳، ص: ۱۸۵

رخصت کرتے وقت بطورنشانی ساتھ کچھ نہ دے۔تو اس رسم کو چند قیود کے ساتھ "الاصل فی الاشیا والا باحة" کے تحت مباح کا درجہ دیا جا سکتا ہے اور ہمارے بعض متاخرین فقہانے اس کو اپنی کتابوں، مثلاً فتاویٰ عالمگیری اور فتاویٰ شامی وغیرہ میں جگہ دی ہے لیکن اس کو حضرت فاطمۃ الزہراؓ کی ذات کی طرف منسوب کر کے جو ایک مذہبی تقدس دیا جاتا ہے اور اس مذہبی تقدس کی آڑ میں جو نمود و نمائش اور اظہار دولت کیا جاتا ہے اور ایک دوسرے کو نیچا دکھانے اور برتری حاصل کرنے کی جو سعی کی جاتی ہے وہ بہرکیف غلط ممنوع، خلاف شرع اور خلاف قرآن وسنت ہے[1]

ا۔ سہ ماہی منہاج، لاہور: ج:۴، شمارہ:۳، ص:۱۸۸

## بحث دوم: دعوت ولیمہ

نکاح کے بعد لڑکی کی طرف سے کوئی دعوت وغیرہ کا اہتمام کرنا غیر مسنون طریقہ ہے۔ البتہ نکاح کے بعد جب دلہن لڑکے کے گھر یعنی سسرال رخصت ہو کر آجائے تو اسی وقت یا شبِ زفاف کے بعد اپنی حیثیت کے مطابق دعوت کرنا اور لوگوں کو بلانا صحیح ہے۔ اس دعوت کو شریعت میں دعوت ولیمہ کہا جاتا ہے۔

### ولیمہ کا لغوی مفہوم:

**ولیمه بالکسرة بساحل بحر عمان** [1]

(اگر ولیمہ کو 'ؤ' کے کسرہ کے ساتھ پڑھا جائے تو عمان کے ساحل سمندر میں ایک جگہ ہے)

ولیمہ کا مادہ مجرد 'ولم' ہے۔

اس کے معنوں میں اجتماع کا مفہوم پایا جاتا ہے۔ جیسا کہ **تهذيب اللغه** میں:

**الولمة: تما الشيئى واجتماعه وأولم الرجل اجتمع خلقه و عقلة** [2]

(ولمة کا مطلب ہے کسی چیز کا مکمل ہونا اور جمع ہونا اور اولم الرجل اُس وقت بولا جاتا ہے جب آدمی کے اندر تخلیق اور عقل دونوں جمع ہوں)

### اصطلاحی تعریف:

**الوليمه يسمّٰى الطعام الذى يضع عند العرس وقال النبى ﷺ بعبد الرحمن بن عوف وقد جمع اليه اهله' : اولم . أى اضع وليهة . وأصل هذا كله من الاجتماع** [3]

(ولیمہ اُس کھانے کو کہا جاتا ہے جو شادی کے وقت تیار کیا جاتا ہے۔ یا بنایا جاتا ہے۔ حضور ﷺ نے عبدالرحمن بن عوف سے فرمایا: جب اُن کے گھر والے جمع ہو چکے تھے کہ اولم یعنی ولیمہ کرو: یہ سب باتیں اجتماع کا معنی لئے ہوئے ہیں)

**المصباح المنیر** میں ولیمہ کی تعریف یوں کی گئی ہے:

**الوليمة اسم لكل طعام يتخذ لجمع و قال ابن فارس هى طعام العرس** [4]

(ولیمہ ہر اُس کھانے کو کہا جاتا ہے۔ جو اجتماع کیلئے تیار کیا جاتا ہے اور ابن فارس نے کہا ہے کہ یہ شادی کے کھانے کیلئے بولا جاتا ہے)

---

۱۔ القاموس المحیط، ج:۳، ص:۲۸۵

۲۔ الازہری، تہذیب اللغۃ (مصر: ۱۹۶۴م) ج:۵، ص:۱۹۵

۳۔ ایضاً

۴۔ المقری، احمد بن علی، المصباح المنیر (بیروت: المکتبۃ العلمیۃ) ج:۱۰، ص:۴۴۹

**ولیمہ کے ایام:**

ولیمہ کی دعوت کو قبول کرنے کے تین دن ہیں۔ اوّل جس دن نکاح ہوا۔ دوسرے نکاح کے دوسرے روز جس روز عورت رخصت ہو کر مرد کے گھر چلی آئے اور تیسرے نکاح کے تیسرے دن یعنی عورت کی رخصتی کے بعد ایک روز ناغہ دے کر ولیمہ کی دعوت کرنا درست ہے۔ پہلے دن ولیمہ کرنا حق ہے، دوسرے دن سنت ہے اور تیسرے دن ولیمہ کا کھانا کھلانا نام ونمود، دکھلاوا اور ریا کاری اور شہرت حاصل کرنے کا ایک ذریعہ ہے۔ آپ ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

طعام اول يوم حق، طعام اليوم الثانى سنة ،وطعام اليوم الثالث سمعة و من سمع سمع الله به[1]

(پہلے دن کا کھانا حق ہے۔ دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا شہرت حاصل کرنے کا ذریعہ ہے اور جس شخص نے نام ونمود کرنے کی کوشش کی اللہ تعالیٰ اس کو قیامت کے دن اس کے نام ونمود اور شہرت کی وجہ سے رُسوا کرے گا)

الغرض عقد نکاح کے بعد شادی کی خوشی میں تین روز کے اندر جو دعوت کی جائے اُسے ولیمہ کہتے ہیں۔ زفاف یا خلوت صحیحہ دعوت ولیمہ کرنے کے لئے شرط نہیں ہے۔

جو لوگ رخصتی کے تیسرے دن ایک روز ناغہ دے کر آرام کر کے۔ بڑی شان وشوکت، آن بان اور نہایت اہتمام کے ساتھ ولیمہ کرتے ہیں۔ وہ لوگ آنحضورﷺ کی منشاء کے خلاف کرتے ہیں۔ ولیمہ تو ضرور ہو جاتا ہے مگر نبی پاک ﷺ کے فرمان کے مطابق سنت ادا نہیں ہوتی۔ حالانکہ ولیمہ کرنے کا مطلب سنت کی ادائیگی ہے اور ہونا چاہیے۔

اوپر ذکر کی گئی حدیث مبارکہ سے مقصد یہ ہے کہ آدمی جتنی جلدی کام کرے گا کم اہتمام کرے گا اور جتنی دیر لگے گا۔ اتنا ہی زیادہ اہتمام کرے گا اور اس کا مقصد سوائے نام ونمود کے اور کیا ہو سکتا ہے اور نام ونمود کی جو مذمت شریعت میں آئی ہے۔ اس سے ہر مسلمان واقف ہے۔ نام ونمود اور دکھاوے سے بڑی سے بڑی عادت ثواب کی بجائے عذاب کا سبب بن جاتی ہے[2]

**ولیمہ اور تاکید نبویﷺ:**

اسلام میں شادی کی دعوت صرف ایک ہے اور وہ ولیمہ ہے۔ اس کے لئے حضور ﷺ نے بہت تاکید فرمائی ہے۔ حدیث مبارکہ میں ہے:

وقال عبدالرحمن بن عوف قال لى النبىُ ... اولم و لو بستاةٍ[3]

(حضرت عبدالرحمٰن بن عوف فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا کہ ولیمہ ضرور کرو۔ چاہے تمہارے پاس ایک بکری ہی کیوں نہ ہو)

یہ عرب میں مفلس ہونے کی سب سے بڑی علامت تھی۔ وہاں تو بھیڑ اور بکریاں پالی جاتی تھیں۔ لوگوں کے پاس ان کے ریوڑ ہوتے تھے۔ لیکن فرمایا کہ اگر ایک ہی بکری ہے تو وہی ذبح کردو۔ گوشت پکاؤ اور کھلاؤ۔

---

۱۔ ترمذی، الجامع سنن ترمذی، باب الولیمہ حدیث نمبر ۱۰۹۷، ص: ۴۰۳/۳

۲۔ ماہنامہ الرشاد، (مارچ ۱۹۸۳ء)، ج نمبر: ۳، شمارہ: ۲۶، ص: ۴۷

۳۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب الولیمہ حق، ج: ۵، ص: ۱۹۸۲

آنحضرت ﷺ نے جب بھی نکاح کیا تو ولیمہ ضرور کیا اور جب بھی اپنے صحابیؓ کا نکاح پڑھایا یا کسی صحابیؓ کی شادی کا علم ہوا تو انہیں بھی حسب میسر بلا تکلف وتفاخر ولیمہ کی دعوت کرنے کا حکم دیا۔

## حیثیت کے مطابق ولیمہ:

بقدر استطاعت اور حسب توفیق ولیمہ کرنا سنت ہے۔ وسعت سے زیادہ ولیمہ میں خرچ کرنا۔ قرض لے لے کر ولیمہ کی دعوت کا انتظام کرنا سنت نہیں بلکہ سنت پر زیادتی ہے اور اس طریقہ کار کو بگاڑنا، اس کی سادگی اور آسانی کو توڑ مروڑ کر خواہ مخواہ دشوار طریقوں کو اختیار کرنا دنیا وعاقبت دونوں کو خراب کرنا ہے۔

شریعت کی نظر میں ولیمہ وہی ہے جو بلا تکلّف اور بغیر کسی شان وشوکت، زیب وزینت کے جو کچھ میسر ہو سادگی کے ساتھ کھلا دیا جائے۔ آنحضور ﷺ نے جب بھی نکاح کیا اس وقت جو کچھ موجود رہا ولیمہ میں بے تکلّف اور بے جھجک کھلا دیا۔ حضرت صفیہؓ کے نکاح میں ولیمہ کی کیفیت حضرت انسؓ کی زبانی جو اس ولیمہ کے داعی تھے وہ بیان فرماتے ہیں کہ حضرت صفیہؓ کے نکاح کے بعد آپ ﷺ نے جو دعوت ولیمہ دی۔

وما كان فيها من خبز ولا لحم وما كان فيها الا ان امر بلالا بالانطاع فبسطت فالقى عليها التمر والأقط والسمن [1]

(اس میں نہ تو روٹی تھی اور نہ گوشت بلکہ اس میں یہ کہا گیا کہ حضرت بلالؓ نے حکم مطابق چمڑے کے دسترخوان بچھا دیئے اور اس پر کھجوریں، کچھ پنیر اور کچھ گھی وغیرہ رکھ دیا گیا اور لوگوں نے اسے کھایا)

## دعوت ولیمہ میں کن لوگوں کو بلانا چاہیے:

عام طور لوگ شادی بیاہ میں اپنے مالدار، ممتاز اعزہ واحباب، بڑے بڑے عہدیداروں، امراء اور ممتاز لوگوں کو بلانے کی کوشش کرتے ہیں اور اس میں اپنا ایک غیر معمولی اعزاز محسوس کرتے ہیں اور غریب اعزہ واحباب کو حتی الامکان بلاتے نہیں اور اگر کسی دباؤ، لحاظ یا ضرورت کی بنا پر شریک کر لیتے ہیں یا وہ خود شریک ہو جاتے ہیں تو ان کو ایک تکدر محسوس ہوتا ہے اور اپنے دامن اعزاز پر ان کی شرکت کو ایک داغ سمجھتے ہیں اور جو لوگ عہدیداروں اور ممتاز لوگوں کو نہیں بلاتے یا نہیں بلا پاتے۔ ان میں بھی اکثریت ایسے لوگوں کی ہوتی ہے جن کے دل میں یہ خواہش چٹکی لیتی رہتی ہے کہ کاش یہ لوگ کسی وقت غریب خانے پر آ جاتے مگر بے چارے یا تو یہ سوچ کر نہیں بلاتے کہ ان کی شایان شان خاطر مدارت وہ نہ کر سکیں گے یا یہ سوچتے ہیں کہ وہ آئیں گے نہیں مگر ایسے لوگ بہت کم ہوتے ہیں جو ان مواقع پر غیر متعلق ممتاز لوگوں کے بجائے اپنے غریب اعزہ احباب اور پڑوسیوں کو خوشی سے بلاتے ہوں اور ان کی شرکت سے ان کو خوشی بھی محسوس ہوتی ہو یہ آج کل کے مسلمانوں کا طرز عمل ہے اور نبی کریم ﷺ کا ارشاد پاک ہے:

شرّ الطعام طعام الوليمه يدعى لها الاغنياء و يترک الفقراء [2]

(سب سے ناپسندیدہ کھانا اس دعوت ولیمہ کا ہے جس میں مالدار لوگ بلائے جائیں اور غرباء اور محتاج چھوڑ دیئے جائیں)

آپ ﷺ کی ایک دوسری حدیث میں یوں ہے:

---

۱۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب غزوۃ خیبر، حدیث نمبر ۳۹۷۶، ص: ۱۵۴۳/۴

۲۔ بخاری، الجامع الصحیح، باب من ترک الدعوۃ فقد عصی، حدیث نمبر: ۴۸۸۲، ص: ۱۹۸۵/۵

شر الطعام الوليمه يمنعها من يا تيها و يدعى إليها من يا با ها [1]

(سب سے بُرا کھانا وہ ہے جس میں ان لوگوں کو تو روکا جائے جو آنا چاہتے ہوں اور ان لوگوں کو بلایا جائے جو نہ آنا چاہتے ہوں)

## دعوت ولیمہ میں شرکت:

جس طرح ولیمہ کی دعوت کرنا سنت ہے۔اس طرح ولیمہ کی دعوت قبول کرنا اور ولیمہ کا کھانا بھی سنت ہے حضور ﷺ کا فرمان پاک ہے:

عن عبدالله بن عمرؓ اذا دعی احدکم إلی الوليمة فلياتها [2]

(حضرت عبداللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے ضرور جانا چاہیے)

دوسری حدیث میں ہے:

اذادعااحدكم اخاه فليجب عرساً كان أو نحوه [3]

(جب تم میں سے کوئی اپنے بھائی مسلمان کو دعوت دے،خواہ شادی کی دعوت ولیمہ ہو یا کوئی اور موقع پر دعوت ہو تو ضرور قبول کرنا چاہیے)

## عدم شرکت باعث نافرمانی:

جس شخص کو دعوت دی گئی اور اس نے قبول نہ کی تو ایسے شخص کو نافرمان کہا گیا ہے ارشاد ہوتا ہے۔

ومن ترك الدعوة فقدعصى الله تعالىٰ و رسولهﷺ [4]

(جس شخص نے دعوت کو ترک کر دیا تو اُس نے اللہ اور اُس کے رسول ﷺ کی نافرمانی کی)

اگر کسی شخص کو روزہ کی حالت میں دعوت ولیمہ مل رہی ہے تو بھی قبول کر لینی چاہیے۔

اذا دعی احدكم فليجب فان كان صاماً فليصل وان كان مفطراً فليطعم [5]

(جب تم میں سے کسی کو دعوت دی جائے تو اُسے قبول کر لینی چاہیے پس اگر روزہ کی حالت میں ہو تو تمہیں چاہیے کہ وہاں جا کر نماز پڑھو اور اگر تم روزے کی حالت میں نہیں ہو تو وہاں جا کر کھاؤ)

---

۱۔ مسلم،الجامع الصحیح ......باب الامر باجابة الداعی،حدیث نمبر:۳۵۹۸،ص:۱۵۳/۴

۲۔ بخاری،الجامع الصحیح،باب حق اجابة الولیمہ والدعوة،حدیث نمبر:۴۸۷۸، ص:۱۹۸۴/۵

۳۔ مسلم الجامع الصحیح،باب الامر باجابة الداعی الی الدعوة،حدیث نمبر:۳۵۸۶،ص:۱۵۲/۴

۴۔ بخاری،باب من ترک الدعوة فقد عصی،حدیث نمبر:۴۸۸۲، ص:۱۹۸۵/۵

۵۔ مسلم،الجامع الصحیح،باب الامر باجابة الداعی الی دعوة،حدیث نمبر:۳۵۹۳،ص:۱۵۳/۴

## خلاصۂ بحث:

۱۔ ''جہیز'' سے مراد وہ ساز و سامان ہے جو عورت کو نکاح کے بعد دوسرے گھر رخصتی کے موقع پر دیا جاتا ہے۔

۲۔ ''مروجہ جہیز'' کو سنت نبوی ﷺ قرار دینا درست نہیں۔

۳۔ اوّلین فقہا نے ''جہیز'' کو موضوع بحث نہیں بنایا۔

۴۔ متاخرین فقہا کے فتاویٰ میں جہیز کے بارے میں جزوی احکامات ملتے ہیں۔

۵۔ ''السید سابق'' جہیز کو ایک ''عرف'' قرار دیتے ہیں۔

۶۔ لڑکے والوں کی طرف سے ''جہیز'' کا مطالبہ درست نہیں۔

۷۔ کچھ روایات سے ہمیں اس طرف اشارہ ملتا ہے کہ حضور ﷺ نے حضرت فاطمہؓ کو جہیز دیا جبکہ دوسری روایت وضاحت کرتی ہیں کہ یہ سامان حضور ﷺ نے اپنے پاس سے نہیں بلکہ حضرت علیؓ کی پیش کردہ رقم سے دیا۔

۸۔ اسلام میں نکاح کے موقع پر صرف ایک دعوت ''دعوتِ ولیمہ'' مسنون ہے۔ مہندی و بارات کی دعوتوں کی کوئی حقیقت نہیں۔

۹۔ ولیمہ بقدر استطاعت اور حیثیت کے مطابق کرنا چاہیے۔

۱۰۔ ایسی دعوت جس میں صرف امیروں کو بلایا جائے ''شر الطعام'' قرار دیا گیا ہے۔

۱۱۔ دعوتِ ولیمہ میں اگر بلایا جائے تو حتی الامکان شرکت کرنی چاہیے۔

# ﴿ باب پنجم ﴾

## رسوم کی اِصلاح ___ تجاویز و آراء

تاریخ کا یہ بڑاہی عبرتناک المیّہ ہے کہ ملّت اسلامیہ جو کم وبیش آٹھ صدیوں تک تاریخ کی حریف قوتوں کی سحیر وران کا مقابلہ کرتی رہی، اس نے زندگی کے ہر شعبے میں اقوام عالم کی امامت کی اور اس کی تہذیب وثقافت تمام دنیا کے لیے مثالی نمونہ بنی رہی بالآخر مضمحل وناتواں ہو کر تاریخ کی مخالف قوتوں کی حریف نہ ہو سکی۔ نتیجتاً زوال پذیر مغلوب اور مسخر ہو گئی، حقیقت یہ ہے کہ ہر عروج کا زوال ہے۔ یہ سب قادر مطلق کی حکمتیں ہیں۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

وَ تِلْكَ الْاَيَّامُ نُدَاوِلُهَا بَيْنَ النَّاسِ ۚ وَلِيَعْلَمَ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَيَتَّخِذَ مِنْكُمْ شُهَدَآءَ ؕ وَاللّٰهُ لَا يُحِبُّ الظّٰلِمِيْنَ [۱]

(اور ہم ان ایام کو لوگوں کے درمیان ادلتے بدلتے رہا کرتے ہیں اور تا کہ اللہ تعالیٰ ایمان والوں کو جان لیوے اور تم میں سے بعضوں کو شہید بنانا تھا اور اللہ تعالیٰ ظلم کرنے والوں سے محبت نہیں رکھتے)

اصل یہ ہے کہ اس عالم حوادث ومبازرت میں اقوام عالم اپنے عقائد جلیلہ ومحرّ کہ کی بدولت زندہ وتوانا رہتی اور تاریخ کی حریف قوتوں کا مقابلہ کرتی ہیں۔ ان عقائد سے مراد ایسے زندہ حرکی افکار ہیں جو کسی قوم کی اجزائے زندگی کے جز ولاینفک ہوتے ہیں اور اس میں قوت وتوانائی اور احساس برتری پیدا کرتے ہیں۔ نیز دوسری اقوام پر ثقافتی غلبہ حاصل کرنے اور ان کی قیادت کرنے کی تحریک کرتے رہتے ہیں۔ کسی قوم کی ثقافت کی بقا اور اس کے ہمہ جہت نشو وارتقاء کا انحصار ان عقائد کے جمال وجلال، حیات اور حق وصداقت پر ہوتا ہے۔ چنانچہ ملت اسلامیہ اور اس کی ثقافت نے اپنے عروج وارتقاء کے دور میں مشرق ومغرب میں جو ہمہ جہت ترقی کی تھی اس کا بنیادی سبب یہ تھا کہ اس کی فکری وعملی زندگی میں اسلام کے عقائد جلیلہ جاری وساری تھے۔ جس میں ہمہ جہت ارتقاء کے لامحدود امکانات موجود ہیں۔

ڈاکٹر نصیر احمد ناصر ملّتِ اسلامیہ کے عروج زوال کی داستان بیان کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''جس طرح یہ سچ ہے کہ ملّتِ اسلامیہ نے اپنے عقائد جلیلہ ومحرّ کہ کی بدولت تقریباً آٹھ سو برس اقوام عالم کی قیادت کی، علم وحکمت اور سائنس وٹیکنالوجی کا احیاء کیا۔ ان کی سرحدوں کو وسیع کیا اور ان کے ارتقائے مدام کے لیے جادۂ مستقیم کی تعین کی، نیز اس کے فن وادب اور صنعت وحرفت میں ایسی ترقی کی کہ اقوام عالم کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا۔ اس طرح یہ بھی سچ ہے کہ وہ اپنے عقائد جلیلہ ومحرّ کہ کو اپنی زندگی سے اور قلم سائنس اور ٹیکنالوجی کو اپنے مدرسے سے نکال کر کمزور وناتواں اور ذلیل وخوار ہوئی ہے۔ یہ درست ہے کہ اسلام دشمن قوتوں اور اس کے اپنے اعمال کی وجہ سے اس کا شیرازہ بکھر چکا ہے۔ اور اس کا کوئی مرکز بھی نہیں رہا۔ نیز اس میں طرح طرح کے تضادات بھی پائے جاتے ہیں''[۲]

---

۱۔ ال عمران، ۱۴۰

۲۔ ناصر، نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، ص: ۷۰۶، ۷۰۷

ارباب علم وبصیرت اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں کہ قوموں کے عروج وزوال میں جہاں مشیت ازدی مؤثر ہوتی ہے وہاں انسانی اعمال بھی اس کا سبب بنتے ہیں، خارجی زندگی باطنی زندگی کا عکس ہوا کرتی ہے۔ ہماری باطنی زندگی یا نفس جیسا ہوگا۔ ویسا ہی عکس ہمارے خارجی حالات ہوں گے، ویسا ہی ہمارا آفاق ہوگا۔ آفاق تابع النفس ہے۔ آفاق میں تغیر نفس میں تغیر کے تابع ہے۔ اس صداقت کو قرآن مجید نے ایک سے زیادہ جگہ واضح کیا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

اِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [1]

(بے شک اللہ تعالیٰ کسی قوم کی حالت میں تغیر نہیں کرتا۔ جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت کو نہیں بدلتے)

دوسری جگہ ارشاد ہوتا ہے:

ذٰلِكَ بِاَنَّ اللّٰهَ لَمْ يَكُ مُغَيِّرًا نِّعْمَةً اَنْعَمَهَا عَلٰى قَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِهِمْ [2]

(یہ بات اسی سبب سے ہے حق تعالیٰ کسی ایسی نعمت کو جس کسی قوم کو عطا فرمائی ہو نہیں بدلتے جب تک کہ وہ لوگ اپنے انفس کو نہیں بدل ڈالتے)

خارج کا تغیر ماحول کا بدلنا، حالات پر قابو پانا ہو تو باطن کا تغیر انفس کا بدلنا ضروری ہے۔ یعنی انسان کو جن اعمال کا سامنا کرنا پڑتا ہے یہ اُس کی شامت اعمال ہوتی ہے قرآن مبین میں اس کی وضاحت یوں کی گئی ہے:

"وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ [3]

(اور تم کو جو مصیبت پہنچتی ہے وہ تمہارے ہی ہاتھوں کے کیے ہوئے کاموں سے ہے۔ اور بہت سے تو درگزر ہی کر دیتا ہے)

قرآن حکیم کے اس اصول کی وضاحت میں صوفیائے کرام نے جو مثال استعمال کی ہے۔ وہ نہایت صحیح اور صاف ہے۔ وہ شخص اور سایہ سے اس اصول کو سمجھاتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ ظل یا سایہ شخص کے تابع ہوتا ہے۔ اگر کوئی شئے ٹیڑھی ہو تو اس کا سایہ بھی ٹیڑھا ہوگا اور اگر سیدھی ہو تو سایہ بھی سیدھا ہوگا۔ انفس شخص کی مانند اور ماحول اور حالات اس کا سایہ یا صفات و اعمال شخص کی مثال ہے اور حالات و واقعات ان کا عکس اور سایہ ہیں [4]

مندرجہ بالا بحث سے یہ بات اخذ کی جاتی ہے کہ کامیابی اور ناکامی ہر ایک کا دار مدار انسانی اعمال پر ہے۔ آج کے دور میں مسلمانوں کو زندگی کے ہر شعبے میں بعض رسوم ورواج نے تباہ کر رکھا ہے اور فکری طور پر جمود کا شکار ہو گئے ہیں۔ اس حالت کو سدھارنے کے لیے غیر ضروری رسومات کی جکڑ بندیوں کا طوق گردن سے اُتارنا ہوگا اور دینِ اسلام کے لازوال اصول وقوانین اپنا کر اپنی عام ... ایک دفعہ پھر اپنی برتری قائم کرنا ہوگی۔ اس مقصد کے حصول کے لیے ایک عظیم جدّ وجہد درکار ہے۔ جیسا کہ شاہد حسین رزاقی کہتے ہیں:

"رسوم ورواج کا اثر اس قدر قوی اور وسیع ہوتا ہے اور اس کی جڑیں اتنی مضبوط ہو جاتی ہیں کہ ان کی اصلاح کے لیے بہت منظم طریقے پر ہمہ گیر جدّ وجہد کرنے کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ جدوجہد اسی وقت کامیابی حاصل کرتی ہے جب قوم کے حالات کو پوری ملحوظ رکھتے ہوئے ہر قسم کے قانونی اور ترغیبی وسائل سے کام لیا جاتا ہے" [5]

---

۱۔ الرعد: ۱۱

۲۔ الانفال: ۵۳

۳۔ شوریٰ: ۳۰

۴۔ ولی الدین، میر، ڈاکٹر، قرآن اور تعمیر سیرت، (لاہور: پروگریسو بکس اُردو بازار ۱۹۸۸ء) ص: ۲۱۵

۵۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص: ۲۸۱

غیر شرعی رسومات کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور معاشرہ کو پُرامن پاکیزہ اور مثالی معاشرہ کا رُوپ دیا جاسکتا ہے۔

## ۱۔ تعلیماتِ اسلامی کا احیاء:

دین اسلام ایک مکمل ضابطہ حیات ہے۔ یہ زندگی کے تمام گوشوں سے متعلق مکمل معلومات رکھتا ہے۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جہاں ہم رہنمائی کے لیے کسی دوسری طرف متوجہ ہوں۔ اس کے لیے سب سے پہلے ہمیں جس چیز کا دامن تھامنا ہوگا وہ اللہ کی آخری کتاب قرآن مجید ہے۔ جو تمام علوم و تعلیمات کا سرچشمہ ہے۔ آج ضرورت اس بات کی ہے کہ قرآن مجید کو گھر میں محض برکت کی نیت سے رکھنے کے بجائے اس کے معنی و مطالب پر غور کرتے ہوئے اپنی روزمرہ زندگی کے مسائل کا حل نکالنا ہوگا۔ آقا دو جہاں ﷺ نے حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا۔

”ترکت فیکم أمرین لن تضلوا ما تمسکتم بهما کتاب اللّٰہ سُنّة نبیه“ ۱

(میں تم میں دو چیزیں چھوڑے جارہا ہوں، کتاب اللہ اور اپنی سنت، انہیں تھامے رہو گے تو گمراہ نہ ہوگے)

تمسک بالکتاب کی صورت میں غیروں کے طور طریقوں کو اپنانے کے بجائے اسلام کے سنہری اصولوں پر عمل ہوگا۔ آج ہم اُس دستور العمل کو بھول چکے ہیں جو حضور ﷺ نے اپنایا تھا۔ دین اسلام صرف عبادات تک محدود نہیں۔ بلکہ معاملات و معاشرت بیاہ شادی سے متعلق بھی مکمل رہنمائی ملتی ہے۔ اور حضور ﷺ کا اُسوہ زندگی کے ہر میدان میں ہماری رہنمائی کرتا ہے۔

قرآن مجید میں اس حقیقت کو یُوں بیان کیا گیا ہے:

لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰهِ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ ۲

(تحقیق تمہارے لیے رسول اللہ ﷺ کی زندگی میں بہترین نمونہ ہے)

آج اسی اسوۂ حسنہ کو ترک کرنے کی بنا پر ساری پریشانیاں منہ کھولے کھڑی ہیں اور خود ساختہ طریقے اور رسوم و رواج کو دین و شریعت کی جگہ دے دی گئی ہے۔ آج حالات اس بات کا تقاضا کر رہے ہیں کہ زندگی کے ہر شعبہ کو اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالا جائے، غیروں کے اطوار اور جاہلانہ رسوم کو ترک کر دیا جائے۔ کیونکہ اسلام اور جاہلانہ رسوم ایک ساتھ اپنائی نہیں جاسکتیں۔ جیسا کہ قطب شہید فرماتے ہیں:

”اسلام کی یہ شان نہیں کہ وہ جاہلی تصورات کے ساتھ مصالحانہ رویہ اختیار کرے۔ یہ مؤقف اسلام نے اس روز بھی اختیار نہ کیا جس روز اس نے دنیا میں قدم رکھا اور نہ آئندہ اس کی اُمید ہوسکتی ہے۔ کیونکہ جاہلیت خواہ کسی دور کی بھی ہو جاہلیت ہے“ ۳

یہ دین صرف کتابی دین نہیں بلکہ اس کا ہر پہلو عملی طور پر مسلمانوں کے سامنے پیش کیا گیا۔ اور نبی ﷺ نے تمام احکامات پر عمل کر کے دکھایا۔ اور رسول اللہ ﷺ کی بعثت کا مقصد بھی یہی تھا۔ مولانا مودودی ”سُنت کی آئینی حیثیت“ میں لکھتے ہیں

”اس (اللہ تعالیٰ) نے قرآن مجید میں مجمل احکام و ہدایات دے کر یا کچھ اصول بیان کر کے یا اپنی پسند و ناپسند کا اظہار کر کے یہ کام اپنے رسول اللہ ﷺ کے سپرد کر دیا۔ کہ وہ نہ صرف لفظی طور پر اس قانون کی تفصیلی شکل مرتب

---

۱۔ مالک بن انس، الموطا، کتاب الجامع، باب النهی عن القول بالقدر، حدیث نمبر: ۳۳۳۸، ص: ۵/۳۲۳

۲۔ الاحزاب: ۲۱

۳۔ شہید، سید قطب، جادہ منزل، ترجمہ (خلیل احمد حامدی) (بیروت: الاتحاد الاسلامی العالمی، ۱۹۸۰ء) ص: ۶۳

کرے بلکہ عملاً اسے برت کراور اس کے مطابق کام کرکے بھی دکھائے ۔[1]

اس عہدِ زرّیں کے بعد صحابہ کرامؓ نے اس دینِ حنیف کے مطابق زندگی بسر کی اور دورِ ماضی میں ایک عرصہ تک صرف اس وجہ سے دنیا پر حاکم رہے کہ انہوں نے اس دین کو اپنی زندگی کا حصہ بنایا تھا۔

چنانچہ سعید اکبرآبادی یوں رقمطراز ہیں:

''تاریخ اسلام کا ایک مبتدی بھی جانتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کی وفات کے چند سالوں بعد ہی مسلمانوں نے جزیرۃ العرب سے نکل کر دنیا کے مختلف گوشوں میں پھیلنا شروع کر دیا اور ہر طرح کی سختیوں کے باوجود اس اندازسے آگے بڑھتے رہے کہ پہلی صدی ہجری کے ختم ہونے سے پہلے پہلے انہوں نے مشرق میں سندھ اور چینی ترکستان تک اور مغرب میں اندلس تک اپنی مملکت وحکومت کے حدود وسیع کر لیے اور ان ملکوں میں صرف سیاسی طاقت وقوت ہی حاصل نہیں کی بلکہ اسلام کی حقانی تعلیمات اور اسلامی تمدّن وتہذیب کی نا قابلِ ردّ دلکشی نے ایسا رنگ جمایا کہ چند ملکوں کو چھوڑ کر تمام مفتوحہ ممالک خالص اسلامی ملک بن گئے''۔[2]

آج بھی مسلمان اپنے معاشرے سے غیر ضروری پابندیوں، مصنوعی جکڑ بندیوں اور مضر رسوم ورواج کو ختم کرنے کے لیے صرف اسلامی تعلیمات کا سہارا لے سکتے ہیں۔ اسلامی تعلیمات کو بھرپور طریقے سے تب ہی اپنایا جا سکتا ہے۔ جب کہ ہم اسلامی معاشرے کے جامع نظام کا حصہ ہوں۔ ہمیں اس تلخ حقیقت کو تسلیم کرنا پڑے گا کہ ہمارے معاشرے میں بہت حد تک غیر اسلامی روایات کی پاسداری کی جاتی ہے اور لوگوں نے غیر اسلامی زندگی بسر کرنے کے لیے بہت سے حیلے بہانے تلاش کر رکھے ہیں۔ بقول منشی عبدالرحمن:

''یورپین تمدّن کی جھولی میں پڑے ہوئے کچھ لوگ کہتے ہیں کہ شریعت موجودہ دور کے تقاضوں کو پورا نہیں کرتی ..... بعض لوگوں کا خیال ہے کہ شریعت کے کچھ حصّے تو ایسے ہیں جواب بھی بڑے کارآمد ہیں۔ مگر سارے نہیں .......... مسلمانوں نے اسلام کو سمجھا ہوتا تو کبھی ایسی باتیں اپنی زبان نہ لاتے''۔[3]

ایسی تمام تاویلیں درحقیقت دین کو دُنیا سے الگ کرنے کا نتیجہ ہیں۔ مسلمانوں نے دین اور دُنیا الگ الگ حصّوں میں بانٹ دیا ہے۔ دین صرف بدنی عبادات تک محدود ہوکر رہ گیا ہے۔ جیسا کہ دنیاوی اُمور کو زیادہ تر غیر اسلامی طور طریقوں سے طے کیا جاتا ہے۔

ایسی صورتِ حال میں اس بات کی اشد ضرورت ہے کہ مسلمانوں کو یقین دلایا جائے کہ موجودہ تمام مسائل کا حل اسلام کے اندر موجود ہے۔ اسے مسخ کرنے کی ضرورت نہیں اس کے مکمل نفاذ کے لیے جذبۂ صادق عمل میں لانے کی ضرورت ہے۔ اگر ہم اس دور کی طاغوتی طاقتوں کو زیر کرنا چاہتے ہیں تو ہمیں نفسانی خواہشوں سے منہ موڑ کر اسوۂ رسول اللہ ﷺ کو زندگی کا حصہ بنانا ہوگا۔ کیونکہ آپ ﷺ ہی وہ ہستی ہیں جو آج سے چودہ سو سال پہلے موجودہ مغربی تہذیب کے آباء یعنی یہود، نصاریٰ اور منافقین کو زیر کر چکی تھی۔ تو پھر آج کیسے ہم اس اُسوۂ رسول اللہ ﷺ کو اپنا کر غیر اسلامی اثرات کا خاتمہ نہیں کر سکتے۔ نعیم صدیقی ''محسن انسانیت'' میں لکھتے ہیں:

''ذرا غور کیجئے اس ہستی ﷺ نے کس مہارت سے مُٹھی بھر مسلمانوں کے بل پر ایک مضبوط فوجی نظام اور طلایہ گردی کا سلسلہ قائم کیا.......... کس زیرکی سے یہود اور منافقین کی سازشوں کی کاٹ کی.......... اس سارے کام میں قائدانہ بصیرت سیاسی مہارت اور مضبوط حکمت عملی کے جو حیرت ناک شواہد پھیلے ہوئے ہیں۔ ان سے لوگ کس طرح صرف نظر کر لیتے ہیں''۔[4]

---

۱۔ مودودی، سیّد ابوالاعلیٰ، مولانا، سُنت کی آئینی حیثیت (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، جولائی ۱۹۸۷ء) ص: ۹۷

۲۔ اکبرآبادی، سعید احمد، مولانا، مسلمانوں کا عروج وزوال، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اپریل ۱۹۸۳ء) ص: ۹

۳۔ منشی، عبدالرحمن، خان، مذہب اور سائنس، (ملتان: عالمی ادارہ اشاعت علوم اسلامیہ، اپریل ۱۹۸۲ء) ص: ۶۶ تا ۷۳

۴۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء) ص: ۴۳

### ۲۔ اسلامی تعلیم وتربیت:

کسی قوم یا معاشرے میں اصلاح کے لیے بہترین طریق اس کے افراد میں ذہنی اور فکری صلاحیت پیدا کرنا ہے۔ جس سے وہ خود بخود اپنی اصلاح کی طرف مائل ہوں۔ بدلتے ہوئے حالات کے ساتھ ساتھ رسوم ورواج میں تبدیلی پیدا کریں۔ بُری رسوم کو ترک کریں اور اچھی رسمیں اختیار کریں ان میں اچھائی اور برائی پرکھنے کی تمیز پیدا ہو۔

اس مقصد کے حصول کے لیے اسلامی تعلیم کا پرچار عام ہونا چاہیے۔لوگ جتنے زیادہ پڑھے لکھے، باشعور اور سمجھدار ہوں گے۔ اسی قدر اسلامی قوانین کے نفاذ پر عمل درآمد ہو سکے گا۔جُوں جُوں قوم تعلیم یافتہ اور باشعور ہوتی جائے گی۔تو ہمانہ رسومات خود بخود معاشرے سے ختم ہوتی جائیں گی۔ کیونکہ تعلیم کا بنیادی ڈھانچہ اسلامی تعلیمات پر ہی کھڑا کیا جائے گا۔علم ایک نُور ہے جس سے جہالت اور تاریکی کے پردے چھٹ جاتے ہیں۔ جہالت انسان کو خدا اور مذہب دونوں سے دُور لے جاتی ہے۔اسلام جو کہ ایک فطری دین ہے۔حصولِ علم پر خاص توجہ دیتا ہے۔قرآن مجید میں ارشاد باری تعالیٰ ہے:

فَسْئَلُوْٓا اَهْلَ الذِّكْرِ اِنْ كُنْتُمْ لَا تَعْلَمُوْنَ [۱]

(سو اگر تمہیں علم نہیں تو اہلِ علم سے پوچھ لو)

احادیث مبارکہ میں حصول علم پر یُوں زور دیا گیا ہے:

عن انس بن مالک قال :قال رسول اللہ ﷺ طلب العلم فریضة علی کل مسلم [۲]

(حضرت انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا۔علم حاصل کرنا ہر مسلمان پر فرض ہے)

دار اصل جہالت اور کم علمی ہی کی بدولت معاشرے کے تمام قبیح رسوم ورواج جنم لیتے ہیں اس لیے معاشرے کے ہر فرد کو تعلیم یافتہ بنانا ہی دراصل ان رسوم ورواج کے خاتمے کی پہلی سیڑھی ہے۔تعلیم مختلف نوعیت کی ہوتی ہے۔تعمیر اخلاق اور تسخیر کے لیے حاصل کی گئی ہر مثبت تعلیم اسلامی تعلیم ہے۔لیکن بنیادی سطح پر بالخصوص قرآنی اور اخلاقی تعلیم کی ضرورت ہے۔تاکہ افراد کی ذہنی تربیت کا اہتمام ہو سکے۔تعلیم کے ساتھ ساتھ تربیت بھی بہت ضروری ہے۔اور اس میں سب سے زیادہ ذمہ داری والدین پر عائد ہوتی ہے کہ وہ اپنے بچوں کی تربیت اسلامی خطوط پر کریں۔چنانچہ والدین کو ہدایت کی گئی ہے کہ بچہ جب سات سال کو پہنچے تو اُسے نماز کا حکم دیں اور دس سال کی عمر میں اس معاملے میں اس سے سختی سے پیش آئیں۔

حدیث نبوی ﷺ ہے:

مُرُوا أولادکم بالصلٰوةِ وھم ا بناء سبع سنین واضربوھم علیھا وھم ابناء عشر سنین وفرقوا بینھم فی المضاجع [۳]

(اپنی اولاد کو سات سال کی عمر ہونے پر نماز کا حکم کرو اور نماز نہ پڑھنے پر ان کو مارو جب وہ دس سال کے ہو جائیں اور ان کے بستر الگ الگ کر دو)

اولاد کو اسلام کے معاشرتی آداب سکھائے جائیں تا کہ وہ اچھے بُرے میں فرق ملحوظ رکھ سکیں۔اور محض دوسروں کی دیکھا دیکھی بُری عادات اختیار کرنے سے پرہیز کریں۔آج کے انہی بچوں نے کل معاشرے میں فیصلہ کن کردار ادا کرنا ہے۔

---

۱۔ النحل: ۴۳

۲۔ ابنِ ماجہ، السنن ابنِ ماجہ، باب الفضل العلماء والحث علی، حدیث نمبر ۲۲۴، ص:۱/۸۱

۳۔ ابی داؤد، سنن ابی داؤد، کتاب الصلوٰۃ، باب متٰی یومر الغلام، بالصلوٰۃ حدیث نمبر ۴۵۹، ص:۱/۱۸۵

جہاں آپ ﷺ تعلیم کتاب وحکمت کی ذمہ داریاں ادا فرماتے وہیں تزکیہ نفوس کا کام بھی انجام دیتے۔

قرآن مجید میں ارشاد ہوتا ہے:

"یَتۡلُوۡا عَلَیۡهِمۡ اٰیٰتِهٖ وَیُزَکِّیۡهِمۡ وَ یُعَلِّمُهُمُ الۡکِتٰبَ وَالۡحِکۡمَةَ"[1]

(وہ ان پر (لوگوں) اللہ کی آیات کی تلاوت کرتے ہیں۔ اور انہیں پاک وصاف کرتے ہیں اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتے ہیں)

ایک اُستاد کا کام یہ ہے کہ وہ دیکھے کہ اِس نسل کو اور ان نوجوانوں کو جنہیں اس کی نگرانی میں دیا گیا ہے کیا تربیت دی جا رہی ہے۔ اُستاد کی یہ ذمہ داری ہے کہ ایک طرف اپنی فکر طلبہ تک منتقل کرے۔ جبکہ دوسری طرف ان کے اخلاق، کردار، ایمان اور دین کی فکر کرے انہیں اچھا مسلمان بنائے۔

اُستاد کو بنیادی طور پر ایک داعی اور مربی کا کردار ادا کرنا چاہیے۔

## ۳۔ نصاب تعلیم کی تدوین نو:

ہمارے نظام تعلیم میں قرآنی اور اسلامی تعلیمات پر خصوصی توجہ کی کمی محسوس کی جا رہی ہے۔ ابتدائی سطح سے لے کر اعلیٰ سطح تک قرآنی تعلیم کو منظم طریقے سے متعارف نہیں کرایا گیا اور اس میں پہلوتہی کی گئی ہے۔ علاوہ ازیں اس میں ربط و تسلسل کی کمی بھی شروع سے آخر تک محسوس کی جا رہی ہے۔ اعلیٰ سطح پر تبدیلی لانے کے لیے بڑا ہی بنیادی کام نصاب کی تدوین نو ہے۔ نصاب کی تدوین کے سلسلے میں کچھ تجاویز حسب ذیل ہیں:

ا۔ موجودہ نصاب میں اسلامیات ایک الگ مضمون کی حیثیت سے پڑھائی جاتی ہے اور باقی مضامین میں دین کا کوئی واضح تصور موجود نہیں۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طلبا دین اور دُنیا کو الگ الگ حصوں میں بٹا ہوا خیال کرتے ہیں۔ اس سلسلے میں درج ذیل امور کا خصوصی خیال رکھا جائے:

"مروجہ نصابات (تمام مضامین) کا ناقدانہ جائزہ لیا جائے اور ہر مضمون کے نصاب میں اسلامی اقدار و تعلیمات کو شامل کرنے کا اہتمام کیا جائے تا کہ ہر علم وفن کے نصاب کو اسلامی بنیادوں پر مدوّن کیا جا سکے۔ ہر سطح کی تعلیم اسلامی ذہنیت، اسلامی طرز فکر کے ساتھ دی جائے۔ مثلاً سائنس کا نصاب اس طرح مدوّن ہونا چاہیے کہ اس سے اللہ تعالیٰ کی قدرت کاملہ اور اس کی حکمت بالغہ کا تاثر قلب و ذہن پر مرتب ہوتا جائے اور موجودہ نظام تعلیم میں مغرب کے انداز تدوین سے جو مادہ پرستانہ ذہنیت غیر شعوری طور پر پیدا ہوتی ہے۔ اس کا سدباب ہو۔ مذکورہ دونوں مقاصد کے حصول کے لیے ضروری ہے کہ ایسا "نصاب کمیشن" مقرر کیا جائے جس کے ارکان میں ایسے اپنے علم وفن کے ایسے ممتاز ماہرین شریک ہوں جن کا اسلام سے ذہنی اور عملی تعلق مسلّم ہو۔ یہ کمیشن ایک متعین مدت میں ان علوم وفنون کے نصاب پر مذکورہ مقاصد کے حصول کے لیے کتابیں لکھوانے کا انتظام بھی کرے"[2]

---

ا۔ الجمعہ:۲

۲۔ خورشید احمد، پروفیسر، نظامِ تعلیم، (نظریہ، روایت، مسائل)، (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز) ص

۲۔ ہمارے یہاں اس وقت تعلیم کے دو متوازی نظام چل رہے ہیں ایک صرف دینی نظام تعلیم ہے اور دوسرا سیکولر یا جدید نظام تعلیم ہے۔ بدقسمتی سے پوری قوم اور اس کا ہر فرد جدید تعلیم کو ہی تعلیم سمجھتا ہے۔ جبکہ دینی تعلیم کو تعلیم سمجھنا ان کی سمجھ میں نہیں آتا۔ ان دونوں نظاموں کے اثرات پھیلاؤ اور ہمہ گیریت میں بڑھ کر تضاد اور وسیع ٹکراؤ موجود ہے۔ دونوں نظام افراط و تفریط کا شکار ہیں۔ ایک طرف تعلیم کی ابتدا صرف انگریزی حروف ہجا سکھانے سے کی جاتی ہے اور دوسری طرف صرف عربی حروف ہی سکھائے جاتے ہیں۔ اس صورت حال میں ارباب حل وعقد کا فرض ہے کہ وہ تعلیم کے اس فرق کو ختم کریں۔ دینی اداروں میں بھی علوم عصریہ کو مناسب جگہ دی جائے اور انگریزی اداروں میں اسلامی علوم کو خصوصی جگہ دی جائے۔ تاکہ تمام بچے ابتدائی سطح سے ہی اسلامی تعلیمات سے اچھی طرح واقف ہوں۔ چنانچہ خورشید احمد لکھتے ہیں:

'' دینی مدارس اور عام تعلیمی ادارے نظام تعلیم کے دو دھارے ہیں ان کی یکجائی کے مثالی نظام کے حصول کی جدوجہد کرتے ہوئے، دینی مدارس کے نصابات میں اصلاحات کی جائیں اور مختلف مراحل کے ساتھ اس طرح کے مختصر کورس تیار کیے جائیں، جن میں کامیابی کے بعد طلباء میٹرک، انٹر اور ڈگری درجوں میں داخل ہوسکیں۔ نیز یہ راستہ بھی نکلنا چاہیے کہ جدید تعلیم کے بعد ایک شخص اعلیٰ دینی تعلیم حاصل کر سکے۔ خواہ یہ کام کچھ خصوصی ادارے انجام دیں یا پھر اس کے لیے موجودہ دینی مدارس میں مناسب گنجائش پیدا کی جائے''۱

۳۔ مختلف مدارج تعلیم کے طلبہ کی استعداد کے مطابق قرآنی احکام کی تعلیم کا مناسب انتظام ہو اور اس کے لیے نصاب میں ضروری ترامیم کی جائیں۔ سمعی و بصری وسائل کے ذریعے طلبہ اور طالبات کو لازمی مضمون کے طور پر اصول تجوید کے مطابق قرآن مجید کی تلاوت اور کچھ حصہ حفظ کرانے کا اہتمام کیا جائے، ثانوی درجے میں ابتدائی سطح پر شروع کیے گئے پروگرام کی توسیع کرتے ہوئے طلبہ وطالبات کو باقاعدہ طور پر قرآن الحکیم کی تعلیم ترجمہ تفسیر کے ساتھ دی جائے۔ تاکہ اپنے مذہب کے بارے میں ان کا تصور واضح ہو سکے۔ اور ان کے ذہن میں ابہام پیدا نہ ہو۔ اسلامی نظام حیات کے تمام گوشے واضح ہوتے جائیں اور غیروں کی تقلید کی ضرورت پیش نہ آئے۔

۴۔ ابتدائی سطح پر طلبہ کو دوسری زبانوں کے ساتھ ساتھ عربی ضرور سکھائی جائے کیونکہ قرآن عربی زبان میں ہے اور قرآن کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے اس زبان میں مہارت بہت ضروری ہے اُردو انگریزی کے قاعدہ کی طرح عربی کا قاعدہ بھی شامل نصاب ہونا چاہیے اور تعلیم کے بدلتے مدارج کے ساتھ ساتھ عربی کا مخصوص نصاب بھی تشکیل دیا جائے۔ موجودہ نصاب میں چھٹی سے لے کر آٹھویں جماعت تک عربی کو شامل نصاب کیا گیا ہے۔ مگر میٹرک اور انٹر کی سطح پر اسے لازمی مضمون کی حیثیت نہیں دی گئی پھر ڈگری سطح پر جا کر مضمون کو لازمی قرار دے دیا گیا ہے۔ جس کا نصاب اس سطح کے طلبہ کی ذہنی سطح سے نیچے ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ درمیانی خلا کو پُر کیا جائے اور مناسب نصاب تجویز کیا جائے، نیز ڈگری سطح پر عربی کا نصاب طلبہ کی ذہنی سطح کے مطابق تشکیل دیا جائے۔ محض خانہ پُری سے گریز کیا جائے۔

۵۔ اس وقت ہمارے تعلیمی اداروں میں اسلامیات یا دینیات کے نام پر جو نصاب رائج ہے وہ اپنے معیار، ترتیب

---

۱۔ خورشید احمد، پروفیسر، نظامِ تعلیم، ص: ۱۷۶

[illegible] رکھنے کے بجائے اسے پورے تعلیمی انتظامی اور نصابی نظام کی روح بنانے کے اقدامات کیے جائیں۔ اس کے نصاب میں ایمانیات، عقائد، فقہ، اسلامی کلچر اور مسلم دنیا کے جغرافیائی و سیاسی مظاہر کی تعلیم و توضیح کا احاطہ ہو جائے۔ اس طرح اسلامیات کے نام کی جگہ کوئی اور جامع نام تجویز کیا جا سکتا ہے۔ اس وقت ہمارے نصاب کی یہ حالت ہے کہ تقریباً ایک ہی نوعیت کی چیزوں کو مختلف جماعتوں میں بار بار دہرایا جاتا ہے۔ ایک درجہ میں پڑھائی جانے والی چیز دوسرے درجہ میں جا کر دہرائی نہ جائے بلکہ اس کے تسلسل میں اگلا پہلو قدرے زیادہ وسعت کے ساتھ پیش کیا جائے۔

۶۔ نصاب میں اسلام کی بنیادی تعلیمات اور عقائد کو اس وضاحت کے ساتھ پیش کیا جائے کہ بچے کے ذہن میں اللہ کی واحدانیت، عقیدہ آخرت کا تصور اچھی طرح واضح ہو جائے۔ کیونکہ انسانی اعمال پر ان عقیدوں کی بڑی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ جو جس طرح کا عقیدہ رکھتا ہے اُس سے اسی طرح کے افعال کا صدور ہوتا ہے۔ عقیدہ توحید اور آخرت طلبہ کے اندر جواب دہی کا احساس پیدا کرے گا۔ اور وہ اپنی زندگی کا قیمتی وقت فضول کاموں میں صرف کرنے کے بجائے اللہ کی رضا کے حصول کا طالب ہوگا۔ عقیدے کی دُرستگی اصلاح معاشرہ میں اپنا ایک اہم کردار ادا کر سکتی ہے۔ چنانچہ تقی عثمانی لکھتے ہیں:

''آج بھی جرائم کی روک تھام کا اگر کوئی مؤثر راستہ ہے تو وہ سوائے اس کے کچھ نہیں کہ انسان کو اس کی اور اس کے گرد پھیلی ہوئی دُنیا کی حقیقت سے باخبر کیا جائے۔ جب تک انسان میں خدا کا خوف اور آخرت کی فکر پیدا نہیں ہوگی۔ جب تک اس کے قلب و دماغ میں اُخروی جزا و سزا کا عقیدہ رچایا نہیں جائے گا۔ جب تک اس کے دل میں مرنے کے بعد کے حالات کا استحضار پیدا نہیں ہوگا۔ اس وقت تک جرائم کے برق رفتار اضافے میں کمی نہیں آ سکتی۔ آپ صرف کاغذی قوانین، پولیس کی نگرانی، اور عدالتوں کے خوف سے جرائم کا صرف وقتی علاج کر سکتے ہیں۔ جس سے جرم کا بھیس تو بدل سکتا ہے اس کا استیصال نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ دلوں پر پہرے بٹھانے کا راستہ آخرت کے تصور کے سوا کچھ نہیں''۔[۱]

۷۔ قرآنی تعلیم کے ساتھ ساتھ حدیث، سیرت اور فقہ کی تعلیم کی طرف بھی توجہ دی جائے۔ ہمارے نصاب میں سے جائز مقام نہیں دیا گیا۔ چند احادیث میٹرک کے نصاب اور چند انٹر کی سطح پر اسلامیات میں شامل کی گئی ہیں۔ ماسٹر کی سطح سے پہلے کسی بھی سطح پر حدیث، سیرت یا فقہ کو الگ سے متعارف کرانے کی کوشش نہیں کی گئی۔ حالانکہ دینی مسائل کو صحیح معنوں میں سمجھنے کے لیے حدیث کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اور یہ فقہ اسلامی کا دوسرا اہم ماخذ ہے۔ احادیث اور سیرت کے مطالعہ سے ہی نبی ﷺ کے اسوہ سے واقفیت حاصل ہوگی۔ اسلامی تعلیمات آشکار ہوں گی اور غیر اسلامی رسوم و رواج کا توڑ ہوگا۔

۸۔ تاریخ اسلام سے واقفیت سے ہمیں اسلاف کی عظمت و شان اور اس کے پیچھے کارفرما عوامل کا پتہ چلتا ہے۔ تاریخ اسلام کی کسی مستند کتاب کو ثانوی سطح پر نصاب کا جزو بنایا جائے تا کہ آنے والی نسل صحیح معنوں میں اسلامی ثقافت

---

۱۔ عثمانی، محمد تقی، اصلاح معاشرہ (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، دسمبر ۲۰۰۵ء) ص:۴۱

اور ہمارے معاشرے میں غیر ضروری رسومات اور معاشرتی برائیوں کو پہنچنے سے روکنے کے لیے ایک آہنی دیوار کا کام دے گی۔

### ۴۔ رسم ورواج کی خرابیوں کی تشہیر:

کسی برائی کو اسی وقت پوری طرح ختم کیا جاسکتا ہے۔ جب اس برائی کو اختیار کرنے والوں پر اس کی خرابی اور نقصانات کو اچھی طرح واضح کر دیا جائے۔ معیوب رسموں کی وجہ سے معاشرے میں جو خرابیاں پیدا ہوتی ہیں اور مضر رسوم ورواج کے باعث جو نقصان پہنچتا ہے۔ اگر لوگوں کو بخوبی آگاہ کر کے انہیں ترک کرنے کی ترغیب دی جائے تو اصلاحی کوششوں کی کامیابی یقینی ہو جاتی ہے اور صحیح قوانین پر بڑی خوشی سے عمل کیا جاتا ہے۔ ہمارے معاشرے میں غیر شرعی رسوم ورواج کے باعث جو خرابیاں پھیل چکی ہیں ان کو دور کرنے کے لیے یہ لازمی ہے کہ لوگوں پر ان کی برائی اور نقصانات کو ہر ممکن طریقے سے واضح کیا جائے اور ان کو یہ ترغیب دی جائے کہ وہ خود اپنے اور اپنی قوم کے فائدے کے لیے ان تمام برائیوں کو ترک کر دیں۔

واقفیت عامہ اور ترغیب وتشہیر کے لیے کئی وسائل کام میں لائے جاسکتے ہیں ان میں سب سے اہم ذرائع ابلاغ ہیں۔ ذرائع ابلاغ نہ صرف عوامی زندگی پر اثر انداز ہوتے ہیں بلکہ مجموعی معاشرتی اور سیاسی حالات کو بھی شدید متاثر کرتے ہیں اور آج کل کے ذرائع ابلاغ بالخصوص معاشرتی رویّوں پر اثر انداز ہو رہے ہیں۔ ابوالحسن علی ندوی کے خیال میں یہ ذرائع ابلاغ انتہائی تیز رفتاری سے ایک انقلاب کی صورت میں عوام پر کر رہے ہیں لکھتے ہیں کہ:

> ''پہلے انقلاب بڑی سست رفتاری سے آتا تھا............اب انقلاب ایٹمی انرجی استعمال کرتا ہے۔ آواز سے تیز جہازوں اور ریڈیو ٹی وی کے ذریعے دم کے دم گھر گھر پہنچ جاتا ہے۔''[۱]

جب ان ذرائع ابلاغ کا ہماری زندگی سے اتنا گہرا تعلق ہے تو ان کو اصلاحی مقاصد اور اسلامی تعلیمات کی تشہیر کے لیے بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ اور لوگوں کو باور کرایا جاسکتا ہے کہ اسی میں ان کے لیے راہِ نجات ہے۔ لیکن آج مغربی ذرائع ابلاغ اس قدر پنجے جما چکے ہیں کہ عوام کی اکثریت نے ملکی ذرائع ابلاغ پر اعتماد کرنا ہی چھوڑ دیا ہے۔ اور مغربی ذرائع ابلاغ اس سنہری موقعہ سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اپنا ثقافتی اثر مسلمانوں پر جما رہے ہیں اور مسلمانوں کو اپنی روایات سے بے گانہ کر رہے ہیں۔

ہمیں اپنے ذرائع ابلاغ کو مؤثر بناتے ہوئے ان کے ذریعے رسم ورواج اصلاح اور مضر رسوم کو ترک کرنے کی ترغیب دینا ہو گی۔ ان میں سینما، ریڈیو، ٹی وی نہایت کارآمد اور مفید تشہیری ذرائع ہیں یہاں کروڑوں آدمی، سینما، ٹی وی دیکھتے ہیں، ریڈیو سنتے ہیں۔ اگر اصلاحی مقاصد کو پیش نظر رکھ کر ایسی سبق آموز فلمیں بنائی جائیں جن میں رسموں کی برائیوں اور نقصانات کو سامنے لایا جائے۔ اور جو خشک اور غیر دلچسپ نہ ہونے پائیں تو ان کے ذریعے بڑے وسیع پیمانے پر مسلسل تشہیر ہوتی رہے گی۔ اور برائیوں کی اصلاح کرنے کا احساس عوام میں بیدار ہو جائے گا۔

سینما، ٹی وی کی طرح ریڈیو کے سامعین کی تعداد بھی کچھ کم نہیں ہے۔ اسے بھی جامع منصوبہ بندی کے تحت اس مقصد کے لیے نہایت کارآمد بنایا جاسکتا ہے۔ دن رات کے موزوں اوقات میں ملک کی مختلف زبانوں میں طرح طرح کے مفید اور دلچسپ پروگرام مرتب کیے جائیں۔ اخلاقی پروگراموں کا ایک سلسلہ شروع کیا جائے اور اس طرح روزمرہ معاملات کے متعلق اسلامی تعلیمات کی آگاہی کا

---

۱۔ ندوی، ابوالحسن علی، پاجا سراغ زندگی، (کراچی، مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۳ء) ص: ۱۴۳

سلسلہ بھی شروع کیا جائے۔

نشر و اشاعت اور تشہیر کا ایک مفید ذریعہ اخبارات و رسائل ہیں۔ معاشرے میں اخبار بینی کا شوق دن بدن بڑھتا جا رہا ہے۔ اور لوگ اخبارات کی تحریروں کا اثر قبول بھی کرتے ہیں اور ایک دوسرے سے تبادلہ خیال بھی ہوتا ہے۔ اس طرح دوسروں تک بھی بات پہنچ جاتی ہے۔ تعلیم یافتہ طبقے میں اصلاحی مقاصد کے لیے اخبارات و رسائل سے بہت مدد لی جا سکتی ہے۔ فلم و ریڈیو کے برعکس جرائد میں ان مسائل پر مدلل بحث کی جا سکتی ہے۔ اور معاشرتی خرابیوں سے متعلق تمام حقائق اور معقول دلائل پیش کر کے تعلیم یافتہ طبقے میں اصلاحی مہم مقبول اور کامیاب بنایا جا سکتا ہے۔

## ۵۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر:

اگرچہ مندرجہ بالا تمام ذرائع اصلاحی مقاصد کے حصول کے لیے استعمال کیے جائیں گے لیکن امر بالمعروف و نہی عن المنکر کے فریضے کی انجام دہی اپنی جگہ مسلّم ہے اور ایک جماعت کا اس مقصد کے لیے مصروفِ عمل رہنا ضروری ہے۔ اس سلسلے میں مختلف جماعات منعقد کیے جائیں اور وہاں درس و لیکچر کی صورت میں لوگوں پر ان مضر رسموں کے اثرات کو واضح کیا جائے۔ اچھے کاموں کی تحسین کی جائے۔ قرآن مجید میں اُمت مسلمہ کی یہ ذمہ داری بیان کی گئی ہے کہ وہ لوگوں کو معروف کا حکم کریں گے اور برائی سے منع کریں گے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

”کُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللَّهِ“[۱]

(تم بہترین امت ہو جو لوگوں کے لیے نکالے گئے ہو تم نیکی کا حکم دیتے ہو اور برائی سے منع کرتے ہو اور اللہ پر ایمان لاتے ہو)

حدیث مبارکہ میں اس فریضہ کی ادائیگی پر زور دیا گیا ہے:

”عن ابی سعید الخدریؓ قال سمعت رسول اللہ ﷺ یقول: من رای منکم منکراً فلیغیرہ بیدہ فان لم یستطع فبلسانہ فان لم یستطع فبقلبہ وَ ذالک اضعف الایمان“[۲]

(ابی سعید خدریؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو کہتے ہوئے سنا جو شخص کسی ناجائز امر کو ہوتے ہوئے دیکھے اگر اس پر قدرت ہو کہ اس کو ہاتھ سے بند کر دے تو اُس کو بند کر دے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کا انکار کر دے اگر اتنی بھی قدرت نہ ہو تو دل سے اس کو برا سمجھے اور یہ ایمان کا بہت ہی کم درجہ ہے)

معاشرے میں کسی فرد کو جب کسی غلط کام یا رسم میں مبتلا دیکھیں تو دوسرے لوگوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہے کہ وہ اس کو اس شر سے منع کریں۔ کیونکہ شیطان انسان کی جن عادات سے خوش ہوتا ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے کہ لوگ ایک دوسرے کو بری باتوں سے منع نہ کریں، اور ان سے تعلق قائم رکھیں۔ چنانچہ ”تلبیس ابلیس“ کے مصنف لکھتے ہیں:

”ان عادات میں سے (جن کے بارے میں شیطان فریب دیتا ہے عادت کے موافق عمل جاری رکھیں) ایک بُری بات پر انکار کرنا مہمل جانتے ہیں حتیٰ کہ ایک آدمی اپنے بھائی یا رشتہ دار کو دیکھتا ہے کہ شراب پیتا ہے۔ ریشمی کپڑے پہنتا ہے اور اس پر انکار (اظہار ناپسندیدگی) نہیں کرتا اور نہ اس سے کچھ کشیدہ ہوتا ہے بلکہ گہرے دوست کی طرح اس سے میل جول رکھتا ہے“[۳]

---

۱۔ الِ عمران، ۱۱۰

۲۔ مسلم، الجامع الصحیح، باب بیان کون النھی عن المنکر، رقم حدیث: ۱۸۶، ص: ۱/۵

۳۔ ابنِ جوزی، علامہ، تلبیس ابلیس، (مترجم) علامہ محمد عبدالحق اعظم گڑھی (کراچی: دارالاشاعت، ۱۹۹۵ء) ص: ۳۱۳

رسموں کی پابندی کے سلسلہ میں عورتوں کی حالت بہت زیادہ خراب ہے۔ رسموں کے سامنے وہ اپنی ضد کے سامنے چاہے کتنا نقصان ہو جائے کچھ پروا نہیں کرتیں۔ یہ اپنے مال کو رسموں میں لگا کر مصیبت اٹھاتی ہیں۔ لیکن پھر بھی اِن رسموں کی برائی ان کو معلوم نہیں ہوتی۔ چنانچہ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں:

"جتنے سامان بیاہ شادی کے ہیں سب کی بنا تفاخر و نمود پر ہے۔ اور یہ تفاخر گو مرد بھی کرتے ہیں مگر اصل جڑ اس میں عورتیں ہی ہیں۔ یہ اس فن کی امام ہیں اور ایسی مشاق اور تجربہ کار ہیں کہ نہایت آسانی سے تعلیم دے سکتی ہیں۔ جو آدمی جس فن کا ماہر ہوتا ہے اس کو اس فن کے کلّیات خوب معلوم ہوتے ہیں۔ یہ ایک کلیہ میں سب کچھ سکھا دیتی ہیں۔ جب ان سے پوچھا جائے کہ شادی بیاہ میں کیا کیا کرنا چاہیے تو ایک ذرا سا کلمہ چٹکلہ سا کہہ دیتی ہیں۔ کہ زیادہ نہیں اپنی شان کے موافق کرلو۔ یہ کلیہ نہیں بلکہ کلیہا ہے۔ یہ تو اتنا جملہ کہہ کر الگ ہو گئیں کرنے والوں نے جب اس کی شرح پوچھی تو وہ اتنی طویل ہوئی کہ ہزاروں جزئیات اس میں سے نکل آئیں۔ جس سے دُنیا کی بھی بربادی ہوئی اور آخرت کا بھی کوئی گناہ نہیں بچا"۔[1]

مندرجہ بالا اقتباس سے یہ معلوم ہوا ہے کہ عورتیں رسم ورواج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں۔ ان کی ترویج کرتی ہیں اور نئے نئے رسوم بھی ایجاد کرتی رہتی ہیں۔ ایسا کیوں ہے؟ یقیناً اس کا جواب یہی ہے کہ اس رویے کی وجہ خواتین کی لاعلمی اور تعلیم سے دوری ہے۔ تعلیم ہی سب سے بڑا اور اہم ذریعہ ہے جس کے ذریعے عورتوں کے شعور کو بیدار کر کے اِن کی صلاحیتوں کو فضولیات میں ضائع ہونے سے بچا کر معاشرے کے تعمیری کاموں میں استعمال کیا جاسکتا ہے۔ مولانا اشرف علی تھانوی بھی خواتین کی اصلاح بس تعلیم ہوتی تجویز کرتے ہیں لکھتے ہیں کہ:

"عورتوں کی اصلاح کے لیے بس یہی کافی ہے کہ وہ دینی کتابوں کا مطالعہ کریں۔ اوّل تو وہ کتابیں دیکھیں جن میں مسائل اور شرعی احکام کا ذکر ہے۔ اِن کو دیکھ کر ہر عمل کے کامل ہونے کا طریقہ معلوم کریں اور جن اعمال میں کوتاہی ہو رہی ہے اس کی اصلاح کریں تو یہ اصل طریقہ ہے"۔[2]

اس طرح اگر اس مقصد کے لیے خواتین کی انجمنیں قائم کی جائیں تو وہ اس مقصد میں کافی حد تک کامیاب ہو سکتی ہیں۔ کیونکہ "اِن کا لب ولہجہ اور کلام بے حد موثر ہوتا ہے اور ان کا کہنا دل میں گھس جاتا ہے"۔[3]

اگر یہ انجمنیں عورتوں کی تعلیم و تربیت پر متوجہ ہوں کہ ان کو رسوم ورواج کی برائیوں اور نقصانات سے آگاہ کریں۔ مذہبی احکام سمجھائیں اور یہ بتلائیں کہ بُری رسمیں اسلام کے خلاف ہیں اور فضول خرچی سے بچنے اور کفایت شعاری پر عمل کرنے کی ترغیب دیں تو اس سے رسوم ورواج کی برائیاں ختم کرنے میں بڑی مدد ملے گی۔

## ۷۔ غیر شرعی تقریبات کا بائیکاٹ:

آج زبان سے صورت حال کو ہم سب قابل اصلاح سمجھتے ہیں۔ لیکن جب عمل کی نوبت آتی ہے تو عموماً تو پرنالہ وہیں گرتا ہے اور

---

۱۔ تھانوی، اشرف علی، اسلامی شادی، ص: ۱۸۸

۲۔ تھانوی، اشرف علی، اصلاح خواتین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۴۱۴ھ) ص: ۱۸۳

۳۔ ایضاً

ایک ایک کرکے، ہم تمام رسموں کے آگے، ہتھیار ڈالتے چلے جاتے ہیں۔ اس لیے ان اقدامات کی اشد ضرورت ہے۔ [illegible] خرچ سے اثرات ظاہر نہیں ہوا کرتے۔ اس کے لیے سب سے پہلے اپنی اصلاح کرنی ہوگی۔ خود کو بُری رسموں سے دور رکھنا ہوگا۔ کیونکہ اللہ کے نزدیک یہ بات درست نہیں کی ہم دوسروں کو تو اصلاح کا درس دیں اور خود کو بھول جائیں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

یَآَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْالِمَ تَقُوْلُوْنَ مَالَا تَفْعَلُوْنَ○ کَبُرَ مَقْتاً عِنْدَ اللّٰہِ اَنْ تَقُوْلُوْا مَالَا تَفْعَلُوْنَ [1]

(اے ایمان والو! ایسی بات کیوں کہتے ہو جو کرتے نہیں ہو، خدا کے نزدیک یہ بات بہت ناراضی کی ہے کہ ایسی بات کہو جو کرو نہیں)

چنانچہ اس سلسلے میں عملی اقدامات کرتے ہوئے درج ذیل طریقے عمل میں لائے جاسکتے ہیں:

۱۔ ایک یہ کہ سب برادری متفق ہو کر یہ سب بکھیڑے موقوف کردے۔ دیکھا دیکھی اور لوگ بھی ایسا ہی کریں گے۔ اس طرح چند روز میں یہ طریقہ عام ہو جائے گا اور کرنے کا ثواب اس شخص کو ملے گا اور مرنے کے بعد بھی ثواب لکھا جائے گا۔

۲۔ دیندار کو چاہیے کہ نہ تو خود ان رسموں کو کرے اور جس تقریب میں یہ رسمیں ہوں ہرگز وہاں شریک نہ ہو۔ صاف انکار کردے۔ برادری کنبہ کی رضامندی اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے اوپر کچھ کام نہ آئے گی [2]

اس طرح ظلم گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے سے تعاون کو ترک کرکے اللہ کی گرفت سے بچا جاسکتا ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے:

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانَ [3]

(نیکی اور تقویٰ کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون کرو اور گناہ اور زیادتی کے کاموں میں ایک دوسرے کے ساتھ تعاون نہ کرو)

## ۸۔ مساجد کے مقام کا احیاء اور ائمہ مساجد کی تربیت:

تعلیم و تربیت اور اصلاح معاشرت کے مقاصد کو کامیاب بنانے کے لیے مساجد سے بھی بہت حد تک فائدہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔ مساجد اور تعلیم کا باہمی تعلق بڑا گہرا ہے۔ تعلیم کا دینی مزاج اس بات کا تقاضا کرتا ہے کہ دینی زندگی کے محور مسجد سے اس کو مربوط کیا جائے مسجد نبویؐ میں پہلی تعلیم گاہ کے قیام نے اس روایت کو قائم کر دیا اور بعد میں مسلمانوں کی پوری تاریخ میں اس روایت کو فروغ دیا گیا اور اس کے ذریعے طلبہ کی زندگیاں ہمارے مخصوص ثقافتی نظام کے سانچے میں ڈھلتی چلی گئیں۔ پہلی چار صدیوں میں باقاعدہ مدارس کا نظام موجود نہ تھا۔ لیکن تعلیم و تعلّم کے لاکھوں حلقے اس نہج پر کام کر رہے تھے۔ جو صُفّہ کی تعلیم گاہ میں قائم ہوئی تھی۔ مسجد تعلیم کا مرکز تھی اور حلقہ ہائے درس میں قرآن وحدیث تعلیم کا ذریعہ۔

مسجد کو اسلامی نظام میں ایک مرکز کی حیثیت بھی حاصل ہے۔ جس کو موجودہ دور میں بالکل نظر انداز کر دیا گیا ہے۔ اگر اس مفید ادارہ کی پھر تجدید و احیاء کیا جائے تو مختلف نوعیت کے معاشرتی مسائل کو حل کرنے میں اس سے بڑی مدد ملے گی۔ اور مساجد کے ناموں کو

---

۱۔ الصف:۲،۳

۲۔ تھانوی، اشرف علی، اصلاح الرسوم،ص:۸۸

۳۔ المائدہ:۲

نظریات اور طور طریقوں کو پروان چڑھانے کا باعث بن جاتے ہیں۔ کیونکہ عوام کی اکثریت ان پر اندھا اعتماد کرتی ہے۔ مساجد جیسے دینی اداروں اور مذہبی اجتماعات کی نوعیت دوسری قوموں سے بالکل مختلف ہے۔ یہ معاشرے کی اصلاح و ترقی اور فلاح و بہبود کی کوششوں کو کامیاب بنانے کا ایک مفید ذریعہ ہیں۔ جیسا کہ ماضی میں اس سے کام لیا گیا۔ خالد الرحمٰن مسجد کی اہمیت کے پیشِ نظر لکھتے ہیں:

''مسجد اور مدرسے کا بڑا قریبی تعلق رہا ہے۔ ہماری تاریخ اور تہذیب میں مسجد اور مدرسہ کندھے سے کندھا ملائے نظر آتے ہیں، ہمارے ہاں مسجد، چرچ کی طرح محض عبادت کی جگہ نہیں ہے بلکہ یہ علم کا مرکز ہے۔ اور ملّت کے اجتماعی اُمور طے کرنے کے بھی یہی محل ہے۔ مسلم تاریخ میں جامعاتی سطح کی تحقیق و تعلیم کا مرکز مسجد اور اس سے ملحق عمارت رہی ہیں۔ مسجد سے علمی دُنیا کا یہ الحاق اللہ تعالیٰ سے تعلق کو مضبوط بناتا۔ روزمرّہ زندگی کے ہر شعبے کو متاثر کرتا ہے''[1]

## ۹۔ اپنے ضمیر کو بطور صلاح کار استعمال کرنا:

مندرجہ بالا تجاویز پر عمل کے ساتھ ساتھ ہر انسان کا فرض ہے کہ اپنے ضمیر کی آواز پر غور کرے۔ کسی کام کے کرنے سے پیشتر اپنے ضمیر سے صلاح لیوے تو ضمیر سب نشیب و فراز سمجھا دیتا ہے۔ پس مسلمانوں کے لیے ضروری ہے کہ وہ اپنے ضمیر کو رہبر خیال کرتے ہوئے اس کی آواز پر غور کریں۔ دُنیا میں ضمیر سے زیادہ پڑوسی صلاح کار دوست اور کوئی نہیں ہوسکتا۔ لہٰذا اس پر غفلت کا پردہ نہیں ڈالنا چاہیے۔[2]

ایک حدیث مبارکہ میں ارشاد ہوتا ہے:

البرُّ ما سكنت اليه النفس واطمأ نّ اليه القلب والاثم مالم تسكن اليه النفس ولم يطمئن إليه القلب[3]

(نیکی وہ ہے جس سے تیرا دل سکون پائے اور اس سے تیرا دل مطمئن ہو۔ گناہ وہ ہے جو تیرے دل کو کھٹکے اور تیرا دل اس سے مطمئن نہ ہو)

## ۱۰۔ قانون سازی کی ضرورت:

رسم و رواج چونکہ لوگ اپنی طبعی فطرت کی بنا پر اختیار کرتے ہیں اور پھر پسندیدگی کی بنا پر بار بار انہیں اپنایا جاتا ہے۔ جب تک یہ رسم و رواج مذہب یا ملکی قانون سے براہ راست نہیں ٹکراتے تو اس وقت تک حکومت یا کسی اور ادارے یا فرد کو یہ حق نہیں پہنچتا کہ وہ لوگوں کی نجی زندگی میں مداخلت کرے۔ لیکن اگر یہی رسوم و رواج باہمی مسرتوں اور خوشیوں کے بجائے بوجھ اور دُکھ کا باعث بن جائیں۔ یہ مذہب اور ملکی قانون سے متصادم ہونے لگیں تو پھر ان کی اصلاح اور روک تھام کے لیے مداخلت ناگزیر ہو جاتی ہے۔ حکومت نہ صرف قانون بنائے بلکہ اِن پر عمل درآمد کو بھی یقینی بنائے۔ تاکہ ملک اور معاشرہ میں ہر طرح کا امن اور طمانیت بحال رہے کسی کی حق تلفی نہ ہو اور نہ ذہنی کھنچاؤ پیدا ہو۔

قانون میں ایک خاص قسم کا اثر اور جان ہوتی ہے جو لوگوں کو نظم و ضبط کا پابند اور بُرے کاموں سے باز رکھنے میں اہم کردار ادا کرتا ہے۔ شاہد حسین رزاقی قانون کی اہمیت بیان کرتے ہوئے رقمطراز ہیں:

''قانون نہایت مؤثر ذریعہ ہے۔ یہ بہت بڑی طاقت بھی ہے اور اس کا احترام بھی کیا جاتا ہے۔ اگر رسوم و رواج کی برائیاں واضح کرکے ان کے انسداد کے لیے مناسب قانون بنایا جائے تو اس کو پوری قوم کی تائید حاصل ہوگی

---

۱۔ خالد الرحمٰن، عورت، خاندان اور ہمارا معاشرہ (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، ۲۰۰۷ء) ص: ۴۰

۲۔ راجپوت، منشی، جلال الدین، اصلاح الرسوم، ص: ۲۲

۳۔ احمد بن حنبل، مسند احمد بن حنبل، باب حدیث ابی الثعلبۃ الخشنی، رقم حدیث ۱۷۷۷۷، ص: ۱۹۳/۴

آج ہمارے معاشرے میں کچھ ایسے رسوم ورواج مروّج ہو چکے ہیں۔ جو دیکھا دیکھی شہروں اور دیہاتوں میں یکساں مقبولیت اختیار کرتے جا رہے ہیں۔ لوگ جانی اور مالی نقصان اٹھاتے ہیں۔ لیکن اس کے باوجود انہیں ترک کرنے پر آمادہ نہیں۔ امیر لوگ تو یہ رقوم کہیں ٹھکانے لگاتے ہیں۔ لیکن عام طبقے اور غریبوں کے لیے ایسی روش بہت ہی تکلیف کا باعث بن رہی ہے، اور جینا دوبھر ہو رہا ہے۔ آج حکومت کو اس پر توجہ کی ضرورت ہے۔ اور اس سلسلے میں قانون سازی درکار ہے اور ایسے رسوم جو معاشرے کے لیے زیادہ تباہ کن ہیں ان کی پابندی کے لیے قانون نافذ کرے اور پابندی نہ کرنے والوں پر جرمانے اور قید وغیرہ کی شرائط عائد کرنے سے بھی گریز نہیں کیا جانا چاہیے۔ تبھی جا کر برائی کا مکمل قلع قمع کیا جا سکتا ہے۔

---

۱۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج، ص: ۲۸۱

## خلاصۂ بحث:

بحث مذکورہ سے درج ذیل نکات سامنے آتے ہیں:

۱۔ قومیں جب اپنے بنیادی عقائد اور تعلیمات کو چھوڑ کر رسوم رواجات کے چکر میں پھنس جاتی ہیں تو زوال کا شکار ہو جاتی ہیں۔

۲۔ قوموں کے عروج اور غیر ضروری رسم ورواج سے نجات کے لیے تعلیم کو عام کرنا انتہائی ضروری ہے۔

۳۔ اسلامی تعلیمات کا احیاء کر کے اور اسلامی تعلیم وتربیت کو فروغ دے کر مسلمانوں کی زندگیوں کو ایک دفعہ پھر اسلامی تعلیمات کے سانچے میں ڈھالا جاسکتا ہے۔

۴۔ معاشرہ کی اصلاح کے لیے نصاب تعلیم میں ضروری ترامیم وتبدیلیاں کرنا ہوں گی۔

۵۔ خواتین کی اصلاح اور شعور کو بیدار کر کے رسم ورواج کو بڑی حد تک ختم کیا جاسکتا ہے۔

۶۔ مساجد اور مدارس کو فعال بنا کر اس مقصد کو حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۷۔ رسم ورواج کی اصلاح کے لیے ضروری قوانین تشکیل دینے کی بھی ضرورت ہے۔

# نتائج مقالہ

تحقیق سے درج ذیل نتائج اخذ کیے جاسکتے ہیں:

☆ معاشرے کی ابتداوارتقاء کے ساتھ ہی رسم ورواج بھی وجود میں آنا شروع ہوجاتے ہیں اور انسانی ضروریات میں تبدیلی کے ساتھ ساتھ رسم ورواج میں بھی تبدیلی آنے لگتی ہے۔

☆ رسم ورواج کسی قوم کے عروج وزوال میں اہم کردار ادا کرتے ہیں اور قوموں کی پہچان کا ذریعہ ہیں۔ رسوم ورواج کو ایک دن میں مٹایا نہیں جاسکتا۔

☆ مختلف معاشروں میں رسوم کے اختلاف کے مختلف اسباب ہوتے ہیں مثلاً ملک کی جغرافیائی کیفیات، قومی خصوصیات، معاشی حالت، دوسرے معاشروں سے اختلاط، بادشاہوں کے اطوار وغیرہ۔

☆ اسلام عُرف پر عمل کرنے کی اجازت دیتا ہے بشرطیکہ وہ قرآن وسنت کے خلاف نہ ہو۔

☆ ریاست جموں وکشمیر کے لوگ زیادہ ہندوستانی رسم ورواج کو اپنائے ہوئے ہیں۔

☆ آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کے سلسلہ میں رشتہ کے لیے خاندان، ذات برادری کی پابندی کی جاتی ہے اور والدین کی رضامندی ضروری خیال کی جاتی ہے۔

☆ یہاں شادی کے موقع کی رسوم کا اگر جائزہ لیا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ کچھ رسوم کا اگرچہ شریعت میں ذکر [illegible] معاشرے کے لیے ضرر رساں نہیں بلکہ باہمی اُلفت، محبت اور باہمی اتحاد کا ذریعہ ہیں۔

☆ کچھ رسوم ایسی ہیں جو نمود ونمائش، ریاکاری، دولت کے اسراف کا ذریعہ ہیں۔ ایسی رسوم کو تدریجاً معاشرے سے ختم کرنا ضروری ہے۔

☆ رسوم کی بے جا پابندی کے باعث لوگوں کی اقتصادی حالت دن بدن کمزور ہوتی جارہی ہے۔ تجارتی خسارے کا سامنا ہے اور سرمایہ کاری کی شرح ہورہی ہے۔

☆ غیر ضروری رسوم کو نبھاتے ہوئے لوگ متعدد اخلاقی بیماریوں اور تکالیف میں مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن پھر بھی ان رسوم کا پیچھا چھوڑنے کے لیے رضامند نہیں پائے جاتے۔

☆ اسلام شادی بیاہ کے سلسلہ میں حد سے بڑھ جانے کی حوصلہ افزائی نہیں کرتا۔ جس سے اس فریضہ کی ادائیگی میں مشکل ہو جائے۔ تاہم اس موقع پر خوشی کے اظہار کی اجازت ضرور دیتا ہے۔

## افتراضات کی حقیقت:

مقالہ تحقیق کے مقدمہ میں تین افتراضات قائم کئے گئے۔ تحقیق کے بعد پہلا فرضیہ درست ثابت ہوا اور آخری دو فرضیے درست نہ تھے۔ تحقیق سے ثابت ہوا کہ

آزاد کشمیر میں شادی بیاہ کے موقع پر جو رسومات رائج ہیں انہیں مکمل طور پر نہ تو اسلامی کہا جا سکتا ہے اور نہ غیر اسلامی۔ ان رسومات میں کچھ ایسی چیزیں شامل ہوگئی ہیں جن کی شرعاً کوئی حقیقت نہیں۔ اسلامی تعلیمات کی ترویج و اشاعت کے ذریعہ ان رسومات کی اصلاح کی جاسکتی ہے اور شادی بیاہ کا طریقہ کار اسلامی تعلیمات میں ڈھالا جا سکتا ہے۔

## مقالہ کی سفارشات:

مقالہ کی سفارشات میں یہ کہا جاسکتا ہے:

۱۔ شادی بیاہ کے سلسلہ میں اسلامی تعلیمات کا عام پرچار کیا جائے اور اس کی ترویج و اشاعت کا خاص اہتمام کیا جائے تاکہ عوام الناس اس طریقہ کار سے مکمل طور پر آگاہ ہوسکیں۔

۲۔ اہلِ علم طبقہ کو چاہیے کہ وہ پہلے خود اس سلسلہ میں فضولیات سے اجتناب کرے تاکہ ان کی دیکھا دیکھی دوسرے لوگ بھی ان سے بیزاری کا اظہار کریں۔

۳۔ لوگوں پر ان غیر ضروری رسومات کے نتائج و اثرات کو اچھی طرح واضح کرنے کی بھی ضرورت ہے۔ دنیا میں مال کی بربادی اور آخرت کے خسارے کا احساس لوگوں کے اندر پیدا کیا جائے۔ یہ مقصد تعلیم کو عام کرکے حاصل کیا جاسکتا ہے۔

۴۔ حکومتی سطح پر اس سلسلہ میں مناسب قوانین بنائے جائیں اور قانون شکنی کے مرتکب افراد کو جرمانے کیے جائیں۔

۵۔ رسم و رواج کی خرابیوں کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے منظرِ عام پر لایا جائے تاکہ خاص و عام ان سے بچاؤ کی تدبیر کریں۔

۶۔ عورتیں چونکہ رسم و رواج میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیتی ہیں اس لیے ان کی دینی تعلیم و تربیت سے بڑی حد تک ان رسوم پر قابو پایا جاسکتا ہے۔

# اشاریہ

# فہرست آیاتِ قرآنِ حکیم

| نمبر شمار | آیات | سورۃ کا نام | سورۃ نمبر | آیت نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|---|
| ۱۔ | فَلاَ تَعۡضُلُوۡهُنَّ...... بِالۡمَعۡرُوۡف | البقرۃ | ۲ | ۲۳۲ | [illegible] |
| ۲۔ | هُنَّ لِبَاسٌ لَّكُمۡ وَاَنۡتُمۡ...... | البقرۃ | ۲ | ۱۸۷ | [illegible] |
| ۳۔ | اَلطَّلَاقُ مَرَّتٰنِ......حُدُوۡدُ اللّٰه | البقرۃ | ۲ | ۲۲۹ | [illegible] |
| ۴۔ | وَاَحَلَّ اللّٰهُ الۡبَيۡعَ...... | البقرۃ | ۲ | ۲۷۵ | [illegible] |
| ۵۔ | تُوَاعِدُوۡهُنَّ سِرًّا...... مَعۡرُوۡفاً | البقرۃ | ۲ | ۲۳۵ | [illegible] |
| ۶۔ | قُلۡ اِنَّ الۡفَضۡلَ......مَنۡ يَّشَاءُ | ال عمران | ۳ | ۷۳ | [illegible] |
| ۷۔ | وَتِلۡكَ الۡاَيَّام نَداولها......لَايُحِبُّ الظّٰلِمِيۡنَ | ال عمران | ۳ | ۱۴۰ | [illegible] |
| ۸۔ | كُنۡتُمۡ خَيۡرَ اُمَّةٍ......بِاللّٰهِ | ال عمران | ۳ | ۱۱۰ | [illegible] |
| ۹۔ | مَنۡ كَانَ فَقِيۡرًا فَلۡيَاۡكُلۡ بِالۡمَعۡرُوۡفِ | النساء | ۴ | ۶ | [illegible] |
| ۱۰۔ | يٰۤاَيُّهَا النَّاسُ...... وَّنِسَآءً | النساء | ۴ | | [illegible] |
| ۱۱۔ | فَانۡكِحُوۡا مَا طَابَ لَكُمۡ ...... وَرُبٰعَ | النساء | ۴ | ۳ | [illegible] |
| ۱۲۔ | فَانۡكِحُوۡهُنَّ بِاِذۡنِ ......بِالۡمَعۡرُوۡفِ | النساء | ۴ | ۲۵ | [illegible] |
| ۱۳۔ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا...... عَلَى اللّٰهِ يَسِيۡرًا | النساء | ۴ | ۳۰،۲۹ | [illegible] |
| ۱۴۔ | حُرِّمَتۡ عَلَيۡكُمۡ......غَفُوۡرًا الرَّحِيۡمًا | النساء | ۴ | ۲۳ | [illegible] |
| ۱۵۔ | وَبِمَا اَنۡفَقُوۡ مِنَ ...... | النساء | ۴ | ۳۴ | [illegible] |
| ۱۶۔ | وَاٰتُو النِّسَاءَ صَدُقٰتِهِنَّ...... | النساء | ۴ | ۴ | [illegible] |
| ۱۷۔ | وَاِنۡ اَرَدۡتُّمۡ ......اِثۡماً مُّبِيۡناً | النساء | ۴ | ۲۰ | [illegible] |
| ۱۸۔ | وَاُحِلَّ لَكُمۡ مَّا...... | النساء | ۴ | ۲۴ | [illegible] |
| ۱۹۔ | تَعَاوَنُوۡ عَلَى الۡبِرِّ......وَالۡعُدۡوَانِ | المائدہ | ۵ | ۲ | [illegible] |
| ۲۰۔ | مِنۡ اَوۡسَطِ مَا تُطۡمِعُوۡنَ...... | المائدہ | ۵ | ۸۹ | [illegible] |
| ۲۱۔ | يٰۤاَيُّهَا الَّذِيۡنَ اٰمَنُوۡا...... تُفۡلِحُوۡنَ | المائدہ | ۵ | ۹۰ | [illegible] |
| ۲۲۔ | مَا جَعَلَ اللّٰهُ ...... لَا يَعۡقِلُوۡنَ | المائدہ | ۵ | ۱۰۳ | [illegible] |
| ۲۳۔ | وَالۡمُحۡصَنٰتُ...... مُتَّخِذِىۡۤ اَخۡدَانٍ | المائدہ | ۵ | ۵ | [illegible] |
| ۲۴۔ | خُذِ الۡعَفۡوَ...... عَنِ الۡجَاهِلِيۡنَ | الاعراف | ۷ | ۱۹۹ | [illegible] |
| ۲۵۔ | اَلَّذِيۡنَ يَتَّبِعُوۡنَ...... هُمُ الۡمُفۡلِحُوۡنَ | الاعراف | ۷ | ۱۵۷ | [illegible] |

| نمبر شمار | آیات | سورہ کا نام | سورہ نمبر | آیت نمبر | صفحہ |
|---|---|---|---|---|---|
| ۲۶۔ | قُلْ اِنَّمَا حَرَّمَ رَبِّیَ......لَا تَعْلَمُوْنَ | الاعراف | ۷ | ۳۳ | ۵۷ |
| ۲۷۔ | هُوَالَّذِیْ خَلَقَ لَکُمْ ...... لِیَسْکُنَ اِلَیْهَا | الاعراف | ۷ | ۱۸۹ | [illegible] |
| ۲۸۔ | کُلُوْا وَشْرَبُوْا......الْمُسْرِفِیْنَ | الاعراف | ۷ | ۳۱ | [illegible] |
| ۲۹۔ | اِنَّ الَّذِیْنَ تَدْعُوْنَ......اَمْثَالُکُمْ | الاعراف | ۷ | ۱۹۴ | [illegible] |
| ۳۰۔ | لَا یَسْتَطِیْعُوْنَ......یَنْصُرُوْنَ | الاعراف | ۷ | ۱۹۷ | [illegible] |
| ۳۱۔ | اِنَّ الْاَرْضَ ......مِنْ عِبَادِهٖ | الاعراف | ۷ | ۱۲۸ | [illegible] |
| ۳۲۔ | ذَالِکَ بِاَنَّ اللّٰهَ ......مَا بِاَنْفُسِهِمْ | الانفال | ۸ | ۵۳ | [illegible] |
| ۳۳۔ | اِنَّ عِدَّةَ الشُّهُوْرِ عِنْدَاللّٰهِ ...... الْقَوْمَ الْکٰفِرِیْنَ | التوبہ | ۹ | ۳۶،۳۷ | [illegible] |
| ۳۴۔ | وَیَقُوْلُوْنَ هٰؤُلَاءِ ...... عِنْدَ اللّٰهِ | یونس | ۱۰ | ۱۸ | [illegible] |
| ۳۵۔ | وَلَقَدْرَاوَدْتُّه'......فَاسْتَعْصَمَ | یوسف | ۱۲ | ۳۲ | [illegible] |
| ۳۶۔ | وَلَمَّاجَهَّزَهُمْ بِجِهَازِهِمْ | یوسف | ۱۲ | ۵۹ | ۸۳،۷۷ |
| ۳۷۔ | اِنَّ اللّٰهَ لَا یُغَیِّرُ......مَا بِاَنْفُسِهِمْ | الرعد | ۱۳ | ۱۱ | [illegible] |
| ۳۸۔ | اَلَابِذِکْرِ اللّٰهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوْبَ | الرعد | ۱۳ | ۲۸ | [illegible] |
| ۳۹۔ | وَلَقَدْاَرْسَلْنَا......وذُرِّیَّةَ | الرعد | ۱۳ | ۳۸ | ۵۷ |
| ۴۰۔ | فَسْئَلُوْا اَهْلَ الذِّکْرِ ...... تَعْلَمُوْنَ | النحل | ۱۶ | ۴۳ | ۹۷ |
| ۴۱۔ | لَا تَقْتُلُوْ اَوْلَادَکُمْ ..........خِطْاءً کَبِیْرًا | بنی اسرائیل | ۱۷ | ۳۱ | [illegible] |
| ۴۲۔ | وَاٰتِ ذَالْقُرْبٰی...... لِرَبِّهٖ کَفُوْرًا | بنی اسرائیل | ۱۷ | ۲۶،۲۷ | [illegible] |
| ۴۳۔ | وَلَا یُشْرِکْ بِعِبَادَةِ رَبِّهٖ اَحَدًا | الکهف | ۱۸ | ۱۱۰ | [illegible] |
| ۴۴۔ | وَاَنْکِحُوْالْاَ یَا میٰ مِنْکُمْ | النور | ۲۴ | ۳۲ | ۵۸ |
| ۴۵۔ | اَلْخَبِیْثٰتُ لِلْخَبِیْثِیْنَ ...... لِطَّیِّبٰتِ | النور | ۲۴ | ۲۶ | [illegible] |
| ۴۶۔ | اَلزَّانِیْ لَا یَنْکِحُ...... عَلَی الْمُؤْمِنِیْنَ | النور | ۲۴ | ۳ | [illegible] |
| ۴۷۔ | اَلزَّانِیَةُ ......جَلْدَةً | النور | ۲۴ | ۱۸ | [illegible] |
| ۴۸۔ | وَالْیَسْتَعْفِفِ الَّذِیْنَ ...... نِکَاحاً | النور | ۲۴ | ۳۳ | [illegible] |
| ۴۹۔ | وَالَّذِیْنَ لَا یَدْعُوْنَ مَعَ اللّٰهِ ...... وَلَا یَزْنُوْنَ | الفرقان | ۲۵ | ۶۸ | [illegible] |
| ۵۰۔ | وَالَّذِیْنَ اِذَا...... ذَالِکَ قَوَاماً | الفرقان | ۲۵ | ۶۷ | [illegible] |
| ۵۱۔ | اَللّٰهُ یَبْسُطُ الرِّزْقَ ......وَیَقْدِرُ | العنکبوت | ۲۹ | ۶۲ | [illegible] |
| ۵۲۔ | اِنَّ الصَّلٰوةَ...... وَالْمُنْکَرُ | العنکبوت | ۲۹ | ۴۵ | [illegible] |
| ۵۳۔ | وَمِنْ اٰیٰتِهٖ اَنْ خَلَقَ...... مُّوَدَّةً وَّرَحْمَةً | الروم | ۳۰ | ۲۱ | [illegible] |
| ۵۴۔ | وَاِذَا قِیْلَ لَهُمْ ...... اِلٰی عَذَابِ السَّعِیْرِ | لقمان | ۳۱ | ۲۱ | [illegible] |

| نمبر شمار | آیات | سورۃ کا نام | سورۃ نمبر | آیت نمبر | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|---|---|
| ۵۵۔ | وَمِنَ النَّاسِ مَنْ ......عَذَابٌ مُّهِيْنٌ | لقمان | ۳۱ | ۶ | ۱۸ |
| ۵۶۔ | مَا جَعَلَ اللّٰهُ لِرَجُلٍ...... وَمَوَالِيْكُمْ | الاحزاب | ۳۳ | ۴،۵ | ۷۲ |
| ۵۷۔ | لَقَدْ كَانَ لَكُمْ ...... حَسَنَةٌ | الاحزاب | ۳۳ | ۲۱ | ۱۹۵ |
| ۵۸۔ | وَمَا اَصَابَكُمْ ......عَنْ كَثِيْرًا | شوریٰ | ۴۲ | ۳۰ | ۱۹۴ |
| ۵۹۔ | سُبْحَانَ الَّذِیْ خَلَقَ ...... كُلَّهَا | یٰسین | ۳۶ | ۳۶ | ۵۵ |
| ۶۰۔ | يَاَيُّهَا النَّاسُ ...... عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ | الحجرات | ۴۹ | ۱۳ | ۱۳۰ |
| ۶۱۔ | اِنَّ اَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللّٰهِ | الحجرات | ۴۹ | ۱۳ | ۱۵۱ |
| ۶۲۔ | وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ...... اُجُوْرَهُنَّ | الممتحنہ | ۶۰ | ۱۰ | ۲۹ |
| ۶۳۔ | يَاَيُّهَا النَّبِیُّ اِذَا جَاءَكَ ...... وَلَا يَزْنِيْنَ | الممتحنہ | ۶۰ | ۱۲ | ۷۳ |
| ۶۴۔ | يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا......مَالَا تَفْعَلُوْنَ | الصّف | ۶۱ | ۲،۳ | ۲۰۴ |
| ۶۵۔ | يتلوا عليهم ......والحكمة | الجمعہ | ۶۲ | ۲ | ۱۹۸ |
| ۶۶۔ | أَسْكِنُوْهُنَّ ......مِنْ وُّجْدِكُمْ | الطلاق | ۶۵ | ۶ | ۱۵۰ |
| ۶۷۔ | وَمَرْيَمَ ابْنَتَ ...... مِنَ الْقٰنِتِيْنَ | التحریم | ۶۶ | ۱۲ | ۷۳ |
| ۶۸۔ | فَوَيْلٌ لِّلْمُصَلِّيْنَ الَّذِيْنَ هُمْ ...... | الماعون | ۱۰۷ | ۴،۶ | ۱۱۲ |

# فہرست احادیث

| نمبر شمار | احادیث | ماخذ حدیث | صفحہ نمبر |
|---|---|---|---|
| ۱۔ | اذا تزوج العبد...... | شعب الایمان | ۵۸ |
| ۲۔ | أما واللّٰہ انی لأحشاکم للّٰہ...... | الجامع الصحیح للبخاری | ۵۹ |
| ۳۔ | النکاح من سنتی فمن لم یعمل...... | سنن ابن ماجہ | ۴۰ |
| ۴۔ | انما الدنیاء متاع...... | سنن ابن ماجہ | ۴۰ |
| ۵۔ | اللھم الھمنی رشدی...... | الجامع الترمذی | ۴۳ |
| ۶۔ | اذا خطب الیکم من ...... | الجامع الترمذی | ۵۲ |
| ۷۔ | انما النکاح رق...... | سنن البیہقی الکبریٰ | ۵۳ |
| ۸۔ | ایاکم و خضرا ء الدمن...... | مسند الشہاب | ۵۳ |
| ۹۔ | امرو النساء فی...... | سنن ابی داؤد | ۵۴ |
| ۱۰۔ | الأیم احق بنفسھا...... | سنن ابی داؤد | ۵۴ |
| ۱۱۔ | البکربالبکر...... | الجامع الصحیح لمسلم | [illegible] |
| ۱۲۔ | انظر الیھا فانہ أجدر...... | صحیح ابنِ حبان | ۵۷ |
| ۱۳۔ | انَّ رجلااتی النبی فذکر لہ نکاح...... | صحیح ابنِ حبان | ۵۷ |
| ۱۴۔ | اذا خطب احدکم المراۃ...... | سنن ابی داؤد | ۵۷ |
| ۱۵۔ | المؤمن اخوالمومن فلا...... | الجامع الصحیح لمسلم | ۵۹ |
| ۱۶۔ | اعلنو ھذا النکاح...... | الجامع الترمذی | ۴۳ |
| ۱۷۔ | ان احق الشراط أن...... | سنن ابنِ ماجہ | ۷ |
| ۱۸۔ | ان اعظم النکاح برکۃ...... | مسند الامام احمد بن حنبل | ۷۴ |
| ۱۹۔ | المطاني ابی عطیۃ...... | کنز العمال | ۸۴ |
| ۲۰۔ | اولم ولو بشاۃ...... | الجامع الصحیح للبخاری | ۸۸ |
| ۲۱۔ | اذا دعی احدکم إلی...... | الجامع الصحیح للبخاری | ۹۰ |
| ۲۲۔ | اذا دعا احدکم اخاہ...... | الجامع الصحیح لمسلم | ۹۰ |
| ۲۳۔ | اذا دعی احدکم فلیجب ...... | الجامع الصحیح لمسلم | ۹۰ |

# مصادر و مراجع

# مصادر ومراجع


۱۔ ابن تیمیہ، تقی الدین، مجموع الفتاویٰ (دار الوفاء الطبعۃ الثالثۃ، ۱۴۲۶ھ۔ ۲۰۰۵م)

۲۔ ابنِ جوزی، علامہ، تلبیس ابلیس، (مترجم)، علامہ محمد عبدالحق، اعظم گڑھی (کراچی: دار الاشاعت ۱۹۹۵ء)

۳۔ ابن حزم، ابومحمد علی بن احمد بن سعید، المحلی (دار الفکر بلطباعۃ النشر والتوزیع، س۔ن)

۴۔ ابنِ خلدون، مقدمہ ابنِ خلدون، (مترجم) علامہ راغب رحمانی (کراچی: نفیس اکیڈمی، ستمبر ۱۹۹۲ء)

۵۔ ابن خلدون، تاریخ ابنِ خلدون، (بیروت: دار احیاء التراث العربی، الطبعۃ الرابعۃ، س۔ن)

۶۔ ابن عابدین، مجموعہ رسائل ابن عابدین، (سوریا: مطبع معارف، ۱۳۰۱ھ)

۷۔ ابنِ عابدین، الدر المختار، (بیروت: دار الفکر، س۔ن)

۸۔ ابن کثیر، ابوالفدا اسماعیل بن عمرو، تفسیر القرآن العظیم، (دار طیبۃ والنشر والتوزیع، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۲۰ھ۔۱۹۹۹ء)

۹۔ ابوزھرہ، اصول الفقہ (قاہرہ دار الفکر العربی، ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۷م)

۱۰۔ ابویعلی، احمد بن علی بن المثنی، مسند ابی یعلی (دمشق: دار المأمون للتراصیلی التمیث، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۰۴ھ۔۱۹۸۳ء)

۱۱۔ اسعد، محمد سعید، جموں وکشمیر، بک آف نالج (میرپور: نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کشمیر سٹڈیز، ط: ۱، اپریل ۲۰۰۹ء)

۱۲ اکبر آبادی، سعید احمد، مولانا، مسلمانوں کا عروج وزوال، (لاہور: ادارہ اسلامیات، اپریل ۱۹۸۳ء)

۱۳ الآجری، ابی بکر محمد بن حسین بن عبداللہ، اخبار ابی حفص عمر بن عبدالعزیز، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۰ھ۔۱۹۸۰م)

۱۴۔ البخاری، محمد بن اسماعیل الجامع الصحیح المختصر (بیروت: دار ابن کثیر العامۃ، ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷م)

۱۵۔ البیرونی، کتاب الہند، (لاہور: بک ٹاک، ۲۰۰۲ء)

۱۶۔ البیہقی، ابوبکر احمد بن حسین، شعب الایمان، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۱۰ھ)

۱۷۔ الترمذی، محمد بن عیسیٰ، الجامع الصحیح سنن الترمذی، (بیروت: احیاء التراث العربی، س۔ن)

۱۸۔ التمیمی، محمد بن حبان، صحیح ابن حبان (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۳م)

۱۹۔ الجزیری، عبدالرحمٰن، الفقہ علی مذاہب الاربعۃ (بیروت، احیا تراث العربی، الطبعۃ السادسۃ)

۲۰۔ الجصاص، ابوبکر، احکام القرآن (بیروت: دار احیاء التراث العربی ۱۴۰۵ھ)

۲۱۔ احمد بن حنبل، ابوعبداللہ، مسند الامام احمد بن حنبل، (القاہرہ: مؤسسۃ القرطبیۃ، س۔ن)

۲۲۔ الدارقطنی، علی بن عمر ابوالحسن، سنن الدارقطنی (بیروت: دار المعرفۃ، ۱۳۸۶ھ۔۱۹۶۶م)

۲۳۔ السرخسی، المبسوط، (بیروت: ۱۹۸۶ء)

۲۴۔ السمرقندی، تحفۃ الفقہا، (بیروت: دار الکتب العلمیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۱۴ھ۔۱۹۹۴م)

۲۵۔ السید سابق، فقہ السنہ (بیروت لبنان: دار الکتاب العربی، ۱۳۸۹ھ)

۲۶۔ الطبرانی، ابوالقاسم، سلیمان بن احمد، المعجم الاوسط (القاہرہ: دار الحرمین، ۱۴۱۵ھ)

۲۷۔ الطبرانی، المعجم الصغیر، (بیروت، عمان: المکتب الاسلامی، دارعمار، الطبعۃ الاولی ۱۴۰۵ھ۔۱۹۸۵ء)

۲۸۔ العسقلانی، ابن حجر، فتح الباری، شرح الصحیح البخاری، (بیروت: دارالمعرفہ ۱۳۷۹ھ)

۲۹۔ القزوینی محمد بن یزید، ابوعبداللہ، السنن ابن ماجہ (بیروت: دارالفکر، س۔ن)

۳۰۔ القشیری، ابوالحسین مسلم بن حجاج بن مسلم، الجامع الصحیح (بیروت، دارالجیل + دارالافاق الجدید، س۔ن)

۳۱۔ القضاعی محمد بن سلامۃ بن جعفر ابوعبداللہ، مسند الشہاب، (بیروت: مؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ، الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۶م)

۳۲۔ الکاسانی، علاؤالدین ابی بکر، بدائع الصنائع فی ترتیب الشرائع (بیروت: دارالکتاب العربیۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۹۸۲ء)

۳۳۔ امیر علی، سیّد، مولانا، فتاویٰ عالمگیری، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، اُردو بازار، س۔ن)

۳۴۔ النسائی، احمد بن شعیب ابوعبدالرحمٰن، سنن النسائی با احکام البانی (حلب: مکتب مطبوعات الاسلامیۃ، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۲م)

۳۵۔ ایچ۔ای، بارنیس، سوشل انسٹی ٹیوشن، (نیویارک: پرنٹک ہال، ۱۹۴۶ء)

۳۶۔ بخاری، منیر احمد، کشمیر حقائق کے آئینہ میں، (لاہور: احباب پبلشرز، ط: اوّل، ۱۹۹۸ء)

۳۷۔ بھٹی محمد زبیر، راجہ، بیسویں صدی کا کشمیر، (لاہور: زاہد نوید پرنٹرز، اکتوبر ۲۰۰۵ء)

۳۸۔ پرویز دیوان، کشمیر، (نیو دہلی: مانا س پبلیکیشنز، ۲۰۰۴ء)

۳۹۔ پنڈت کلہن، راج ترنگنی، (مترجم) ٹھاکر اچھر چند شاہپوریہ (میر پور: ویری ناگ پبلشرز، س۔ن)

۴۰۔ تشنہ، نذیر احمد، پروفیسر، (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۱۹۹۳ء)

۴۱۔ تنزیل الرحمٰن ڈاکٹر، مجموعہ قوانین اسلام، (اسلام آباد: ادارہ تحقیقات اسلامی، س۔ن)

۴۲۔ تقی امینی، فقہ اسلامی کا تاریخی پس منظر، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، ط پنجم، ۱۹۸۹ء)

۴۳۔ تھانوی، مولانا، اشرف علی، اسلامی شادی، (لاہور: المیزان اُردو بازار ۲۰۰۶ء)

۴۴۔ تھانوی، مولانا، اشرف علی، اصلاح خواتین، (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، ۱۴۱۴ھ)

۴۵۔ تھانوی، مولانا، اشرف علی، اصلاح الرسوم، (کراچی: دارالاشاعت، فروری ۲۰۰۲ء)

۴۶۔ جی۔ایم میر، جموں وکشمیر کی جغرافیائی حقیقتیں (میر پور، ممتاز احمد ہاشمی، مکتبہ رضوان، پنجم، نومبر ۲۰۰۱ء)

۴۷۔ جیلانی، شیخ عبدالقادر، غنیۃ الطالبین، (مترجم) مولانا الحاج کرم بخش، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران: ۲۰۰۳ء)

۴۸۔ خالد الرحمٰن، عورت خاندان اور ہمارا معاشرہ (اسلام آباد: انسٹی ٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، ۲۰۰۷ء)

۴۹۔ خالد علوی، ڈاکٹر، اسلام کا معاشرتی نظام، (لاہور: الفیصل ناشران وتاجران کتب، جون ۲۰۰۵ء)

۵۰۔ خضر اقبال، راجہ، علاقہ کھڑی تہذیب وثقافت کے تناظر میں، (لاہور: اُردو بازار، ۲۰۰۵ء)

۵۱۔ خلاف، عبدالوھاب، اصول الفقہ (کویت: دارالقلم، ۱۴۰۶ھ۔۱۹۸۶م)

۵۲۔ دہلوی، قطب الدین، خان، محمد، مظاہر حق جدید، (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۲ء)

۵۳۔ دہلوی، شاہ ولی اللہ، حجۃ اللہ البالغہ، (لاہور: مکتبہ السلفیہ، ۱۹۷۵ء)

۵۴۔ خورشید احمد، پروفیسر، نظام تعلیم، (نظریہ، روایت، مسائل)، (اسلام آباد: انسٹیٹیوٹ آف پالیسی سٹڈیز، س۔ن)

۵۵۔ راجپوت، منشی جلال الدین، اصلاح الرسوم (جالندھر: انجمن خادمان اسلام ایجوکیشن الیکٹرک پریس، س۔ن)

۵۶۔ رزاقی، شاہد حسین، پاکستانی مسلمانوں کے رسوم ورواج (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۶۵ء)

۵۷۔ رُوتھ بنی، ڈکٹ، ڈاکٹر، قدیم تہذیب، جدید انسان (مترجم) سیّد قاسم محمود، (لاہور: رحمانی پریس ڈیلدار روڈ...

۵۸۔ زرقانی، شرح علامہ زرقانی علی المواہب اللدنیۃ، (بیروت: دارالکتب العلمیۃ، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۱۷ھ۔۱۹۹۶ء)

۵۹۔ سرسید، رسم ورواج بشمول مضامین سرسیّد، (لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۸۴ء)

۶۰۔ سکھروی، عبدالرؤف، مفتی شادی بیاہ کے اسلامی احکام (میمن اسلامک پبلشرز، جون ۲۰۰۲ء)

۶۱۔ سندیلوی، محمد اسحاق، مولانا، اسلام کا سیاسی نظام، (اعظم گڑھ، مطبع معارف، ۱۹۵۷ء)

۶۲۔ شہاب، رفیع اللہ، پروفیسر، اسلام کا ازدواجی نظام (لاہور: سنگِ میل پبلیکیشنز، ۱۹۹۱ء)

۶۳۔ شہید، محمد اسماعیل، شاہ، تقویۃ الایمان معہ تذکیرالاخوان (لاہور: امجد اکیڈمی اُردو بازار، س۔ن)

۶۴۔ شہید، سیّد قطب، جادہ منزل، (مترجم) خلیل احمد حامدی، (بیروت: الاتحاد الاسلامی العالمی، ۱۹۸۰ء)

۶۵۔ صبحی محمصانی، فلسفہ شریعت اسلام (مترجم) مولوی محمد احمد رضوی (لاہور: مجلس ترقی ادب، کلب روڈ...

۶۶۔ صدیقی، ساجد الرحمٰن، ڈاکٹر اسلامی فقہ کے اصول ومبادی (لاہور: دارالتذکیر، ۲۰۰۱ء)

۶۷۔ صغیر خان، ڈاکٹر، پونچھ کی تہذیب وثقافت (کشمیر اکیڈمی: مئی ۲۰۰۱ء)

۶۸۔ طبری، ابوجعفر محمد بن جریر، جامع البیان فی تاویل القرآن (مؤسسۃ الرسالۃ الطبعۃ الاولیٰ، ۱۴۲۰ھ۔۲۰۰۰ء)

۶۹۔ عارف خان، محمد پروفیسر، کشمیر انقلابی فکر کی روشنی میں (میر پور: فاروق اسیر، لالہ زار بک سیلرز اینڈ پبلشرز...

۷۰۔ عاصم الحداد، اصول فقہ پر ایک نظر، (لاہور: اسلامک پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۹۱ء)

۷۱۔ عبدالقیوم محمد، سردار، کشمیر بنے گا پاکستان، (لاہور: انفوٹیک پبلشرز، ط: اوّل، ۱۹۸۵ء)

۷۲۔ عثمانی، محمد تقی، اصلاح معاشرہ (کراچی: مکتبہ دارالعلوم، دسمبر ۲۰۰۵ء)

۷۳۔ عزیز الرحمٰن، مولانا، مفتی، فتاویٰ دارالعلوم دیوبند، (کراچی: دارالاشاعت، ۲۰۰۱ء)

۷۴۔ عزیز احمد، پروفیسر، برصغیر میں اسلامی کلچر، (مترجم) ڈاکٹر جمیل جالبی، (لاہور: ادارہ ثقافت اسلامیہ، ۱۹۹۰ء)

۷۵۔ علی احمد، مولانا، شادی اور شریعت، (لاہور: مکتبہ خلیل، س۔ن)

۷۶۔ غزالی، احیائے علوم الدین، ترجمہ بنام مذاق العارفین (مترجم) مولانا محمد احسن نانوتوی (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س۔ن)

۷۷۔ فوق، محمد الدین، مکمل تاریخ کشمیر، (لاہور: مشتاق بک کارنر، س۔ن)

۷۸۔ قریشی، بشیر احمد، قائد کشمیر، (پرنٹنگ کارپوریشن آف فرنٹیئر، ط: چہارم، ۱۹۹۴ء)

۷۹۔ کفایت اللہ، مفتی، محمد، کفایۃ المفتی (ملتان، مکتبہ امدادیہ، س۔ن)

۸۰۔ کھوکھر، حافظ محمد عباس، اصلاح النبوت، (م۔ن ۲۰۰۶ء)

۸۱۔ گستاؤلبان، ڈاکٹر تمدن ہند، (مترجم) سید علی بلگرامی، (لاہور: مقبول اکیڈمی ۲۰ فروری ۱۹۶۲ء)

۸۲۔ گیمی، سلیم خان، اقبال اور کشمیر، (لاہور: یونیورسل بکس، ط: اوّل، ۱۹۸۵ء)

۸۳۔ لدھیانوی، مولانا یوسف، آپ کے مسائل اور اُن کا حل (کراچی: مکتبہ لدھیانوی، ۱۹۹۹ء)

۸۴۔ ماہر القادری، بدعت کیا ہے؟ (مجموعہ مقالات) (لاہور: وفاق پریس، س۔ن)

۸۵۔ مالک بن انس، الموطا (مؤسسۃ زاید بن سلطان آل نہیان، الطبعۃ الاولیٰ ۱۴۲۵ھ۔۲۰۰۴ء)

۸۶۔ محمد رضوان، مفتی، شادی کو سادی بنایئے، (راولپنڈی: ادارہ غفران، جمادی الاوّل ۱۴۲۸ھ)

۸۷۔ محمود آزاد، سید، تاریخ کشمیر (مظفر آباد: سیادت پبلیکیشنز، ط: دوم، جنوری ۱۹۹۰ء)

۸۸۔ مظہر معین، ڈاکٹر، اسلام اور ذات پات، (لاہور: ادبستان، مارچ ۲۰۰۰ء)

۸۹۔ منشی، عبدالرحمٰن، خان، مذہب اور سائنس (ملتان: عالمی ادارہ اشاعت علومِ اسلامیہ، اپریل ۱۹۸۲ء)

۹۰۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سید، حقوق الزوجین، (لاہور: ادارہ ترجمان القرآن، اگست ۱۹۸۱ء)

۹۱۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، پردہ (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، جنوری ۱۹۹۴ء)

۹۲۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، اسلامی تہذیب اور اس کے اصول ومبادی (اسلامک پبلیکیشنز لمیٹڈ، اپریل ۱۹۶۶ء)

۹۳۔ مودودی، ابوالاعلیٰ، سیّد، سُنت کی آئینی حیثیت (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، جولائی ۱۹۸۷ء)

۹۴۔ موسوی، اکبر علی، قانون ورواج ہنود، (حیدر آباد: دارالمطابع، جامع عثمانیہ، ۱۹۴۱ء)

۹۵۔ ناصر نصیر احمد، ڈاکٹر، اسلامی ثقافت، (لاہور: فیروز سنز لمیٹڈ، س۔ن)

۹۶۔ نجیب، فاروق اختر، سیاست وریاست، (لاہور: نقوش پریس اُردو بازار، س۔ن)

۹۷۔ ندوی، ابوالحسن، علی، پاجا سراغ زندگی، (کراچی: مجلس نشریات اسلام، ۱۹۷۳ء)

۹۸۔ ندوی، مجیب اللہ، مولانا، فقہ اسلامی (لاہور: پروگریسو بکس، چوہدری غلام رسول، چوہدری جوا رسول

۹۹۔ نجم الدین، مولانا، رسوم جاہلیت (لاہور: مقبول اکیڈمی، ۲۰۰۰ء)

۱۰۰۔ نعیم صدیقی، محسن انسانیت، (لاہور: اسلامک پبلیکیشنز، ۱۹۸۸ء)

۱۰۱۔ نعیمی، مفتی احمد یار خان، اسلامی زندگی، (لاہور: ضیاء القرآن پبلیکیشنز، اکتوبر ۲۰۰۳ء)

۱۰۲۔ والٹر لارنس، ویلی آف کشمیر (میر پور: ویری ناگ پبلشرز، ۱۹۹۱ء)

۱۰۳۔ وکٹوریہ شوفیلڈ، کشمیر (ان کراس فائر) (لندن: آئی۔بی تیرس، کو، ۱۹۹۶ء)

۱۰۴۔ ولی الدین، میر، ڈاکٹر، قرآن اور تعمیر سیرت، (لاہور: پروگریسو بکس، اُردو بازار ۱۹۸۸ء)

۱۰۵۔ وہبۃ الزحیلی، الفقہ الاسلامی، وادلتہ، (سوریۃ، دمشق: دارالفکر، س۔ن)

## لغات/ دائرۃ المعارف


۱۔ ابن تستری، المذکر والمؤنث(http://www.alwarraq.com)

۲۔ ابوالفتح، ناصرالدین، المغرب، فی ترتیب المعرب (حلب: مکتبہ اسامہ بن زید، الطبعۃ الاولیٰ، ۱۹۷۹ء)

۳۔ اُردو دائرۃ المعارف، (بیروت: س۔ن)

۴۔ اصفہانی، علامہ راغب، المفردات فی غریب القرآن (ایران: مطبوعہ المکتبۃ المرتضویۃ، ۱۳۴۲ھ)

۵۔ الازہری، تہذیب اللغۃ، (مصر: ۱۹۹۴م)

۶۔ الافریقی، لسان العرب، (بیروت: دارصادر، الطبعۃ الاولیٰ، س۔ن)

۷۔ العسکری، ابوہلال، الفروق اللغویۃ (مؤسسۃ النشر الاسلامی، الطبعۃ الاولیٰ، ۲۰۰۰ء)

۸۔ الفیروزآبادی، محمد بن یعقوب، القاموس المحیط، (بیروت: المؤسسۃ الرسالۃ، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۷ھ۔۱۹۸۷م

۹۔ المقری، احمد بن محمد بن علی، مصباح المنیر فی غریب الشرح الکبیر، (بیروت: مکتبۃ العلمیۃ، س۔ن)

۱۰۔ الموسوعۃ الفقہیۃ، (کویت وزارت الاوقاف والشؤن الاسلاعیۃ، ۱۴۱۲ھ۔۱۹۹۲م)

۱۱۔ بطرس البستانی، دائرۃ المعارف، (بیروت: س۔ن)

۱۲۔ دہلوی، مولوی سید احمد، فرہنگ آصفیہ (لاہور: خالد نذیر خان، مکتبہ حسین سہیل لمیٹڈ، ط: سوم، س۔ن)

۱۳۔ زبیدی، المرتضیٰ، تاج العروس، (بیروت: دارالاحیا التراث العربی، ۱۹۸۴ء)

۱۴۔ سعدی، ابوحبیب، الدکتور، القاموس الفقہی (دمشق، سوریا: دارالفکر، الطبعۃ الثانیۃ ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸م)

۱۵۔ جرجانی، علی بن محمد بن علی، التعریفات (بیروت: لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸م)

۱۶۔ فیروزالدین، مولوی، فیروزاللغات (لاہور: فیروزسنز لمیٹڈ، ط: سوم، ۱۹۸۳ء)

۱۷۔ قلعجی، محمد رواس، معجم اللغۃ الفقہا (بیروت : لبنان، الطبعۃ الثانیۃ، ۱۴۰۸ھ۔۱۹۸۸م)

☆ The New Encyclopaedia Britannica, (Inc. William Benton, Publisher 1943-1973 15 Edition) London.

☆ Encyclopaedia of Religion and Ethics, James Hasting, Edinburgh: T&T CLARK, 38, George street Newyork. 1974.

☆ International Encyclopedia of the Social Sciences, David L. Sills, The Macmillan Company & The free Press, New york .

## رسائل وجرائد


۱۔ سہ ماہی منہاج، (لاہور، جولائی ۱۹۸۶ء)

۲۔ ماہنامہ میثاق، (لاہور: اپریل ۲۰۰۵ء، ستمبر ۲۰۰۹ء)

۳۔ ماہنامہ الرشاد، (مارچ ۱۹۸۳ء)

۴۔ ماہنامہ الشراق، (مئی ۱۹۹۷ء)

۵۔ سہ ماہی تحقیقاتِ اسلامی، (علی گڑھ: جنوری۔ مارچ ۱۹۸۶ء)

۶۔ ہفت روزہ ضربِ مومن (۱۹ صفر ۱۴۲۲ھ)

۷۔ نوائے وقت، سنڈے میگزین (۲۱ دسمبر ۲۰۰۸ء)

۸۔ ماہنامہ تحریک اصلاح معاشرہ پاکستان (مئی ۱۹۹۳ء۔ اپریل ۱۹۹۴ء، مئی ۱۹۹۴ء، جنوری، فروری، ۱۹۹۴ء)

۹۔ ماہنامہ خطیب (لاہور: ۲۰۰۳ء، اکتوبر ۲۰۰۴ء، جنوری ۲۰۰۶ء)

۱۰۔ جنگ سنڈے میگزین (۲۲ فروری ۲۰۰۹ء)

۱۱۔ روزنامہ نوائے وقت (۱۶ دسمبر ۲۰۰۹ء)

# AZAD KASHMIR AND THEIR IMPACT

(A Critical Analysis in the light of the precepts of Islam)

**Thesis M.Phil Islamic Studies**

**Submitted by:**

**Asia Bibi**
Roll No. Z775592
Lecturer
Government Girls Inter College
Hurnamaira Poonch
Azad Kashmir

**Supervised by:**

**Prof. Dr. Abdul Khaliq Khan**
Director ( R )
Institute of Islamic Studies
Mirpur University of
Science & Technology
Mirpur Azad Kashmir

**Department of Arabic and Islamic Studies**
Allama Iqbal Open University Islamabad
**Session: 2007-2009**